MODERN URDU ESSAYS
AND
LETTER WRITINGS.

EDITED BY
RAMZAN ALI M. A.
Compiled by
AKHTAR ALI M. A.
URDU LECTURER.
Revised by
M. CHIRAG HUSAIN, M. A. B. T.
Head Master

گلدستۂ مضامین و انشاپردازی

PUBLISHED BY
EDUCATIONAL BOOK HOUSE,
Civil Lines, Shamshad Buildings,
ALIGARH, U. P.

گلدستۂ مضامین و انشاپردازی

یعنی

مختلف موضوعات پر دلچسپ مضامین مع اشارات مضامینِ مشقی۔

و

خطوط نویسی اور اُس کے ہر قسم کے نمونے

مع

مشہور ادیبوں اور انشاپردازوں کے ادبی مکتوبات

---

(۱) مصنفہ و مؤلفہ :- رمضان علی ایم اے

(۲) مرتبہ :- اختر علی ایم اے - اُردو لیکچرار

(۳) نظر ثانی :- محمد چراغ حسن ایم اے - بی ٹی ہیڈ ماسٹر

پبلشرز

ایجوکیشنل بک ہاؤس

بک سیلرز - پبلشرز - اسٹیشنرز

سول لائن - علیگڈھ

۴۸۶

معزز ناظرین!

اُردو انشا پردازی کی کتابوں کے متعلق عام شکایت ہے کہ وہ نفس مضمون و طریقہ انتخاب کے اعتبار سے زمانہ حال کے مطالب کو پورا نہیں کرتیں اور موجودہ زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر ان کا معیار بہت پست نظر آتا ہے اس کے علاوہ جس طرح ان کی شیرازہ بندی کی گئی ہے اُن میں بعض ضروری اجزا بھی شامل نہیں۔ اس لئے گلدستہ مضامین و انشا پردازی کی تالیف و ترتیب میں حتی الامکان اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ گلدستہ ہر حیثیت سے طلبا کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہو ہم نے مضامین کو باعتبار نوعیت چار ابواب میں تقسیم کیا ہے

جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱- پہلے باب میں مضمون نویسی اور اُس پر ۱۶۵ مختلف موضوعات پر مختلف مضامین کے نمونے اور مفید اشارات۔

۲- دوسرے باب میں مشقی مضامین کا سلسلہ مع مختلف عنوانات اور اُن کے تحت مفید اشارات۔

۳- تیسرے باب میں خطوط نویسی اور اُس کے مختلف نمونے مع ضروری قواعد وضوابط۔

۴- چوتھے باب میں مشہور ادیبوں اور مستند انشاپردازوں کے مکتوبات۔

انشاپردازی ایک خاص اور ضروری فن ہے جس میں مدعائے دل و مطالب کو بذریعہ تحریر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ دوم اسکول و کالج کے طلبار کے واسطے انشاپردازی ایک لازمی چیز ہے اور اُن کے پرچہ میں اس کا سوال سب سے زیادہ نمبر کا آتا ہے۔ طلبار میں فطرتی اور غیر فطرتی انشاپرداز بھی ہو سکتے ہیں ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے مضمون نگاری و خطوط نویسی کے فن سے آشنا کر کے ان میں ذوق انشا پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ تاریخی، ادبی، علمی، اصلاحی، تشریحی، تخیلی و متفرق مضامین پر مناسب طریقہ سے سادہ الفاظ میں نمونے پیش کر کے سمجھایا گیا ہے تاکہ انشاپردازی کا ڈھنگ آجائے اور جو مقصد اس کی اشاعت سے ہے وہ حاصل ہوتا رہے اور اُن ضروری امور کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے جن کی بدولت فن انشاپردازی میں وسعت خیالات و معلومات و مطلب خیز تحریر، روزمرہ، سادگی، الفاظ موزوں کی خاص قابلیت پیدا ہو سکے۔ مبالغہ آمیز استعارات تشبیہات کی غیر مفید بندشوں اور پُر تکلف عبارت آرائیوں سے مناسب طریقہ پر گریز و پرہیز کیا گیا ہے۔

مشقی مضامین میں ہر ایک عنوان کے تحت ضروری اشارات دیئے گئے ہیں تاکہ طلبار ان اشارات کے ضمن میں مضمون اور ربط عبارت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر ایک عنوان کے متعلق اپنے خیالات کو اچھی طرح بذریعہ تحریر ظاہر کر سکیں اور انھیں حسب ہدایت یکسوئی

کے ساتھ ان اشارات کے ماتحت مختلف حصّوں میں تقسیم کرسکیں اور مناسب طریقے پر ترتیب دے سکیں۔ اس طریقے سے طلباء کی تحریری مشکلات کا بہت کچھ ازالہ ہوجائے گا اور آسانی و سہولت پیدا ہوجائے گی۔ طبیعت میں غور و خوض کی عادت ہوگی، ذہن میں وسعت پیدا ہوگی اور جلد مہارت ہوجائے گی۔

خطوط نویسی میں حفظ مراتب، مضمون مختصر، الفاظ موزوں اور مطلب خیز جملوں اور لفافہ نویسی کے قواعد وغیرہ کو مشق کے ساتھ بتایا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے۔ خطوط نویسی کے ماتحت ضروری ہدایات دینے کے بعد تقریباً ہر قسم کے خط کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اور حسب موقع ایسی تمام تفصیلیں دی گئی ہیں جو خطوط نویسی کی تعلیم میں مناسب اور ہمیشہ کے لئے کارآمد ہیں۔

مشہور ادیبوں اور انشاپردازوں کے مکتوبات مکتوبات زیادہ تر انھیں مسلم الثبوت اہل قلم کے لئے گئے ہیں جن کا مرتبہ بہ اعتبار فضل و کمال ممتاز حیثیت رکھتا ہے، جن کے دم قدم سے شاہراہ ادب کی رہنمائی ہوئی ہے۔ ادب اردو کے نصاب میں دو چار نامور ہستیوں کے سوا دوسرے مشاہیر کے خطوط نہیں ملتے مگر اس سے تشنہ کامان ادب کی پیاس نہیں بجھتی اور ان کے بھی مفید سرمایہ سے تہی دست رہنا ادب عالیہ کی بے مائگی ثابت کرتا ہے اس کے علاوہ ہر گلے را رنگ بوئے دیگر است کے مصداق طرز تحریر بھی سب کا جدا جدا ہے اسی تنگ دائرۂ انتخاب کو مناسب طریقے سے وسیع کیا گیا ہے تاکہ تشنہ کامان زبان اور مبتدیان ادب اچھی طرح سیراب ہوسکیں تقریباً ہر قسم کے

اُردو کے مشہور انشا پردازوں اور ادیبوں کے خطوط بطور نمونے پیش گئے ہیں
تاکہ طلباء کو معلوم ہو جائے کہ عمدہ اُردو کس کو کہتے ہیں۔ ان خطوط کے فراہم کرنے
میں زبردست کوشش کرنی پڑی ہے اور کثیر رقم صرف کر کے حاصل کرنے پڑے۔ اکثر
ایسے بھی ہیں جو ابھی تک طباعت اور اشاعت کے مرہون منت نہیں ہوئے یہ
خطوط جدید طرز انشا پردازی اور سنجیدہ پختہ تحریروں کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور
ادبی لحاظ سے بھی بہت دلچسپ اور مفید ہیں۔ ان مکتوبات میں اہل قلم کے
انداز تحریر، وسعت معلومات، بے تکلف بول چال، تخیل اور زبان کا مزہ، پند و
نصائح کا سرمایہ، شوخی تحریر اور راوبندی، مفید اشارات اور دلچسپ
انکشافات غرض کہ ہر قسم کے رنگ کا عنصر لطیف ملے گا۔

ہم نے اس گلدستۂ مضامین کو دلچسپ و نافع بنانے میں حتی الوسع کوئی
دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اُمید کہ ہماری یہ سعی مشکور ہوگی اور مبصرین کی نگاہیں
اور انصاف پسند طبائع خود اچھے بُرے کو پرکھ لیں گی۔ اپنے مُنہ سے تعریف کرنا
محض اپنی ذات تک محدود ہے مگر اہل نظر کا فیصلہ سب کے نزدیک مسلّم
طالبان علم اگر اس کو توجہ کے ساتھ پڑھیں گے تو اُن کو مضامین کے لکھنے میں
بہت آسانیاں نظر آئیں گی۔ پرائیویٹ طلباء یا جنھیں اچھا اُستاد میسر نہیں
یہ اُن کے لئے مشعلِ راہِ ہدایت ہوگی اور ایک اُستاد کامل کا کام دے گی۔

غلطی اور سہو چونکہ ہماری مٹی کا خمیر ہے۔ ہم انسان ہیں فرشتہ نہیں
اس لئے مؤدبانہ التماس ہے کہ ہمیں اپنے مفید مشوروں سے ممنون کیا جائے
اور ہماری لغزشوں کی پردہ پوشی کی جائے۔

"مولفین"

۷۸۶

فہرست مضامین

(۲) مشقی مضامین

(۳) خطوط نویسی

(۴) انشاپردازی کے مختلف نمونے

(۵) مکتوباتِ مشاہیرِ اہلِ ادب

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ضروری ہدایات

تحریر کا مفہوم اور منشا یہ ہوتا ہے کہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ میں لکھکر ظاہر کیا جائے۔ اس لئے ہم کو اپنے خیالات نہایت صاف اور سادہ الفاظ میں ظاہر کرنے چاہئیں تاکہ پڑھنے والا ہمارے خیالات سے بآسانی آگاہ ہو جائے۔ اس لئے ہم جو خیالات ظاہر کرنے کے خواہاں ہیں اُن کے متعلق سب سے اول ہم کو سوچ سمجھکر اپنے خیالات کو ایسی ترتیب کے ساتھ جمع کرنا چاہیئے جس سے خود ہم کو اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ ان کی ترتیب درست ہے اور ایسی ترتیب کے ساتھ جب اپنے مدعا کو بذریعہ تحریر ظاہر کریں گے پڑھنے والا ہمارے خیالات سے بخوبی آگاہ ہو جائے گا۔

لہٰذا اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ طرزِ تحریر ایسا نفیس اختیار کیا جائے کہ مختصر الفاظ میں اپنا مافی الضمیر پورے طور پر ظاہر ہو جائے اور اس کی یہ صورت ہے کہ لکھنے کے بعد غور کیا جائے کہ اس تحریر میں کون سے الفاظ فضول اور غیر ضروری ہیں۔ اُن کو علیحدہ کر دیا جائے اور صرف ضروری الفاظ استعمال کئے جائیں۔

اظہار خیال کے لئے ہمیشہ نہایت آسان اور سادہ الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ جن کے معنی اور مطالب ہم کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ بڑے بڑے اور شاندار الفاظ کے استعمال سے اگرچہ بظاہر تحریر پُر شوکت ہوجاتی ہی لیکن اگر اُن کے صحیح معنی اور استعمال سے ہم بخوبی واقف نہیں ہیں تو نہ صرف غلطی کا احتمال ہی بلکہ ہماری تحریر بھی مہمل اور بے معنی ہوجائے گی۔ اس لئے تحریر میں صرف وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جن پر ہم کو پوری قدرت حاصل ہی اور ہم کو اطمینان ہو کہ ہم نے ان الفاظ کو صحیح معنوں میں استعمال کیا ہی۔ لکھنے سے پیشتر اپنے خیالات کو مختلف حصّوں میں تقسیم کرلینا چاہئے اور ہر ایک عنوان کے متعلق اپنے خیالات کو اچھی طرح ظاہر کرنا چاہئیے اور ان عنوانات کو مناسب طریقہ پر ترتیب دینا چاہئیے۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہی کہ فلاں عنوان طویل ہو اور فلاں مختصر کیونکہ یہ بات لکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہی کہ اس عنوان کے متعلق میں کیا کیا اور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں علاوہ بریں لکھنے کے وقت الفاظ کا املا بالکل صحیح ہونا چاہئے اور حتی الوسع زبان کے قواعد کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہی۔

مثلاً ہمارے مضمون کا عنوان 'ہندوستانی کوا' ہے۔ اب ہم اپنے

مضمون کا خاکہ حسب ذیل طریقہ پر تیار کریں گے۔

(۱) کوئے کی جسمانی ساخت۔ قد و قامت۔ (۲) کوئے کے عادات و خصائل مع مثال

(۳) کوئے کی خوبیاں۔

اب ہم کو ہر ایک عنوان بالا کے تحت اپنے خیالات حسب ذیل طریقہ پر ظاہر کرنا چاہیئے:-

کوّا ہندوستان کا ایک معمولی پرند ہے اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے البتہ گردن کے پر بھورے ہوتے ہیں۔ یہ نہایت بدشکل پرند ہے وہ ڈیڑھ فٹ لمبا ہوتا ہے۔ اس کی ٹانگیں بہت پتلی ہوتی ہیں، اس کی چال نہایت بھونڈی اور بدنما ہوتی ہے۔ یہ پرند ہندوستان کے ہر ایک مقام پر پایا جاتا ہے۔

کوّا نہایت لالچی ہوتا ہے۔ پھل، گوشت اور مٹھائی اُسے بہت مرغوب ہوتی ہے۔ وہ ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے جس چیز میں وہ اپنی چونچ ڈالدیتا ہے وہ پھینک دی جاتی ہے۔

کوّا نہایت عیّار اور چالاک ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئے کی متعلق ہم ایک مشہور حکایت لکھتے ہیں:

ایک کوّا بہت پیاسا تھا وہ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر سرگرداں رہا۔ مگر پانی کہیں نہ ملا۔ بالآخر ایک مقام پر اُسے پانی کا ایک گھڑا

دکھائی دیا وہ اُڑ کر اُس گھڑے کے قریب گیا۔ لیکن گھڑا پانی سے
لبریز نہ تھا۔ بلکہ اُس کے پیندے میں تھوڑا سا پانی تھا۔ کوے نے
ہر چند کوشش کی مگر پانی تک اُس کی چونچ نہ پہونچ سکی۔ وہ پیاس
کی تکلیف سے بے تاب اور پریشان تھا۔ گھڑے سے ذری دُور پر اُسے
چند سنگریزے دکھائی دیئے۔ چنانچہ اُس نے اپنی چونچ میں لا کر یہ سنگریزے
گھڑے میں ڈالنے شروع کئے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پانی گھڑے کے
منھ تک آگیا اور کوے نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اس واقعہ سے
اس کی ذہانت معلوم ہوتی ہے۔

دیہات میں صفائی کا انتظام تو ہوتا نہیں البتہ کوے بہت سی سڑی
گلی چیزیں اُٹھا کر لے جاتے ہیں جو اگر وہاں پڑی رہیں تو بہت سی
بیماریوں کا موجب ہو جائیں۔ اس لئے دیہات کے حق میں کوے
نہایت کار آمد ہوتے ہیں۔

بسم اللہ خیر الاسماء

(۱) گائے COW.

گائے ایک چوپایہ جانور ہے۔ اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں اس کے دو سینگ ہوتے ہیں جو اکثر مڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کی دُم لمبی ہوتی ہے اور دُم کے سرے پر لمبے بالوں کا ایک گچھا ہوتا ہے۔

گائے تقریباً دنیا کے ہر ایک ملک میں ہوتی ہے۔

گائے نہایت کار آمد جانور ہے وہ دُودھ دیتی ہے جو انسان کی بہترین اور نہایت لطیف اور سریع الہضم غذا ہے۔ دُودھ سے گھی نکالا جاتا ہے جو ہر ایک کھانے میں استعمال ہوتا ہے۔ دُودھ سے دہی، ربڑی، پیڑے، قلاقند، ملائی کے لڈّو اور بہت سی مٹھائیاں تیار ہوتی ہیں۔

گائے کا گوبر اور پیشاب بھی کار آمد ہوتا ہے۔ گوبر کے اُپلے تھاپے جاتے ہیں جو جلانے کے کام آتے ہیں۔ گوبر سے مکان لیپے جاتے ہیں اور کھاد کے کام آتا ہے۔ گائے کا پیشاب بھی کھاد میں کام آتا ہے اور سوڈا وغیرہ تیار کرنے میں بھی کام آتا ہے۔

ہندو گائے کی پرستش کرتے ہیں اور اس کو بھاگوتی کا اوتار مانتے ہیں جب کسی ہندو سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس کے کفارہ میں گائے پُن کی جاتی ہے گائے کا مارنا ہندوؤں میں نہایت بڑا گناہ ہے اور اسی عقیدہ کی بدولت گائے کی قربانی پر اکثر مقامات پر ہندو اور مسلمانوں میں فساد ہو جاتا ہے۔

گائے کے بچھڑے بڑے ہو کر بیل کہلاتے ہیں جو کھیتی کے کام آتے ہیں۔

ہندوستان میں عام طور پر بیل ہی ہل میں جوتے جاتے ہیں۔ بیل باربرداری کے کام میں لائے جاتے ہیں اور بیل گاڑی، رتھ اور بہلی میں جوتے جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد بھی گائے کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ اس کی کھال سے بوٹ، جوتے، چرمی صندوق، ہینڈ بیگ، سوٹ کیس، پیٹیاں، گھوڑوں کا ساز اور بہت سے دیگر کارآمد سامان تیار ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں زیادہ دودھ دینے والی گائیں بہت کم ہیں۔ البتہ یورپ کے اکثر ملکوں مثلاً سوئٹزرلینڈ وغیرہ میں اور امریکہ میں اعلیٰ نسل کی گائیں پائی جاتی ہیں جو بیس پچیس ۲۵ سیر یومیہ دودھ دیتی ہیں۔

---

(۴) ہاتھی ELEPHANT.

چوپایہ جانوروں میں ہاتھی کا ڈیل ڈول بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس کے دونوں کان پنکھوں کی طرح ہر وقت حرکت کرتے رہتے ہیں، قدوقامت کے تناسب سے اس کی آنکھیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس کے ایک گاؤدم سونڈ ہوتی ہے جو اس کے لئے ایسی ہی کارآمد ہوتی ہے جس طرح کہ انسان کے لئے اس کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ اس کی قوت شامہ اور قوت سامعہ بہت تیز ہوتی ہے۔ ہاتھی سبز گھاس اور درختوں کی شاخیں کھاتے ہیں۔ ہاتھی کو گنا بہت پسند ہے۔ ہاتھی غول بنا کر جنگلوں میں گھومتے رہتے ہیں اور وہ کمزور ہاتھیوں اور ہتھنیوں کو درمیان میں رکھتے ہیں اور جب بکثرت چارہ میسر آجاتا ہے تو سب ایک ساتھ کھانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ہاتھی کو گانا بہت مرغوب ہوتا ہے اور گانا سن کر اس پر وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ فیلبان یا مہاوت کی بہت اطاعت کرتا ہے۔ ہاتھی گھنٹوں پانی کے اندر رہتا ہے اور اپنی

سونڈ میں پانی لے کر اپنے جسم پر ڈالتا رہتا ہے۔
اکثر روسا شان امارت کے واسطے ہاتھی پالتے ہیں اور اس پر بیش قیمت عماریاں رکھکر اس پر سوار ہوتے ہیں بعض لوگ ہاتھی پر سوار ہوکر شیر کا شکار کیا کرتے ہیں جنگل کے صاف کرنے میں اور بھاری بھاری لکڑی کے لٹھے لے جانے میں ہاتھی بڑا کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ ہاتھی میں جذبۂ انتقام بہت سخت ہوتا ہے جب کسی کی بدسلوکی سے وہ ناراض ہوجاتا ہے تو اُسے زندہ نہیں چھوڑتا ہے۔
مرنے کے بعد ہاتھی کی ہڈیاں اور دانت بڑے داموں پر فروخت ہوتے ہیں کیونکہ ہاتھی دانت سے بہت سی بیش قیمت چیزیں مثلاً چائے کے سیٹ، کھلونے چاقو اور چھری کے دستے، بٹن وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔

(۳) گھوڑا HORSE.

گھوڑا نہایت شریف جانور ہوتا ہے۔ نہ صرف اپنی ظاہری شکل و شباہت، شان و شوکت کے لحاظ سے ہی وہ شریف معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کے عادات و خصائل بھی نہایت پسندیدہ اور شریفانہ ہوتے ہیں۔
جنگلی گھوڑے غول بناکر ایک ساتھ رہتے ہیں لیکن جب وہ پالے اور سدھائے جاتے ہیں اُس وقت وہ انسان کے سچے دوست اور نہایت کارآمد ہوجاتے ہیں گھوڑے گھاس، دانہ اور راتب کھاتے ہیں، گھوڑے مختلف رنگ اور مختلف قد و قامت کے ہوتے ہیں۔
تمام دنیا میں گھوڑوں سے مختلف کام لئے جاتے ہیں۔ نہایت قدیم زمانہ سے گھوڑوں کی پرورش شان امارت میں داخل ہے لیکن اب موٹر کار اور موٹر لاریاں

بائیسکل اور موٹر سائیکل اس کی جگہ لے رہے ہیں۔ گھوڑے سے سواری کا کام لیا جاتا ہے۔ گھوڑا ایکہ، تانگہ اور گاڑیوں میں جوتا جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں جنگ میں زیادہ تر گھوڑوں ہی سے کام لیا جاتا تھا اور اب بھی فوج میں سواروں کے رسالے ہوتے ہیں اور توپوں کو گھوڑوں ہی کھینچتے ہیں اور فوجی سامان اور رسد کی بار برداری کے کام میں گھوڑے لائے جاتے ہیں۔ گھوڑا نہایت وفادار ہوتا ہے اور اس کی وفاداری کی ہزاروں داستانیں تاریخ کے صفحات میں ملتی ہیں۔ غالباً ہر ایک ہندوستانی طالب علم کو چیتک نامی گھوڑے کا قصہ معلوم ہے کہ جب رانا کا تعاقب اس کے دشمنوں نے کیا اور اس کی جان معرض خطر میں تھی، اس وقت اس کے وفادار گھوڑے چیتک ہی نے اس کی جان اس طرح بچائی کہ وہ اپنے آقا کو اپنی پشت پر لے کر دشمن کی صفوں کو چیر کر اور تلواروں کی جھنکار سنتا ہوا اور نیزوں کی چمک دیکھتا ہوا سرپٹ دوڑا اور ایک چوڑی خندق کو زقند مار کر صاف دوسری طرف جا پہونچا اور اس طرح اپنے آقا رانا کی جان اس نے بچائی، لیکن خندق پار کرنے کے بعد وہ گر گیا اور اس کا خاتمہ ہو گیا اور اس نے حق وفاداری ادا کر کے اپنی جان اپنے آقا پر قربان کر دی

یورپ میں گھوڑے ہل میں بھی جوتے جاتے ہیں۔

عرب گھوڑوں کا رتبہ سب سے اعلیٰ مانا جاتا ہے اور اکثر شوقین عرب اپنے گھوڑے کی نسل کا شجرہ تیار کرتے ہیں اور وہ نسلاً بعد نسلاً بڑی حفاظت سے رکھا جاتا ہے۔

---

(۴) کتّا DOG.

کتّا بھی بڑا وفادار جانور ہے۔ کتّے مختلف رنگ کے ہوتے ہیں وہ سفید، سرخ، سیاہ، دھاری دار، گل دار ہوتے ہیں۔

کتّوں کا قد و قامت بھی مختلف ہوتا ہی بعض کتّے بہت چھوٹے قد کے اور بعض بہت بڑے قد کے ہوتے ہیں۔ کسی کتّے کی دُم چھوٹی، کسی کی بڑی، کسی کی ٹیڑھی اور کسی کی سیدھی ہوتی ہی۔ اس کے دانت نکیلے ہوتے ہیں۔ کتّا بالعموم گوشت کھاتا ہی مگر وہ دودھ، روٹی، سالن اور چاول بھی کھا لیتا ہی۔ خوشی کے وقت وہ اپنی دُم ہلاتا ہی۔ کتّے کی مختلف اقسام بلحاظ نسل کے ہوتی ہیں۔ کتّے شکار خوب کرتے ہیں۔ وہ لومڑی، خرگوش، گیدڑ کا بہ آسانی شکار کر لیتے ہیں اور بعض کتّے ہرن کا بھی شکار کرتے ہیں۔ کتّا نہایت سمجھدار اور وفادار ہوتا ہی۔ کتّا چوروں سے مکان کی خوب حفاظت کرتا ہے۔

کتّے کی وفاداری کے بہت سے قصّے تقریباً ہر جگہ مشہور ہیں۔ ہم علی گڑھ کے ایک کتّے کی وفاداری کا حال لکھتے ہیں۔ یہاں پر مسٹر الفرڈ نندی کے پاس ایک کتّا تھا جو ہر وقت اپنے آقا کے ساتھ رہتا تھا۔ جب الفرڈ نندی کا انتقال ہو گیا تو اُس کے وفادار کتّے کو اس درجہ صدمہ اور افسوس ہوا کہ اُس نے اپنے آقا کے انتقال کے غم میں کھانا پینا ترک کر دیا اور ہر وقت ایک گوشہ میں مغموم پڑا رہتا تھا۔ بالآخر تین دن بعد یہ وفادار کتّا بھی مر گیا۔ مسز نندی نے اپنے شوہر کے اس وفادار کتّے کی وفاداری کی یادگار میں سنگ مرمر کی ایک قبر بنوا دی اور جس مقام پر یہ یادگار قائم کی گئی ہی وہ جگہ اُس وقت سے کتّے کی قبر کے محلہ کے نام سے موسوم ہو گئی ہی۔

یورپ میں کتّے سُراغ رسانی کا کام خوب انجام دیتے ہیں چنانچہ فرانس کی ایک بنک میں چوروں نے نقب دے کر بہت سا روپیہ چُرا لیا۔ ایک سُراغ رساں کتّے نے چوروں کو یہ چوری کرتے دیکھ لیا۔ چور سارا روپیہ لے کر روانہ ہو گئے اور شہر سے باہر کئی میل کے فاصلہ پر ایک جنگل میں روپیہ کو دفن کر دیا۔ کتّا بھی برابر چوروں کے پیچھے پیچھے چلا اور جب چور روپیہ دفن کر کے چلے گئے تو اُس مقام پر اپنے پنجوں سے

نشان کر دیا۔ پھر کتا پولیس اسٹیشن پر گیا۔ اُسے دیکھتے ہی دو نئی سائکل سوار سپاہی اُس کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ کتا راستہ بتاتا ہوا آگے آگے چلتا تھا اور پیچھے سپاہی سائیکلوں پر جا رہے تھے۔ بالآخر کتا ایک مقام پر ٹھہر گیا اور اشارہ سے بتا دیا کہ مال مسروقہ اس جگہ ہے چنانچہ پولیس نے چوری کا مال وہاں سے نکال لیا۔ اس کے بعد ملزمان کی گرفتاری میں بھی کتے نے پولیس کو بہت کچھ امداد دی۔

یورپ میں کتے کو بہت سے کام سکھائے جاتے ہیں اور خاص طور پر اُن کی داشت اور تربیت ہوتی ہے۔ یورپین کتے عام طور پر نہایت قوی الجثہ اور خوب صورت ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں خوب صورت کتے بہت کم ہوتے ہیں لیکن دیہات میں حفاظت کے لئے کتے پالنے کا بہت رواج ہے۔

سخت گرمی پڑنے اور سڑے ہوئے گوشت کے کھانے سے کتا پاگل ہو جاتا ہے اور پاگل کتے کا کسی کو کاٹ کھانا نہایت مہلک ثابت ہوتا ہے۔ کتے کے کاٹے کے علاج کے لئے اب جداگانہ شفاخانے قائم ہوگئے ہیں جہاں پر بڑی احتیاط سے کتے کے کاٹے کا علاج کیا جاتا ہے۔

---

(۵) اونٹ CAMEL.

اونٹ زیادہ تر ریگستانی مقامات میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہ نہایت بدشکل ہوتا ہے۔ اس کی گردن بہت لمبی ہوتی ہے۔ اس کی ٹانگیں بڑی اور پتلی ہوتی ہیں۔ اس کا جسم نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ اس کی پشت پر ایک کوہان ہوتا ہے۔ اونٹ کا صبر، استقلال اور جفاکشی ضرب المثل ہے۔ وہ سخت دھوپ میں

بے آب و دانہ اسّی نوّے میل کا سفر کر لیتا ہے۔ اس کو ریگستان کا جہاز کہتے ہیں اس کے گلے میں ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں وہ بہت سا پانی جمع کر لیتا ہے اور آٹھ دس دن تک پانی نہ ملنے کی پروا نہیں کرتا ہے۔

اونٹ نہایت کار آمد جانور ہے۔ قدیم زمانہ میں عرب، شام، بابل اور دیگر مقامات پر تجارت کا سارا مال اونٹوں پر ہی جایا کرتا تھا۔ اگر اونٹ نہ ہوتا تو مغرب کی دولت اور وہاں کے علوم صرف مغربی ممالک تک ہی محدود رہتے۔

اہل عرب کے لئے اونٹ نہایت سود مند ثابت ہوا ہے وہ اونٹ کا دودھ پیتے ہیں۔ اس کا گوشت کھاتے ہیں اور اسی پر سفر کرتے ہیں اور تجارت کا سارا مال ایک مقام سے دوسری جگہ کو اونٹ پر لاد کر لے جاتے ہیں۔

اونٹ نہایت نیک مزاج ہوتا ہے لیکن بد سلوکی ہونے پر اس کا جذبۂ انتقام بھڑک اٹھتا ہے اور بغیر انتقام لئے وہ باز نہیں رہتا ہے۔ جب کبھی موقع ملتا ہے وہ انتقام ضرور لیتا ہے۔ خواہ اس کو کتنا ہی زمانہ کیوں نہ لگے اور اسی وجہ سے شتر کینہ مشہور ہے۔

اونٹ درختوں کے پتوں پر گزر کرتا ہے اور پتے کھا کر ہی وہ آسودہ ہو جاتا ہے بعض لوگ اسے چنے کا دانہ بھی کھلاتے ہیں۔

اونٹ کے متعلق یہ پہیلی اکثر دریافت کی جاتی ہے کہ وہ کون سا جانور ہے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ "تھوڑا کھانا بہت کہانا"

---

(۹) بندر MONKEY.

بندر ایک مشہور جانور ہے اس کی شکل و صورت انسان سے بہت زیادہ مشابہ

ہوتی ہے۔ اور مسٹر ڈارون فلسفی کے نظریہ کی رو سے تو انسان ترقی یافتہ بندر ہے۔
اُس کے ہاتھ ایک بچہ جیسے۔ اُس کا سر انسان جیسا اور اُس کا چہرہ انسانی چہرہ
سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ انسان سے بہت زیادہ مشابہ
ہے لیکن اس پر بھی وہ ایک بدشکل جانور ہے۔

بندر زیادہ تر جنگل میں رہتے ہیں وہ جنگلی پھل کھاتے ہیں لیکن جب وہ آبادی
کے قریب رہتے ہیں تو باغات میں سے پھل توڑ کر کھا جاتے ہیں اور گھروں میں سے
کھانے کی چیزیں چرا لے جاتے ہیں۔ یہ جانور نہایت چالاک اور عیار ہوتا ہے اور بہت
ذہین ہوتا ہے لیکن اپنی ذہانت کو وہ کلیتہً مضرت رسانی اور شرارت میں صرف کرتا ہے۔
بندر کو آوارہ گردی بہت پسند ہے۔ وہ اپنی عجیب وغریب حرکات سے لوگوں کو
بہت محظوظ کرتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص عادات وخصائل کی وجہ سے شعبدہ بازی
بہت آسانی سے سیکھ جاتا ہے اور پھر حیرت انگیز تماشے کرتا ہے۔ اکثر لوگ بندر کے
تماشے دکھا کر پیسہ پیدا کرتے ہیں اور اسی کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیتے ہیں۔

ضلع ایٹہ کے ایک گاؤں میں ایک نہایت شریر بندر تھا اور خواہ کیسی ہی حفاظت
کیوں نہ کی جائے، لیکن وہ کھانے پینے کی چیزیں صاف اُڑا لے جاتا تھا۔ ایک بار
ایک مجسٹریٹ ضلع نے اُس گاؤں کے باغ میں بسلسلۂ دورہ قیام کیا۔ گاؤں والوں نے
مجسٹریٹ صاحب کو بندر کی شرارت کے بہت سے واقعات سنائے اور اُس سے ہوشیار
رہنے کی صلاح دی۔ صاحب مجسٹریٹ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہم اُسے ایک نہایت سخت
سزا دے گا۔ چنانچہ صاحب بہادر نے دیکھا کہ وہ بندر ایک درخت پر بیٹھا ہوا بڑے
غور سے صاحب بہادر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ صاحب بہادر نے اپنا خط بنانے کا
سامان ایک میز پر رکھا اور اپنے سامنے آئینہ رکھ کر اُسترے سے اپنا خط بنایا۔ اس کے
بعد صاحب بہادر تو غسل کے لئے چلے گئے اور اپنا اُسترا اور آئینہ میز پر بدستور

چھوڑ گئے۔ اُن کے جانے کے بعد بندر درخت سے اُترا کرسی پر بیٹھا اور آئینہ میں بار بار جھک کر اپنا چہرہ دیکھا پھر اُسترا ہاتھ میں لے کر صاحب بہادر کی طرح اپنا خط بنانا شروع کیا۔ اُسترے سے بندر کا چہرہ زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ بندر نے خط بنانے کی نقل کر کے اپنے سارے چہرہ کو زخمی کر لیا اور بندر کا زخم مشہور بات ہے کہ کبھی مندمل نہیں ہوتا جب اندمال کے قریب ہوتا ہے تو اُسے نوچ ڈالتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے چہرہ کے زخموں کی تکالیف ہی سے اُس شریر بندر کا خاتمہ ہو گیا اور اس طرح پر سارے گاؤں نے اس کی شرارتوں سے نجات پائی۔

ایک دفعہ کا تذکرہ ہے کہ ایک سوداگر ٹوپیوں کا ایک بنڈل لئے ہوئے کہیں پیدل جا رہا تھا راستہ میں سفر کی تکان سے اُس کو نیند آگئی اور اپنے قریب ٹوپیوں کا بنڈل رکھ کر وہ خواب استراحت میں مصروف ہو گیا اس دوران میں بہت سے بندر اتفاقیہ طور پر وہاں آ پہونچے۔ اُنھوں نے ٹوپیوں کا بنڈل اُٹھا لیا اور بنڈل کو کھول کر ایک ایک ٹوپی آپس میں تقسیم کر لی اور ٹوپیاں لے کر درختوں پر جا بیٹھے۔ ذرا دیر بعد جب سوداگر بیدار ہوا، اُس نے دیکھا کہ ٹوپیوں کا بنڈل غائب ہے پھر درختوں پر نظر کی تو کیا دیکھتا ہے کہ بہت سے بندر اُس کی ٹوپیاں پہنے ہوئے ہیں بندر اپنی کامیابی پر بہت خوش تھے اور جب سوداگر اُن کی طرف نظر کرتا تو اُس کا منھ چڑا دیتے تھے۔ سوداگر نے اوّل بہت منت سماجت کی مگر بندروں نے ایک نہ سُنی۔ بالآخر اُس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے سر سے اپنی ٹوپی اُتار کر پھینک دی چنانچہ بندروں نے بھی فوراً اس کی نقل کی اور اپنے سر سے ٹوپیاں اُتار اُتار کر زمین پر پھینکنا شروع کیا۔ سوداگر نے پھر اپنی ٹوپیاں اُٹھائیں اور اُنھیں لے کر اپنی راہ لی۔ اگر سوداگر یہ حرکت نہ کرتا تو پھر بندروں سے ٹوپیاں واپس لینا تقریباً ناممکن ہو جاتا۔

(۷) شیر ببر LION.

شیر ببر زیادہ تر افریقہ۔ ایران، عرب اور ہندوستان میں پایا جاتا ہے۔ افریقی شیر کے ایال بہت لمبے ہوتے ہیں اور وہ ایشیائی شیروں سے بہت زیادہ خونخوار ہوتا ہے۔ جوان شیر چھ سات فیٹ اونچا اور دس بارہ فیٹ لمبا ہوتا ہے۔ اس کے دانت لمبے نکیلے اور نہایت تیز ہوتے ہیں اور اپنے دانتوں سے وہ شکار کے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ اس کے پنجے بڑے اور نہایت قوی ہوتے ہیں اور اس کے ناخن نہایت تیز ہوتے ہیں۔ اس کے پاؤں میں ایک گدی ہوتی ہے اس لئے چلنے میں اس کے پاؤں کی آہٹ نہیں سنائی دیتی ہے اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ جنگل میں گھومتا پھرتا ہے۔ شیر کی دھاڑ رعد جیسی خوف ناک ہوتی ہے۔ شیرنی کے ایال نہیں ہوتے۔

شیر اگرچہ نہایت خونخوار ہوتا ہے لیکن اس میں بہت سے ایسے شریفانہ اوصاف اور خصائل ہوتے ہیں جن کے باعث وہ جنگل کے جانوروں کا بادشاہ کہلاتا ہے۔ شیر صرف رات میں شکار کرتا ہے اور اگر اول حملہ میں شکار اس کے چنگل میں نہ آئے تو وہ دوبارہ حملہ نہیں کرتا ہے۔ شیر جب کسی جانور کا شکار کرتا ہے تو اپنی خواہش کے بموجب اس کا تھوڑا سا گوشت کھا لیتا ہے اور آسودہ ہوجانے پر باقی گوشت دوسرے جانوروں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

جب شیر پالا جاتا ہے تو وہ اپنے آقا کی بڑی قدر کرتا ہے اور اس کے حسن سلوک کا ضرور معاوضہ دیتا ہے۔ سرکس میں تربیت یافتہ شیر حیرت انگیز کام انجام دیتے ہیں اور اپنے محافظ پر کبھی حملہ نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے اشاروں پہ چلتے ہیں اور اس کے حکم کے بموجب مختلف اقسام کے کام بے چون وچرا انجام دیتے ہیں۔ بعض لوگ شیر کا شکار کرتے ہیں اگرچہ شیر کا شکار نہایت خطرناک ہوتا ہے۔

شیر نہایت خوب صورت اور شاندار ہوتا ہی اور اُس کی شکل ہی سے اُس کی شرافت، شجاعت اور طاقت ظاہر ہوتی ہی۔

(۸) شیر TIGER.

شیر زیادہ تر ایشیا کے گرم ملکوں اور خاص کر ہندوستان اور اُس کے قریبی جزیروں میں پایا جاتا ہی چنانچہ سندربن کا بنگالی شیر نہایت نامور ہوتا ہی۔

شیر ایک نہایت خوب صورت جانور ہی اُس کی شکل سے رعنائی اور نزاکت ظاہر ہوتی ہی۔ اُس کے بال نہایت چکنے اور چمکدار ہوتے ہیں۔ اُس کی کھال سرخی مائل صندلی رنگ کی ہوتی ہی اُس کے جسم پر سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں۔ اُس کا سر بلّی جیسا ہوتا ہی۔ اُس کی دم لمبی اور پنجے نہایت قوی ہوتے ہیں۔

بنگالی شیر بارہ فیٹ سے سولہ فیٹ تک لمبا ہوتا ہی وہ اس قدر طاقتور ہوتا ہی کہ ایک زبردست بھینسے کو اپنی پشت پر نہایت آسانی سے اُٹھالے جاتا ہی۔

شیر نہایت خونخوار ہوتا ہی جب وہ کسی جانور کا شکار کرتا ہی تو اُس کا خون پی جاتا ہی اور پھر خوش ہوکر وہ رات کے وقت اپنے غار سے نکلتا ہی اور شکار کی تلاش میں بستی کے قریب گشت لگاتا ہی اور مویشی اُٹھالے جاتا ہی وہ اپنے شکار کا اول خون پیتا ہی اور پھر اُس کے گوشت کے ٹکڑے کرکے چٹ کرجاتا ہی۔ شیرنی بہ نسبت شیر کے زیادہ خونخوار ہوتی ہی۔ اگر کوئی شخص شیر کا شکار کرے تو پھر شیرنی اُس کا انتقام لیتی ہی اور جب کہیں کوئی اُس کے بچے اُٹھالے جاتا ہی تو پھر اُس کے غصہ اور خونخواری کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے۔

اکثر یورپین اور بعض ہندوستانی رؤسا اور والیان ملک شیر کے شکار کے

بڑے شائق ہوتے ہیں۔
شیر کی کھال پر بعض لوگ عبادت کرتے ہیں۔ شیر کے ناخن اور چربی بطور دوا کے استعمال ہوتے ہیں۔ سرکس میں شیروں سے بہت سے حیرت انگیز کام لئے جاتے ہیں۔

---

(۹) بلّی CAT.

معمولی پالتو بلّیاں ہر جگہ پائی جاتی ہیں لیکن جنگلی بلّیاں خونخوار ہوتی ہیں اور وہ یورپ، جرمنی، اسپین اور ٹرکی وغیرہ کے جنگلات میں ہوتی ہیں۔ مشہور تو یہی ہے کہ سب سے اول بلّی پالنا مصر سے شروع ہوا ہے۔

بلّی کو شیر کی نانی کہتے ہیں اور فی الحقیقت اُس میں شیر جیسی بہت سی عادتیں ہیں اور شکل و صورت میں بھی وہ شیر سے مشابہ ہے۔ بلّی کا چہرہ گول اور چوڑا ہوتا ہے اور کھانا دیکھ کر اس کے شروع کرنے سے پہلے وہ غرانے لگتی ہے۔ اس کی آنکھیں سبز اور زرد رنگ کی ہوتی ہیں۔ اس کی آنکھوں میں یہ خاص صفت ہے کہ وہ تاریکی میں بھی ہر چیز کو دیکھ لیتی ہے اور اس وجہ سے وہ رات کے وقت باسانی شکار کیا کرتی ہے۔ اس کے پاؤں کے اگلے حصّہ میں گدیاں ہوتی ہیں اس لئے چلنے میں اس کے پاؤں کی آہٹ بالکل نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے جب وہ اپنے شکار پر حملہ کرتی ہے تو اُسے مطلق خبر نہیں ہوتی ہے۔ اس کے جسم پر لمبے بال بکثرت ہوتے ہیں جن کے باعث اس کا جسم ہر وقت گرم رہتا ہے اور بارش میں بھیگنے اور موسم سرما میں اسے کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے۔

بلّی کو گوشت، مچھلی اور دودھ بہت مرغوب ہے۔ اس لئے موقع پا کر وہ باورچی خانہ سے کھانے کی بیشتر اشیاء چرا لے جاتی ہے گھر کی پالتو چڑیوں کو بھی صاف اڑا لے جاتی ہے

خاص کر کبوتر کے چرانے میں اُسے بڑا ملکہ ہے۔ اس لئے کبوتر باز اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اُس کے مارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں مگر وہ ایسی چالاک اور ہوشیار ہوتی ہے کہ بڑی مشکل سے مار کھاتی ہے۔ بلی بآسانی درختوں پر چڑھ جاتی ہے اور پرندوں کے گھونسلو میں سے اُن کے بچے نکال کر فوراً چٹ کر جاتی ہے۔ بلی بڑی کھلاڑی ہوتی ہے اور وہ بچوں کے ساتھ خوب کھیلتی ہے اور بچے بھی بلی کے ساتھ کھیلنے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

وہ انسان کے لئے بڑی کار آمد ہوتی ہے جس گھر میں بلی ہوتی ہے وہ چوہوں اور کیڑے مکوڑوں کا صفایا کر دیتی ہے۔ اُس کی کھال پر چونکہ گرمی کا اثر نہیں ہوتا ہے اس لئے برقی عمل میں وہ زیادہ تر استعمال کی جاتی ہے۔

بلی کی تعریف میں مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم فرماتے ہیں ؎

ہم نے بڑے پیار سے پالا اُسے
کہتے ہیں سب چوہوں کی خالہ اُسے

---

(۱۰) سونا GOLD.

سونا ایک نہایت بیش قیمت دھات ہے وہ دریا کی تہ کی بالو میں ملا ہوا پایا جاتا ہے اور بعض پہاڑوں میں اس کی کان بھی ہوتی ہے جس کے پتھروں میں اس کے ذرات ملے ہوتے ہیں۔ سونا زیادہ تر آسٹریلیا۔ کیلیفورنیا میں بکثرت ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی کولور میں سونے کی کان ہے۔ خفیف مقدار میں سونا تقریباً ہر ملک میں ہوتا ہے۔

سونا نہایت وزنی ہوتا ہے اس لئے بالو یا پتھروں میں سے اس کے ذرات بہ آسانی علیحدہ کر لئے جاتے ہیں سونے کا رنگ زرد ہوتا ہے لیکن پالش کرنے سے وہ نہایت چمک دار ہو جاتا ہے۔

سونا نہایت نرم ہوتا ہے اس لئے اُس کی ہر ایک چیز بن سکتی ہے۔ تقریباً ہر ایک مہذب ملک میں سونے کا سکہ بنتا ہے اور ہزارہا اقسام کے زیورات سونے کے تیار کئے جاتے ہیں۔ سونے کا زیور پہننا مستورات کے سنگھار اور شان امارت میں داخل ہے۔ سونے کے سکہ کی قیمت مقرر ہوتی ہے اور وہ دنیا کے ہر ایک ملک میں چلتا ہے۔ ہر ایک حکومت کی ساکھ اُس کے یہاں کے سونے کے ذخیرہ سے قائم رہتی ہے۔

ہندوستان میں خالص سونے کے زیورات کا عام رواج ہے لیکن یورپین ممالک سونے میں قدرے تانبا ملا دیتے ہیں جس سے اس کا رنگ نہایت خوشنما ہو جاتا ہے اگرچہ اس آمیزش سے اس کی نرمی میں کسی قدر سختی پیدا ہو جاتی ہے۔

ہندوستان میں مصنوعی سونا بنانے کا قدیم زمانہ سے شوق ہے جو خبط کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کو کیمیا بنانا کہتے ہیں۔ کیمیا جاننے والوں کی ہزاروں روایات مشہور ہیں لیکن کیمیا کے شوقین یہی کہتے ہیں کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ ہزاروں آدمی کیمیا کے شوق میں عیاروں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئے ہیں اور کیمیا کے متعلق یہ شعر بہت مشہور ہے:

کیمیا و سیمیا و ریمیا کس نداند جز بذاتِ اولیا

اور یہ بھی ایک مشہور مقولہ ہے کہ کیمیا دو جھوٹوں کے درمیان ہے یعنی جو جانتا ہے وہ اس کے جاننے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھکو معلوم نہیں اور جو نہیں جانتا وہ کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں۔

اب چند سال سے یورپ کے سائنس داں جو فن کیمیائیات کے ماہر ہیں معمل میں تجربات کر رہے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح مصنوعی سونا تیار ہو جائے اُن کا بیان ہے کہ جو نتائج اس وقت تک برآمد ہوئے ہیں وہ حوصلہ افزا ہیں اور وہ زمانہ دور نہیں جب کہ ہم کو اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہو جائے گی کہ مصنوعی سونا

تیار ہو سکے گا۔ ساری دنیا کی آنکھیں اس کے نتیجہ پر لگی ہوئی ہیں اگر اُمید کے موافق نتیجہ نکل آیا اور مصنوعی سونا تیار ہو گیا تو پھر سونا اس قدر کمیاب نہ ہوگا جیسا کہ آج کل ہی۔ خیر دیدہ خواہد شد'

(۱۱) باغ GARDEN.

قادر ذوالجلال نے جس قدر موجودات عالم پیدا کی ہیں اُن سب میں رعنائی اور خوش نمائی پائی جاتی ہی اور اُن کو دیکھکر عقل انسانی متحیر ہوکر رہ جاتی ہی۔ ہر شئے سے اُس کی قدرتِ کاملہ ظاہر ہوتی ہی۔

چمکتے ہوئے تارے' لہلہاتے ہوئے پھول۔ سبزہ زار اور قدرتی مناظر کے دیکھنے سے ہمارے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہی۔

صانع حقیقی کی یہ قدرت کاملہ دیکھنے ہی سے ہم کو اُس کی معرفت حاصل ہوتی ہی جیسا کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہی ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے ست معرفتِ کردگار

ترجمہ: سمجھدار شخص کو سبز درختوں کا ہر ایک پتا قادر ذوالجلال کی معرفت کا ایک دفتر معلوم ہوتا ہی

انسان نے اپنے مذاق کے مطابق قدرت کی نیرنگیوں کو جمع کر کے باغات تیار کئے ہیں باغات مختلف اقسام کے ہوتے ہیں مثلاً: پھولوں کے باغات' چائے کے باغات ترکاریوں کے باغات وغیرہ۔

باغ لگانے کے شوق نے اس درجہ ترقی کی ہی کہ وہ فطرت انسانی میں داخل ہوگیا ہی اور دنیا کے ہر ایک حصہ میں کسی نہ کسی قسم کا باغ ضرور نظر آتا ہی۔ بعض لوگ اپنے کھیت میں کیاریوں کے چند درخت لگا کر پھولوں کے پودے نصب کر کے اُس کو

باغ کے مشابہ بنا دیتے ہیں۔

باغ لگانے کی نوعیت اراضی کی خاصیت اور باغبان کی پسند اور مذاق پر منحصر ہے لیکن بطور عام قاعدہ کے ہم اس قدر بتائے دیتے ہیں کہ باغ لگانے کے لیے کشادہ زمین ہونی چاہیئے تاکہ درختوں کو اچھی طرح دھوپ لگ سکے۔ باغ کے درختوں کی آبیاری کے واسطے کافی مقدار میں پانی کا انتظام رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ بوقت ضرورت آبیاری کی جا سکے۔

باغ کو چوروں کی دست برد اور مویشیوں سے بچانے کے لیے اُس کے گرد دیوار یا احاطہ بنا دینا چاہیے۔ باغ میں سے پانی کی نکاسی کا انتظام کرنا ضروری ہے تاکہ بارش کا پانی جمع ہو کر درختوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ باغ کی زمین میں کھاد ڈالنا چاہیے تاکہ اُس کی زرخیزی زیادہ ہو جائے اور درختوں کے پودے پورے طور پر نشوونما پا سکیں۔ درختوں کے خشک پتے اور خشک شاخیں علیحدہ کر دی جائیں اور باغ میں وقتاً فوقتاً نرائی بھی کرنی چاہیئے تاکہ خودرو گھاس وغیرہ درختوں کی خوراک کو چٹ نہ کر سکیں۔

درختوں کو ایسی ترتیب سے نصب کرنا چاہیئے جو دیکھنے میں خوش نما اور دل فریب ہوں

باغات تفریح اور مالی منافع دونوں خیال سے لگائے جاتے ہیں۔ باغ میں ٹہلنے سے پھولوں کی خوشبو میں بسی ہوئی ہوا دماغ کو معطر کر دیتی ہے اور دل کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ باغ کی ہوا اسی لیے نہایت صحت بخش ہوتی ہے۔ باغ میں جو پھل اور ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں اُن سے کافی رقم مل جاتی ہے۔ جو کسان کہ ترکاریوں کی کاشت کرتے ہیں انھیں اپنی محنت کا کافی صلہ مل جاتا ہے۔ سمجھدار امرا بھی کافی سرمایہ لگا کر باغات تیار کرتے ہیں اور پھل فروخت کر کے کافی منافع حاصل کرتے ہیں۔ اگر مکان میں کافی گنجائش ہو تو اس میں ایک چمن ضرور لگانا چاہیے۔ جس میں چند درخت

پھل دار ہوں۔ پھلوار ہو اور ترکاریاں بھی بوئی جائیں۔ اپنے پائیں باغ یا چمن میں جو ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں وہ کھانے میں بہت زیادہ لذیذ اور خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہیں اور اپنے چمن کے پھول، ترکاریاں اور پھل اپنے احباب اور عزیزوں کو بطور تحفے کے بھی بھیجے جاتے ہیں اور وہ اس تحفہ کی بڑی قدر کرتے ہیں۔

(۱۲) چائے TEA.

چائے چین، جاپان اور ہندوستان کے مختلف مقامات مثلاً سیلون، آسام کانگڑہ، دیرہ دون وغیرہ میں اور دنیا کے بعض ممالک میں پیدا ہوتی ہے۔ ہندوستان میں چائے کے پودے چین سے لاکر نصب کئے گئے ہیں۔ چائے کی کاشت زیادہ تر یورپین اصحاب کے ہاتھ میں ہے۔ اُنھوں نے اس کی کاشت کو اس قدر ترقی دی ہے کہ تمام دُنیا میں جس قدر چائے استعمال ہوتی ہے اُس کا ۷۵ فی صدی حصہ ہندوستان سے جاتا ہے۔ چائے پینے کا رواج روئے زمین کے ہر حصے میں ہو گیا ہے اور یوماً فیوماً اس کو بڑی تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے۔

چائے کی پتی سبز اور بیضاوی ہوتی ہے۔ نئے پودوں کی پتّیاں سبز رنگ کی اور نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں لیکن جب درخت پُرانا ہو جاتا ہے تو اس کی پتّیوں کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے اور اُن کا مزہ بھی خراب ہو جاتا ہے۔ پتیاں جمع کرنے کے بعد رولر سے دبائی اور آگ پر گرم کی جاتی ہیں۔ چائے کا درخت ہر سال قلم کر دیا جاتا ہے یعنی اس کی شاخیں تراش دی جاتی ہیں۔

چائے کے درخت کو اگرچہ کثیر مقدار میں پانی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کی کاشت کے لئے زمین ڈھلوان بنائی جاتی ہے تاکہ بارش کا پانی جمع ہو کر اس کی

جڑوں کو نقصان نہ پہونچا سکے۔

چینی لوگ چائے میں شکر اور دودھ نہیں ملاتے ہیں لیکن ہندوستانی اور یورپین چائے میں دودھ اور شکر دونوں ضرور ملاتے ہیں۔ البتہ جو لوگ کہ سبز چائے پینے کے عادی ہیں۔ اُنھیں چائے میں دودھ ملانے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ صرف شکر ملاتے ہیں

چائے نہ صرف خوش ذائقہ ہوتی ہے بلکہ یہ تکان کو رفع کرتی ہے اور کاہلی و سستی کو دور کرتی ہے اور مسموم ہواؤں کے اثر سے جسم کو محفوظ رکھتی ہے لیکن اس کے زیادہ استعمال سے قوت ہاضمہ کمزور ہو جاتی ہے۔

---

(۱۳) بنارس BENARES.

جس طرح کہ عیسائی بیت المقدس کو مسلمان مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو مقدس مقامات سمجھتے ہیں اور زیارت کے لئے جاتے ہیں اسی طرح ہندو بنارس کو نہایت متبرک مقام تصور کرتے ہیں اور ہندوستان کے ہر حصہ سے ہندو لوگ بنارس کی جاترا کو جایا کرتے ہیں۔ بنارس کو سنسکرت زبان میں ورناایسی کہتے ہیں کیونکہ یہ شہر ورن اور ایسی دو دریاؤں کے درمیان واقع ہے۔ بنارس کا دوسرا نام کاشی ہے اور وہ اسی نام سے زیادہ مشہور ہے۔

بنارس شمالی ہندوستان کا ایک مشہور شہر ہے اور دریائے گنگا کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ دریا کے کنارہ پر ۳ میل تک اشنان کے لئے گھاٹ اور سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور بے شمار مندر ہیں۔ دریا کے کنارے مندروں اور مکانات کے سلسلے نے اس شہر کے منظر کو نہایت خوب صورت اور دل فریب بنا دیا ہے۔ کاشی کی آب و ہوا صحت بخش ہے آبادی بیشتر ہندوؤں کی ہے۔

کاشی نہایت پرانا شہر ہے۔ غالباً یہ اسی قدر قدیم ہے جس قدر کہ ہندو تہذیب ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ کاشی میں رہنے سے سارے گناہ معاف ہو جاتے اور کاشی میں مرنے سے سیدھے بیکنٹھ (بہشت بریں) کو چلے جاتے ہیں اسی وجہ سے ہندو بیوائیں کاشی میں اپنی عمر گزار دیتی ہیں اور بہت سے ہندو مرد اور عورتیں بڑھاپے میں کاشی آجاتے ہیں تاکہ زندگی کے آخری ایام یہاں گزار دیں اور اسی شہر میں انتقال ہو جائے۔

بنارس میں نہ صرف ہندو جاتری ہی آتے ہیں بلکہ دیگر اقوام کے بہت سے سیاح اس مشہور شہر کو دیکھنے آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ نہ صرف یہ ایک خوش نما اور پرانا شہر ہے بلکہ اس کو تاریخ ہند میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

بنارس میں حسب ذیل مقامات قابل دید ہیں: دسویشور اور انا پورن یا گوپال کے مندروں میں آرتی بڑی شان دار اور قابل دید ہوتی ہے آرتی کے وقت ان مندروں میں چراغاں ہوتا ہے۔ بتوں کو دودھ سے غسل دیتے ہیں اور ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں۔ روشن آگ میں خوشبوئیں جلائی جاتی ہیں۔ پجاری سنسکرت زبان میں بھجن گاتے ہیں سنکھ اور گھنٹے بجتے ہیں اور حاضرین ایک ساتھ بم بم کی آوازیں لگاتے ہیں۔ ہریش چندر کی لاش جلائے جانے کا گھاٹ مالی کرنک جنھیں دیپا یعنی چشمہ علوم رصدگاہ کوئنس کالج ہندو یونیورسٹی کی عمارت، اشوک کے ستون سرکاری شفاخانہ اور پل ڈفرن صاحب مشہور مقامات ہیں۔

بنارس کو دیکھ کر ہندو تہذیب و تمدن کی ارتقائی ترقیات ان کے کارنامے اور علم و فضل یاد آجاتا ہے یہ وہی مقام ہے جہاں پر راجہ ہریش چندر نے صداقت کی خاطر اپنی ہر ایک شے قربان کردی - یہ وہی جگہ ہے جہاں پر گوتم بدھ نے اپنی نجات خود حاصل کرنے کا طریقہ تلقین کیا۔ اسی شہر میں ہندوؤں کے نہایت مقدس

مندر ہیں۔ رانی اہلیا بائی اور رانی بھوانی نے اسی سرزمین پر شان دار مندر تعمیر کرائے ہیں۔ ہندی زبان کے مشہور و معروف شاعر تلسی داس نے اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی مقام پر گزارا ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے اسی شہر کے بہت سے مندر مسمار کرا دیے چونکہ ہندوؤں نے اُن کو سازش خانہ اور باغیوں کی جائے پناہ بنا رکھا تھا۔ وارن ہسٹنگز نے اسی شہر میں چیت سنگھ کا عالی شان محل مسمار کر دیا جس کے کھنڈرات ابھی تک اپنی آزادی سلب ہونے کی داستان بیان کر رہے ہیں۔

بنارس نہایت قدیم زمانہ سے اس وقت تک ہندوؤں کے علم و فضل اور بالخصوص ادبیات سنسکرت، علم نجوم، علم ہندسہ، فلسفہ و حکمت کا مرکز ہے اور پنڈت مدن موہن مالوی نے اسی شہر میں ہندو یونیورسٹی قائم کر کے اس شہر کی علمی شہرت میں اور چار چاند لگا دیئے ہیں۔

---

(۱۴) فٹ بال FOOT BALL.

فٹ بال یورپ کا کھیل ہے لیکن ہندوستان میں اس نے اس درجہ ہر دل عزیزی حاصل کر لی ہے کہ تقریباً ہر ایک اسکول میں فٹ بال ٹیم ہوتی ہے۔ گیارہ گیارہ لڑکوں کی ٹیم ہوتی ہے اور دو ٹیمیں آپس میں مقابلہ کرتی ہیں۔ آمنے سامنے دو گول اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ ۸ فیٹ کے فاصلہ سے دو پول زمین میں نصب کر دیئے جاتے ہیں اور زمین سے ۸ فیٹ کی بلندی پر ایک سلاخ ان دونوں پولوں پر رکھدی جاتی ہے۔ ہر ایک گول کی حفاظت کے لئے ایک گول کیپر رہتا ہے اور تمام کھلاڑیوں میں صرف گول کیپر ہی کو بال کے چھونے اور پھینک دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ گول کیپر کے سامنے دو فل بیک

Full Back. کھڑے ہوتے ہیں جو گول کی حفاظت میں گول کیپر
کو مدد دیتے ہیں۔
فل بیک کے سامنے ۳ ہاف بیک Half Back. کھڑے ہوتے
ہیں جو فل بیک کو گول کی حفاظت میں مدد دیتے ہیں اور فارورڈ (Forward)
کی بھی اعانت کرتے رہتے ہیں۔ ۵ فارورڈ (FORWARD) ایک قطار
بنا کر کھڑے ہوتے ہیں اور بال کو مخالف فریق کے گول کی جانب لے جانے کی کوشش
کرتے رہتے ہیں۔ اس کھیل کے چند خاص قواعد یہ ہیں کہ کھیل کا میدان ۱۰۰ فیٹ لمبا
اور ۶۰ فیٹ چوڑا ہونا چاہیئے۔ میدان کے چاروں کونوں پر ایک ایک جھنڈی
لگا دی جائے۔ ۲ لائن مین (Line men) مقرر کئے جاتے ہیں اور
اور وہ یہ بتاتے ہیں کہ بال کس مقام سے ہو کر لائن سے باہر نکل گئی تھی اور یہ کہ
کون سے فریق کو بال پھینکنی چاہیئے۔ کھیل اس طرح پر شروع ہوتا ہے کہ کھیل کے
میدان کے وسط میں بال رکھدی جاتی ہے اور ایک کھلاڑی اُس پر لات ماردیتا
ہے اور اس وقت اس جگہ سے ۱۰ فیٹ کے فاصلہ تک کسی کھلاڑی کو بال کے
قریب آنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ اگر فریقین میں کسی قسم کا جھگڑا ہو جاتا ہے تو
لائنس مین (Lines men) اُس کا تصفیہ کر دیتے ہیں۔ ریفری (Referee)
اس کھیل کا ریکارڈ رکھتا ہے اور وہی وقت بتاتا ہے۔ ہندوستان میں بالعموم یہ کھیل
ایک گھنٹہ تک کھیلا جاتا ہے۔ نصف وقت گزر جانے پر ۵ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے
اور پھر فریقین اپنے کھیل کی سمت تبدیل کر دیتے ہیں۔
یہ نہایت دلچسپ کھیل ہے اس میں نہ صرف کھیلنے والوں کو بلکہ تماشائیوں کو
بھی بے حد لطف آتا ہے۔ یہ کھیل اُن کھلاڑیوں کے لئے موزوں نہیں ہے جو برہنہ پا
فٹ بال کھیلتے ہیں۔ بعض ہندوستانی فٹ بال ٹیموں نے کافی شہرت حاصل

کرلی ہے۔ چنانچہ کلکتہ کی موہن بگان فٹ بال نے بہت زیادہ ناموری پیدا کرلی ہے۔

(۱۵) کرکٹ CRICKET.

کرکٹ انگریزوں کا قومی کھیل ہے۔ اس نے ہندوستان میں کافی شہرت اور بہت جلد ہر دلعزیزی حاصل کرلی ہے لیکن اس کھیل میں کافی رقم صرف ہوجاتی ہے۔ اس کھیل کا اب ہر جگہ رواج ہوگیا ہے۔

۲ فریق اسے کھیلتے ہیں۔ ہر فریق کے ۱۱-۱۱ ممبر ہوتے ہیں۔ وسیع اور کشادہ مقام پر کرکٹ کھیلا جاتا ہے۔ اس کے لئے ۲ بیٹ، ایک گیند، ۶ وکٹ، ۴ بیلس درکار ہوتے ہیں۔ گیند چند روز کے استعمال سے بے کار ہوجاتی اور نئی گیند خریدنے کی ضرورت لاحق ہوجاتی ہے۔

اس کھیل میں مدافعت کو خاص اہمیت ہوتی ہے اور کامیابی کا انحصار زیادہ تر اچھی فیلڈنگ (Fielding) پر ہے اور فیلڈ کی ترتیب اس طرح پر ہونی چاہیے کہ ۳ فیلڈس مین (Fields man.) ایک طرف کھڑے کیے جائیں ان میں سے اسکوائر لیگ (Square leg.) پر، ایک مڈآن (mid-on) پر اور تیسرا لانگ آن (long on) پر رہے۔ ۶ فیلڈرز آف سائڈ (off side) پر ہوں۔ ان میں سے ۳ فیلڈرز سلپ (Slip) پر، ایک کورپوائنٹ (Cover point) پر اور ایک لانگ آف (Long off) پر رہے۔ باقی دو میں سے ایک بولر (Bowler) گیند پھینکنے والا اور ایک وکٹ کیپر (Wicket Keeper) پر ہوگا۔

آمنے سامنے ۳-۳ وکٹس (Wickets) ۲۲ گز کے فاصلہ پر نصب کیے جائیں

بعض اوقات میچ (match.) ایک دن کا ہوتا ہے اور پھر دن کے وقت کو ۲ حصوں پر اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ اولاً ۱۱ بجے سے ایک بجے تک اور پھر ۲ بجے سے ۵ بجے شام تک امپائر (Umpire) کے سیٹی دینے پر کھیل شروع ہو جاتا ہے اور بولر گیند پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔

کھیلنے والا اپنے بیٹ (BAT) سے گیند کو روکنے کی کوشش کرتا ہے اور ہٹ لگاتا ہے اور جب موقع پاتا ہے رن RUN. کر لیتا ہے جب کھلاڑی اپنی جگہ سے سامنے کے وکٹ تک دوڑ جاتا ہے تو اس کو ایک رن کہتے ہیں۔ اسکورر (SCORER) اس کھیل کا حساب درج کرتا رہتا ہے جب ایک کھلاڑی آؤٹ (OUT) ہو جاتا ہے تو دوسرا کھیلنے جاتا ہے۔ اسی طرح ۱۰ کھلاڑی کھیلتے ہیں۔ اس لئے جب ۱۰ کھلاڑی آؤٹ ہو جاتے ہیں تو اس پارٹی کا کھیل ختم ہو جاتا آؤٹ کرنے کے بہت سے طریقے ہیں مثلاً بولڈ آوٹ (bowld out) اسٹمپ آؤٹ (Stamp out) کاٹ آؤٹ (Caught out) لیگ بیفور دی وکٹ (Leg before the wicket) وغیرہ۔

ایک پارٹی جب کھیل ختم کر دیتی ہے تو دوسری پارٹی کھیلتی ہے آخر میں اسکور نتیجہ بتاتا ہے جس پارٹی کے رن زیادہ ہوتے ہیں وہ فتح یاب سمجھی جاتی ہے۔

آج کل ہندوستان میں وزیر، نثار، نواب صاحب پٹودی، پرنس بہترین کرکٹ کھیلنے والے مانے جاتے ہیں۔

کرکٹ ہم کو ایمان داری، شجاعت، اطاعت، تحمل و بردباری، استقلال اور اشتراک عمل سکھاتا ہے۔

———•—(:٭:)—•———

(۱۶) پتنگ بازی KITE FLYING.

پتنگ کے موجد امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ہیں۔ پتنگ اُڑانے کا رواج اس کی ایجاد کے وقت سے اب تک ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں ہے پتنگ اُڑانے کے شوق میں یورپین کھیلوں کے رواج سے کس قدر کمی واقع ہو گئی ہے۔ نہ صرف لڑکے ہی پتنگ اُڑاتے ہیں بلکہ بعض جوان اور سن رسیدہ اشخاص بھی پتنگ بازی سے نہایت محظوظ ہوتے ہیں اور خود بھی پتنگ اُڑاتے ہیں ہمارے صوبہ میں پتنگ بازی کا لکھنؤ میں بے حد رواج ہے۔

پتنگیں مختلف وضع کی بنتی ہیں بعض ایک ہی رنگ کی ہوتی ہیں اور بعض میں کئی مختلف رنگوں کے کاغذ لگائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے مختلف نام ہوتے ہیں مثلاً: اونگا، نال دار، توے دار، مانگ دار وغیرہ۔

پتنگ باریک کاغذ کی اس طرح پر بنائی جاتی ہے کہ ایک چوکور کاغذ کے اس میں کمپ اور ڈھا لیہی سے یا گوند سے لگاتے ہیں اور پھر اُس کے کنّے باندھکر باریک مضبوط ریل کی ڈور سے اُڑاتے ہیں۔ اگر ہوا موافق ہو تو پتنگ بہت زیادہ بلندی تک جا پہونچتی ہے ۱۸ انچہ لمبی اور ۱۸ انچہ چوڑی پتنگ ایک چھوٹا سا دھبہ معلوم ہونے لگتی ہے۔

پتنگ بازی میں زیادہ لطف اُس وقت آتا ہے جب پیچ ہوتے ہیں کسی کی پتنگ میں پیچ ڈالنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اُسے اطلاع بھی دیدی جائے بعض اوقات ۲ اشخاص یا دو جماعتوں میں پیچ لڑانا طے ہوا کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ پیچ لڑانے والے آپس میں پیشتر سے واقف بھی ہوں بعض اوقات بازی بدکر پیچ ہوتے ہیں۔ پیچ لڑانے کے لئے ریل پر مانجھا سونتا جاتا ہے۔ مانجھے میں

نہایت باریک پسا ہوا شیشہ خاص جز ہوتا ہے۔ شیشہ کے علاوہ تج، میدہ لکڑی، سرخی وغیرہ بھی ملاتے ہیں اور یہ سب چیزیں لیہی میں ملا کر لگدی بناتے ہیں اور اس لگدی سے ڈور کو سونت دیتے ہیں یا مانجھے سے ڈوریں دوسری ڈور کو کاٹ دینے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب ایک پتنگ باز کی ڈور دوسرے کی ڈور کو کاٹ دیتی ہے تو اسے پتنگ کاٹنا کہتے ہیں۔ جس وقت پتنگ کٹتی ہے تو نہ صرف کاٹنے والا بلکہ تماشائی بھی "وہ کاٹا" کا پرجوش نعرہ لگاتے ہیں اور اس طور پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ جب کوئی پتنگ کٹ جاتی ہے تو لڑکے اس کی ڈور کو لوٹ لیتے ہیں اور اسے ڈور لوٹنا کہتے ہیں۔ جس کے ہاتھ پتنگ بطور مال غنیمت کے لگتی ہے اس کی بابت کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے پتنگ لوٹ لی۔

جب کسی جگہ بہت سے پیچ ایک وقت میں لڑائے جاتے ہیں تو بعض آدمی صرف پتنگ لوٹنے ہی کا کام کرتے ہیں وہ ایک بڑے بانس کے ایک سرے پر ببول وغیرہ جھانکڑ باندھ لیتے ہیں جس کو ڈنگا کہتے ہیں اور پتنگ کے کٹ جانے پر وہ اپنا ڈنگا لے کر پتنگ کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہیں۔ جب پتنگ نیچی ہو جاتی ہے تو وہ اس پتنگ کو اپنے ڈنگے میں الجھا لیتے ہیں اور اسے زمین پر نہیں گرنے دیتے۔

پتنگ بازی میں اور خاص کر پتنگ لوٹنے میں کبھی کبھی ایسا حادثہ بھی پیش آجاتا ہے کہ لڑکا اپنی چھت پر پتنگوں کے پیچ دیکھ رہا ہے اور جب پیچ کٹا تو وہ ڈور یا پتنگ لوٹنے کے شوق میں بے خود ہو کر پیچھے یا آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے اور پھر چھت پر سے نیچے گر پڑتا ہے اور اس کے سخت چوٹ لگ جاتی ہے۔

RAIN. (۱۷) بارش

تیز دھوپ سے پانی کے بخارات اُٹھکر اوپر کی طرف جاتے ہیں اور فضائے بسیط
میں جمع ہو جاتے ہیں اسی کو بھاپ کہتے ہیں۔ ہوا کے کرۂ زمہریر میں یہ بخارات سردی پاکر
بادل بن جاتے ہیں اور پھر جب ہوا ان کے بار کو برداشت نہیں کر سکتی تو ان کے
قطرات زمین پر گرنے لگتے ہیں اور اسی کو مینھ کا برسنا یا بارش ہونا کہتے ہیں۔

ہمارا ہندوستان گرم ملک ہے یہاں ۴ - ۵ ماہ تک بارش ہوتی ہے موسم گرما میں
جب تیز دھوپ بحر ہند اور خلیج بنگال میں پڑتی ہے اس سے جو بخارات اُٹھتے اور
فضائے بسیط میں جمع ہوتے ہیں اور پھر جو ہوا بارش لاتی ہے اُسے مانسون کہتے ہیں

ہندوستان میں سب سے زیادہ بارش آسام میں چیراپونجی اور ہمالیہ کے
پہاڑوں پر ہوتی ہے کیونکہ یہ پہاڑ بادلوں کے راستہ میں حائل ہو جاتے ہیں۔ کلکتہ
بمبئی، حیدرآباد، مدراس وغیرہ جیسے بڑے شہروں میں لوگوں کو زیادہ بارش
کے حقیقی معنوں کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ہے وہاں پر صرف اس قدر اثر معلوم ہوتا
ہے کہ ٹریم، موٹر، تانگہ وغیرہ سواریاں چلنا بند ہو جاتی ہیں اور بعض سڑکوں پر
پانی جمع ہوتا ہے یا اس قدر تیزی سے بہتا ہے کہ پیدل چلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ البتہ
دیہات میں بارش کا زیادہ اثر صاف طور پر نظر آتا ہے۔ تال، تالاب، پوکھر، نالے
پانی سے بھر جاتے ہیں۔ کچی سڑکوں پر کیچڑ ہو جاتی ہے، مکانات ٹپکنے لگتے ہیں کمزور
پختہ مکانات اور کچے مکان گر جاتے ہیں۔ دریاؤں اور ندیوں کا پاٹ زیادہ
چوڑا ہو جاتا ہے۔ تالابوں، ندی نالوں اور کوؤں میں تمے مینڈک خوشی کے
راگ الاپتے ہیں۔ کھیت پانی میں غرق ہو جاتے ہیں، خشک زمین دکھائی نہیں
دیتی ہے۔ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اگر

گاؤں میں دریا ہوتا ہے تو پھر کشتی کے ذریعہ سے آمد و رفت ہو سکتی ہے۔ غلہ گراں ہو جاتا ہے سب سے بڑی مصیبت مویشیوں کے لئے یہ ہوتی ہے کہ چارہ میسر نہیں آتا اور وہ شدت بھوک سے مرجاتے ہیں۔ گزشتہ چند سال میں زیادہ بارش ہونے سے بہت اضلاع میں سخت مصیبتیں نازل ہوئی ہیں اور وہاں کے باشندے اور خاص کر دیہاتی تباہ حال ہو گئے ہیں۔

موسم گرما کی تکالیف برداشت کرنے پر بارش کی آمد کا بڑے تپاک سے استقبال کیا جاتا ہے کیونکہ بارش کی تعریف میں مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

گرمی کی تپش بجھانے والی سردی کا پیام لانے والی

کیونکہ بارش فضائے بسیط کو سرد کر دیتی ہے اور صاف ستھرا بنا دیتی ہے زمین سے پیداوار کا ہونا صرف بارش ہی پر منحصر ہے۔ بارش ہی سے زمین زرخیز ہوتی ہے اور اس میں نشو ونما کی قوت اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہندوستان میں چونکہ ۸۰ فی صدی کاشتکار ہیں اس لئے ان غریبوں کی زندگی کا انحصار بارش ہونے پر ہے۔ کاشتکار دلی شوق سے مینہ کا انتظار اور اس کا خیر مقدم کرتے ہیں چونکہ ہندوستان میں آبپاشی کے وسائل بہت کم ہیں اس لئے کاشت کا زیادہ حصہ فصلی بارش کا محتاج رہتا ہے۔

---

(۱۸) سیلاب FLOODS.

عام طور پر لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سیلاب قہر الٰہی ہوتا ہے جب لوگوں کی زشت اعمالیاں بہت بڑھ جاتی ہیں اس وقت قہر الٰہی سیلاب یعنی طوفانی بارش کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور سیلاب کو آئندہ روکنے کی تدابیر اختیار کرنے کی

بجائے وہ اپنی تقدیر پر شاکر ہو جاتے ہیں۔

لیکن علمی تحقیقات سے معلوم ہو گیا ہے کہ سیلاب کے وجوہ کثرت بارش ہوا کا طوفان، زلزلہ اور پہاڑی برف کا زیادہ مقدار میں پگھلنا ہوا کرتا ہے۔

سال گزشتہ یعنی جولائی ۱۹۳۳ء کے سیلاب کی یاد ابھی ذہن میں تازہ ہوگی جب کہ ۱۰، ۱۲ روز تک مسلسل موسلا دھار بارش ہونے سے سیلاب آگیا زیادہ نقصان ضلع رہتک کو پہنچا جہاں پر شہر میں سیکڑوں مکانات اور سرکاری عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ شہر میں ۷ فیٹ پانی کئی روز تک سڑکوں پر رہا۔ سیکڑوں جانیں تلف ہو گئیں، ہزاروں آدمی بے خانماں اور تباہ حال ہو گئے۔ مگر شاباش ہے مجسٹریٹ ضلع کو جس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنی امکانی تدابیر کر ڈالیں وہ مستعدی سے رہتک ہی میں رہا۔ جب مقامی انجنیروں کی تدابیر نے کام نہیں دیا تو تار دے کر دہلی، لاہور اور شملہ سے انجنیر طلب کئے کہ کسی تدبیر سے پانی کے نکلنے کا بندوبست کریں۔ مختلف اضلاع سے کشتیاں منگوالیں تاکہ نقل و حرکت ہو سکے چنانچہ باہر کے قابل انجنیروں نے شہر سے پانی کو باہر نکال دیا۔ دہلی میں امدادی کمیٹیاں سرکاری اور پرائیویٹ قائم ہو گئیں۔ ہزاروں آدمیوں کے لئے عارضی قیام کا بندوبست کیا گیا اور اُن کو کھانا اور کپڑا دیا گیا۔ دہلی کے مضافات کو بھی بے حد نقصانات پہنچے۔ شہر کے سیکڑوں مکانات بالکل یا اُن کا جزوی حصہ منہدم ہو گیا حتیٰ کہ کروڑوں روپیہ کی تیاری کی سرکاری عمارتیں بھی شق ہو گئیں۔ جمنا کے کنارے جو دیہات تھے وہ تہ آب ہو گئے۔

ہمارے علی گڑھ کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ شہر کے بہت سے مکانات گر گئے اور اکثر مکانات کے بعض حصے منہدم ہو گئے۔ خاص ہمارے مسکونہ مکان کا دروازہ اور پردہ کی دیوار گر گئی اور اس موسلا دھار بارش میں اہل وعیال کو اپنے

اعزہ کے یہاں ہم نے منتقل کر دیا۔ علی گڑھ میں نئی بستی اور سرائے رحمان کے مکانات کو زیادہ نقصان پہنچا۔ اور ان دونوں محلوں اور شہر کے دیگر مقامات سے بے خانماں آدمیوں نے نمائش کی دکانوں میں پناہ لی۔ الغرض "مرگِ انبوہ جشنے دارد" کی صداقت کا لطف آ گیا۔

سیلاب سے اس قدر فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ وہ بہت سا کوڑا کرکٹ اور گندی چیزوں کو بہائے جاتا ہے جس سے بیماری پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن اس فائدہ کے مقابلہ میں نقصانات بہت زیادہ ہیں جیسا کہ گزشتہ سال کے سیلاب کے مندرجہ بالا چند واقعات سے معلوم ہوگا۔

سیلاب کے روکنے کی یہ تدابیر ہیں کہ پہاڑوں میں دریا کے مخرج پر پانی کی نکاس کے متعدد دروازے بنا دئے جائیں۔ ریلوے لائن اور اونچی سڑکوں پر پانی کے نکاس کے واسطے موریاں بنا دی جائیں۔ دریا کے کناروں پر بلند اور مضبوط پشتے تعمیر کر دیئے جائیں۔

---

(۱۹) طوفانِ رعد CYCLONE.

بجلی کی چمک اور گرج کے بعد طوفان رعد آیا کرتا ہے۔ یہ طوفان زیادہ تر بارش کے موسم میں خلیج بنگال میں آتا ہے۔ اس طوفان کی آمد سے پیشتر بالکل سکون اور سناٹا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کالے کالے بادل پرے جاتے ہیں اور بجلی کی گرج اس زور سے ہوتی ہے کہ اس کی سخت آواز سے کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں پھر بجلی چمکتی ہے جس سے سارے آسمان پر روشنی ہو جاتی ہے اور بجلی کی چمک کے بعد ہی گرج سنائی دیتی ہے۔ بجلی کی چمک اور گرج خفیف سے وقفہ سے بار بار ہوتی ہے

اس کے بعد طوفان کی آمد ہوتی ہے۔ ہوا کے جھونکے اس زور سے آتے ہیں کہ مکانات گر جاتے ہیں، درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔ الغرض جس راستہ سے ہوا کا یہ طوفان گزرتا ہے وہاں پر عام پریشانی اور تباہی نمودار ہوتی ہے لیکن اس طوفان سے یہ فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں کہ برق و باد کے رفع ہو جانے کے بعد ٹھنڈی ٹھنڈی خوش گوار ہوا چلنے لگتی ہے۔ زمین ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور آراضیات زرخیز ہو جاتی ہیں۔ اس طوفان سے آب و ہوا درست ہو جاتی ہے اور بہت سی بیماریاں خود بخود فنا ہو جاتی ہیں۔

FAMINE. (۲۰) قحط

قحط کے معنی کمی غلہ کے ہیں جس کے باعث غذا کم میسر آتی ہے۔ قحط کے بہت سے وجوہ ہوتے ہیں مثلاً: امساکِ باراں، ضرورت سے کم بارش ہونا، طوفانی بارش ہونا غلہ کو زیادہ مقدار میں باہر بھیجنا جس سے ملک میں غلہ کی ضرورت پوری نہ ہو سکے ٹڈیوں سے فصل کا تباہ ہو جانا۔

قحط کی مصیبتیں اس قدر ہولناک، شرمناک اور عبرت ناک ہیں کہ اُن کو بیان کرنے سے قلم کو لرزہ آجاتا ہے۔ کہاں سے ایسا پتھر کا دل لایا جائے کہ انھیں بیان کیا جائے۔ لیکن نمونتاً چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

بھوک سے تنگ آکر بعض لوگ ایسے جرائم کر بیٹھتے ہیں جن سے انھیں دلی نفرت ہوتی ہے؛ مائیں اپنے لاڈلے بچے فروخت کر ڈالتی ہیں اور بہت سی شریف اور پردہ نشین عورتیں جنھوں نے اپنے گھر سے کبھی قدم باہر نہیں نکالا ہے۔ فاقہ کشی سے تنگ آکر اپنے گھروں سے نکلنے اور دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

بعض لوگ اس درجہ مجبور و معذور ہوتے ہیں کہ درختوں کے پتے اور چھال کھانے لگتے ہیں۔ جس علاقہ میں قحط نمودار ہوتا ہے وہاں پر اس کے اثر سے چیچک کالرہ دست پیچش وغیرہ کی وبائی بیماریاں پھیل جاتی ہیں اور اس حالت میں کہ لوگ فاقوں مرتے ہیں کھانا تو میسر آتا ہی نہیں دوا علاج کہاں سے ہو۔ ہزاروں غریب ان امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔

قحط کی تکالیف کو کم کرنے کے لئے بہت سے امدادی کام شروع کر دیئے جاتے ہیں جن میں نوانا لوگوں کو مزدوری مل جاتی ہے۔ چندے جمع کئے جاتے ہیں اور کھانا کپڑا مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ رضاکار گشت کر کے اہل حاجت کو کھانا کپڑا اور مریضوں کو دوا تقسیم کرتے ہیں اور ان کی ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں۔

گورنمنٹ قحط زدہ علاقہ کی مال گزاری کلیتاً یا جزوی طور پر معاف کر دیتی ہے کاشتکاروں کو تقاوی دیتی ہے۔

قحط کے دفعیہ کی یہ تدابیر ہیں کہ کوآپرٹو سوسائیٹیاں اور بیمہ قحط کمپنیاں قائم کی جائیں جو مصیبت کے زمانہ میں آسان شرائط اور نرم سود پر قرضہ دیں۔ نہریں نکالی جائیں تاکہ زیادہ رقبہ کاشت ہو سکے۔ کاشتکاروں کو سائینٹفک طریقہ پر کاشت کرنا سکھایا جائے تاکہ زمین سے زیادہ مقدار میں غلہ پیدا کیا جا سکے اور تعلیم یافتہ حضرات کو بھی زراعت کی طرف توجہ کر کے اسے اپنا ذریعہ معاش بنانا چاہیئے

---

(۳۱) تاج محل TAJ MAHAL.

تاج محل آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارہ پر ہے۔ اس بے نظیر عمارت کو شاہجہاں نے اپنی محبوب بیگم ممتاز محل کی یادگار میں تعمیر کرایا۔ یہ عمارت ۱۸ سال میں

درجۂ تکمیل کو پہونچی اور اس کے بنانے میں ۲۰ ہزار کاریگر اور مزدور لگے رہے
یہ عمارت روئے زمین کے عجائبات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کا گنبد اس قدر
عظیم الشان ہے کہ روئے زمین پر اس کی برابر کوئی گنبد آج تک نہیں بنایا گیا ہے
یہ اس قدر خوب صورت اور شان دار عمارت ہے جس کو دیکھکر عقل انسانی متحیر ہوکر
رہ جاتی ہے۔ ہندوستان میں بہت سے خوش نما اور عالی شان محلات اور عبادت گاہیں
تعمیر کی گئی ہیں لیکن ان میں سے کوئی عمارت تاج محل کی ہمسری کا دعویٰ نہیں
کر سکتی ہے۔ یہ عمارت سفید سنگ مرمر کی ہے اور اس کے در و دیوار پر رنگ برنگ
کے بیش قیمت پتھروں کی پچیکاری کی گئی ہے در و دیوار پر ایسی گلکاری کی گئی ہے
کہ جس کی باریکیوں اور صناعیوں کو صرف اہل فن ہی سمجھکر داد دے سکتے ہیں
نہایت نامور مصور تاج محل کی گلکاریوں سے فن مصوری سیکھتے اور اس طرح پر
اپنے فن کو ترقی دیتے ہیں۔ عمارت کا اصل رقبہ ۲۷۵ فیٹ بلند ہے اور اس قدر
بلند قبہ کی نظیر روئے زمین پر نہیں مل سکتی ہے۔ تاج محل کے چاروں گوشوں پر نہایت
خوب صورت ۴ بلند مینار ہیں۔ ایک جانب سنگ سرخ کی جس میں سنگ مرمر کی پچیکاری
ہے مسجد ہے اور دوسری جانب تسبیح خانہ اُسی کی ہمشکل بنایا گیا ہے۔ تاج محل میں ایک
بہت بڑا باغ ہے جس میں مختلف اقسام کے درخت ہیں۔ تاج محل کی خاص عمارت کے
قریب ایک بلند چبوترہ سنگ مرمر کا ہے اور اس پر سنگ مرمر کی بنچیں پڑی ہوئی ہیں
اس چبوترہ کے قریب ایک خوش نما چھوٹی سی نہر ہے جس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں
تیرتی رہتی ہیں اور متعدد فوارے ہر وقت جاری رہتے ہیں۔

تاج محل دیکھنے کا خاص لطف چاندنی رات میں آتا ہے۔ یہ قابل دید عمارت ہے اور
ہر ایک سمجھدار ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک کی اس بے نظیر عمارت کو آگرہ
جاکر ضرور دیکھے اور ہم ہندوستانیوں کو اس عمارت پر یہ فخر کرنا کہ ہمارے ملک میں

(۲۲) دُرگا پوجا DURGA PUJA.

جس طرح کہ عیسائی بڑے دن کو اور مسلمان عید الفطر کو اپنا سب سے بڑا تیوہار مانتے ہیں اسی طرح ہندو دُرگا پوجا کو اپنا سب سے بڑا تیوہار جانتے ہیں۔ وہ اس تیوہار میں بے انتہا خوشیاں مناتے ہیں اور اس تیوہار پر اپنے واسطے اور اپنے بال بچوں کے لئے حتی المقدور نئے اور خوش نما کپڑے بناتے ہیں اور انھیں اس تیوہار میں پہنتے ہیں۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب دُرگا دیبی کے جنم کا دن آتا ہے جو ساری دنیا کی ماتا ہے تو اُس روز ہم کو اپنی تمام پریشانیاں، تفکرات اور تردداتکو فراموش کر کے نہایت خندہ پیشانی اور دلی مسرت کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ صوبہ بنگال میں اس تیوہار کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ اسکولوں اور سرکاری عدالتوں اور دفاتر میں دُرگا پوجا کی طویل تعطیل ہوتی ہے۔ اس لیئے اسکولوں کے طلبا اور سرکاری ملازمان دلی اشتیاق کے ساتھ دُرگا پوجا کی تعطیل کا انتظار کیا کرتے ہیں۔ لمبی تعطیل سے زیادہ مسرت انگیز کوئی شے لڑکوں کے لئے نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ کہ پردیس میں ملازم ہیں اُن کو اپنے وطن جانے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کرنے کا موقع اسی تعطیل میں ملتا ہے۔

تاجر لوگ دُرگا پوجا کا سال بھر انتظار کرتے رہتے ہیں کیونکہ اس تیوہار کے موقع پر اُن کے مال کی خوب بکری ہوتی ہے۔ خاص کر کپڑے اور نفیس اشیا خوب فروخت ہوتے ہیں۔ نہ صرف اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لیئے بلکہ قریبی رشتہ داروں اور خاص دوستوں کے لئے دُرگا پوجا ہی کے موقع پر نفیس اور خوش نما چیزیں خرید کر بطور تحفہ پیش کی جاتی ہیں کیونکہ دُرگا پوجا تیوہار

پر عزیزوں اور دوستوں کو تحفے دینے کا عام رواج ہے۔
اس تیوہار کی شاستروں میں یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ ست جگ (عہد زریں)
میں ایک راجہ تھا جس کا نام سورتھ تھا اور اسی زمانہ میں سمادھی نامی ایک
بقال بھی تھا۔ راجہ کے قبضہ اور ملکیت سے اس کی ساری سلطنت چلی گئی تھی،
اس کی بڑی تمنا یہ تھی کہ پھر کھوئی ہوئی سلطنت مجھ کو پھر مل جائے اور سمادھی
بقال کی یہ آرزو تھی کہ میں دنیا کے مکروہات سے نجات پا جاؤں۔ دونوں مل کر
ایک رشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اپنی خواہشیں بیان کیں۔ اس نے
یہ ہدایت کی کہ تم دونوں درگا دیبی کی پوجا کیا کرو۔ ان کی کرپا سے تمھاری
تمنائیں پوری ہو جائیں گی، چنانچہ راجہ اور بقال دونوں نے درگا دیبی کی
پوجا شروع کر دی اور چند ہی روز میں ان کے دلی مقاصد حاصل ہو گئے۔
سری رام چندر جی نے بھی درگا دیبی کی پوجا کی کرپا سے لنکا کے
راجہ کو مار ڈالا اور فتح یاب ہوئے۔ اس لئے درگا پوجا ہندوؤں کے بزرگوں
اور اجداد سے ہوتی چلی آئی ہے۔ درگا کی پوجا زیادہ تر بنگال میں ہوتی ہے۔
اس کی شبیہ اس طور پر بنائی گئی ہے کہ وہ ایک قوی ہیکل عورت ہے جس کے
۱۰ ہاتھ ہیں اور اس کے ایک ہاتھ میں ایک برچھا ہے جس کو نکال کر وہ مہشر کے
(جو بھینسے کی شکل کا ایک راکشش ہے) دل میں پیوست کر دیتی ہے اور بال پکڑ کر
اسے گھسیٹ لیتی ہے۔ درگا کے دیگر ۹ ہاتھوں میں بھی مختلف ہتھیار ہیں۔ درگا کا
ایک پاؤں شیر کی پشت پر ہے اور دوسرا پاؤں اس راکشش کی گردن پر ہے۔ جب درگا
اپنے زبردست دشمن پر حملہ کرتی ہے تو شیر بھی اس کی مدد کرتا ہے اور دشمن کے جسم کو
اپنے پنجوں سے پھاڑتا ہے اور تیز دانتوں سے کاٹتا ہے۔ اس تیوہار میں علاوہ
درگا دیبی کے دیبی لکشمی (دولت کی دیبی) سرسوتی (علم کی دیبی) کا رنگ

(جنگ کا دیوتا) اور گنیش (عقل اور کامیابی کا دیوتا) کی پوجا ہوتی ہے۔
درگا پوجا بنگالی مہینا اسون یا کاتک کے اجاپے پاکھ کے ساتویں روز شروع ہوتی ہے اور چار روز تک ہوتی رہتی ہے۔ اسون شکلے جاپے پاکھ کے چھٹے روز درگا کو خواب سے بیدار کیا جاتا ہے اور اس رسم کو بودہن کہتے ہیں۔ پوجاری چار روز تک منتر با آواز بلند پڑھتے رہتے ہیں رات کے وقت آرتی ہوتی ہے جس کے دیکھنے کو ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ آخری دن درگا کی مورتی کا شہر میں جلوس نکالا جاتا ہے جس کے ساتھ روشنی، تماشے، باجے اور گانا بجانا ہوتا ہے۔
اس کے بعد لوگ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملنے جاتے ہیں تحفے پیش کرتے ہیں اور گھر گھر دعوتیں ہوتی ہیں۔
درگا دیبی کی سال میں دوسری بار چیت کے مہینہ میں پوجا ہوتی ہے، اس وقت اسے بسنتی پوجا کہتے ہیں۔

---

(۲۴) عشرۂ محرم MOHARRAM.

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، لیکن انھوں نے عام مسلمانوں کی رائے سے انتخاب خلیفہ کی بجائے اپنے فرزند یزید کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنا دیا۔ یزید لعین ایک نہایت ظالم، فاسق، فاجر، شرابی اور زانی شخص تھا۔ آنحضرت صلعم کے پیارے نواسے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حیات تھے۔ جب یزید لعین اپنے والد کی جگہ پر خلیفہ ہوا تو اس نے سوچا کہ عام مسلمان تب تک مجھے ناچار کو اپنا حقدار اور سرگروہ تسلیم

خلیفہ منتخب کر لئے گئے اور حضرت امام حسن یا حضرت امام حسین علیہم السلام کو خلیفہ منتخب
نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد امیر شام کے بڑے صاحبزادے نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو
زہر دلوا دیا اور پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کی جان لینے کے لئے تدبیریں کرنے لگا
اس نے کوفہ سے سیکڑوں خطوط بھجوائے کہ وہاں کے مسلمان حضرت امام حسین علیہ السلام
سے بیعت کرنے اور اپنا خلیفہ بنانے کو تیار ہیں۔ امام معصوم اس دھوکہ میں آگئے
اور کوفہ تشریف لے گئے۔ ابتدا میں وہاں کے لوگوں نے بیعت کی لیکن بعد میں یہ
سازش معلوم ہو گئی۔ اس لئے آپ نے مکہ شریف واپس تشریف لانے کا ارادہ
کیا۔ یزیدیوں نے ایک زبردست لشکر بمقام کربلا جمع کر کے آپ کو مع ساتھیوں کے
روک لیا اور کھانا اور پانی تک بند کر دیا۔ طرح طرح کے لالچ دیئے کہ حضرت امام حسین
علیہ السلام اس کی اطاعت قبول کر لیں۔ لیکن آپ نے تمام نعمائے دُنیوی پر
لات ماردی اور جواب دیا کہ ایسے فاسق فاجر کی اطاعت ہرگز نہیں کر سکتا ہوں
اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اعلان جنگ کر دیا۔ اس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام
کے ہمراہ مع اہل بیت اور انصار کے صرف ۷۲ افراد تھے اور اس لعین کے پاس
بے شمار فوج تھی۔ یہ جنگ یکم محرم سے شروع ہوئی اور ۹ محرم تک آپ کے
سب ساتھی یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ بالآخر عاشورہ یعنی ۱۰ محرم کو بعد نماز جمعہ
آپ بھی شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت پر جیسے جیسے مظالم کئے گئے اور
اور جیسی سفاکی کے ساتھ ان سب کو تہ تیغ کیا گیا اس کی مثال تاریخ عالم میں
نہیں ملتی ہے۔ حق و صداقت کی خاطر ناقابل بیان مظالم برداشت کر کے اپنی اور
سارے خاندان کی راہ خدا میں جان دے دینا ایسا عظیم الشان واقعہ ہے اور
یہ بھی کس کا — پیغمبر صلعم کے پیارے نواسے کا۔ اس کی یادگار ہر جگہ مسلمان

مناتے ہیں اور اسی کو عشرۂ محرم کہتے ہیں سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے یکم محرم سے ۱۰ محرم تک روزے رکھے تھے اسی وجہ سے اسے عشرہ محرم کہتے ہیں۔ ان ۱۰ دنوں میں مسلمان واقعات کربلا پڑھتے ہیں اور مجالس کرکے دوسروں کو سناتے ہیں ان دل دوز واقعات کو سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے ہیں بیشتر لوگ ماتم یعنی سینہ کوبی کرتے ہیں۔

تعزیہ داری صرف ہندوستان میں ہوتی ہے اور اس کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ تیمور بادشاہ ہر سال زیارت کے واسطے کربلائے معلیٰ جایا کرتا تھا۔ ایک سال اپنی علالت کے باعث وہ سفر کرنے کے قابل نہ تھا۔ اُسے بے حد ملال اور صدمہ تھا کہ امسال میں شرف زیارت حاصل نہ کرسکوں گا۔ بادشاہ کے ملال کو رفع کرنے کے لیے وزیر نے یہ تدبیر کی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مبارک کی ایک نقل اور شبیہ تیار کی اور عرض کیا کہ میں نے روضہ کی نقل تیار کرلی ہے۔ حضور یہاں زیارت کریں اور ملال نہ ہو۔ اُس وقت سے ہندوستان میں تعزیہ بنانے اور اُس کا جلوس نکالنے کا رواج ہو گیا۔

تعزیے مختلف قد وقامت اور وضع کے بنائے جاتے ہیں۔ ان کا ڈھانچہ بانس کی کھپچیوں کا ہوتا ہے اور اُسے کاغذ سے منڈھ کر اس پر طرح طرح کی گلکاریاں کی جاتی ہیں۔ تعزیئے کے ساتھ باجے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بھی ماتمی بجاتے ہیں ساتھ مرثیہ خواں ہوتے ہیں جو نظم میں واقعات شہادت بآواز بلند پڑھتے ہیں تعزیئے کے ساتھ اکھاڑے ہوتے ہیں جس میں اُسی زمانہ کی یادگار فن سپہ گری یعنی پٹا۔ بانک، پھکیوا۔ بانا۔ بنوٹ وغیرہ کے کرتب دکھلائے جاتے ہیں۔ جس مقام پر تعزیئے دفن کئے جاتے ہیں اُسے کربلا کہتے ہیں بعض تعزیئے تو گڑھے کھود کر دفن کر دیئے جاتے ہیں اور آئندہ سال نئے تعزیئے بنائے جاتے ہیں بعض تعزیئے

واپس آجاتے ہیں۔

عشرہ محرم میں ہر ایک مسلمان اپنی بساط کے موافق سید الشہدا کے نام پر ضرور خیرات کرتا ہے۔ شربت کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں، لنگر ہوتے ہیں یعنی کھانا پکوا کر مساکین کو تقسیم کیا جاتا ہے۔

سنت جماعت مسلمانوں کے مولوی اور مذہب کے پابند مسلمان تعزیہ داری کے مخالف ہیں لیکن اس کے بند کرنے کی اس وجہ سے کبھی کوشش نہیں کی گئی کہ اس کو قائم رکھنے سے سید الشہدا کے نام پر لاکھوں روپیہ کی خیرات ہر سال ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ کی یادگار قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔

پابند مذہب مسلمان عشرہ محرم میں برابر روزے رکھتے ہیں چونکہ ان ایام میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی روزے رکھے تھے۔

(۲۴) موٹر کار MOTOR CAR

موٹر کار کا موجد کاگنٹ تھا۔ موٹر کار پٹرول سے چلتی ہے اور یہ نہایت آسانی سے ۵۰ - ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلائی جا سکتی ہے۔ موٹر کار میں سیکڑوں میل کا طویل سفر طے ہو سکتا ہے اس سواری میں مختصر سا سفر کرنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ یہ سواری نہایت آرام دہ اور تیز رفتار ہے۔

موٹر کار میں چار پہیے ہوتے ہیں اس میں ایک موٹر انجن لگا ہوتا جو بہت چھوٹا سا ہوتا ہے اور وہ لوہے کی چادر سے ڈھکا رہتا ہے۔ موٹر کار مختلف اقسام کی ہوتی ہیں اوسط درجہ کی موٹر کار ۲ - ۳ ہزار روپیہ میں مل جاتی ہے چونکہ

یہ ایک بیش قیمت سواری ہے اور اس میں پٹرول کا معقول صرفہ پڑتا ہے۔ علاوہ بریں موٹر ڈرائیور کو بھی کم از کم ۲۵ - ۳۰ روپیہ ماہوار تنخواہ دینی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا عام طور پر رائج ہونا دشوار ہے۔ صرف ذی مقدور حضرات ہی موٹر رکھ سکتے ہیں بمبئی، کلکتہ، مدراس، حیدرآباد، دہلی، لکھنؤ، لاہور وغیرہ جیسے بڑے شہروں میں جہاں پر لوگوں کے پاس کافی دولت اور آمدنی ہے موٹر کار بکثرت چلتے ہیں۔ شہر میں چلانے کے لئے اس کی رفتار ۱۰ - ۱۵ میل مقرر ہو گئی ہے اور اس احتیاط پر بھی آئے دن موٹر سے سیکڑوں حادثات ہونے اور لوگوں کے مرنے اور زخمی ہونے کی خبریں اخباروں میں دیکھی جاتی ہیں۔ بے پروائی سے تیز رفتار کے ساتھ موٹر چلانا جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔

باوجود چند خرابیوں کے موٹر کار مہذب سوسائٹی کے لئے ایک بیش بہا نعمت اور بڑی کارآمد سواری ہے۔ علاوہ رؤسا اور سرکاری حکام کے بڑے تاجر اپنے یہاں موٹر ضرور رکھتے ہیں چونکہ اُن کے پاس وقت کم ہوتا ہے اور موٹر میں سوار ہو کر اور بہت کم وقت صرف کر کے وہ اپنے کام کو انجام دے سکتے ہیں بڑے شہروں میں کرایہ کے موٹر بس چلتے ہیں جن میں متعدد آدمی سوار ہو سکتے ہیں اب تو چھوٹے مقامات پر بھی موٹر کا رواج ہو گیا ہے اور یکہ و تانگہ کی بجائے موٹر لاریاں چلنے لگی ہیں۔ ان لاریوں کو اس قدر ترقی حاصل ہوئی کہ موٹر لاری کی افزائش سے ریلوے کی آمدنی کم ہو گئی ہے اور بہت سے مقامات پر بجائے ریلوے کے اس میں زیادہ سہولت اور کفایت ہے کہ موٹر لاری میں سفر کیا جائے۔ تجارتی مال کی آمد و رفت بھی موٹر لاری میں ہوتی ہے اس نے بھی ریل کی آمدنی کو نقصان پہونچایا ہے کیونکہ مال گاڑی سے اب اس قدر

... قدر نہیں بھیجا جاتا ہے جس قدر کہ پیشتر جاتا تھا اور موٹر لاری سے مال
روانہ کرنے میں بہ نسبت ریلوے کے زیادہ سہولت کفایت اور اطمینان ہے۔
موٹر کا رواج جس رفتار سے کہ ترقی پا رہا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
زمانہ قریب آنے والا ہے جب ہندوستان سے یکہ، تانگہ، گھوڑا گاڑی اور
بیل گاڑی مفقود ہو جائے گی۔

---

(۲۵) دیہاتی زندگی — VILLAGE LIFE.

سادگی، مذہبیت اور قدامت پرستی ہماری دیہاتی زندگی کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ہندوستان کی شہری اور دیہاتی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہے جو شخص کہ عرصہ دراز تک کسی شہر میں رہ چکا ہو اگر اُسے کسی گاؤں میں جانے کا اتفاق ہو جائے تو دیہاتیوں کی طرز زندگی کو دیکھ کر وہ متحیر ہو کر رہ جائیگا بڑے دیہات کے بڑے اور چھوٹے ہونے پر بھی طرز زندگی میں بہت کچھ فرق ہو جاتا ہے۔
بڑے بڑے دیہاتوں میں شہروں کی طرح ۳ طبقے کے لوگ ہوتے ہیں اول امرا جس میں زمیندار اور ساہوکار داخل ہیں دوسرے متوسط طبقہ تیسرے غربا جس میں کاشتکار اور پیشہ ور ہوتے ہیں۔

(۱) جو لوگ کہ کسی قدر مرفہ الحال ہوتے ہیں یعنی زمیندار یا ساہوکار وہ نہایت کاہل اور آرام طلب ہوتے ہیں وہ علی الصباح بیدار نہیں ہوتے بلکہ دن چڑھے اُٹھتے ہیں حوائج ضروری سے فارغ ہو کر وہ ناشتہ کرتے ہیں پھر باہر جا کر اپنے ملازمان کے کام کو دیکھتے ہیں اور دیہاتیوں کے باہمی نزاعات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں۔ کسی مجرم پر جرمانہ کرتے ہیں

کسی کو حسب مرضی کچھ اور سزا دے دیتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر مغرور ہوتے ہیں اور اپنے کو عوام سے بالاتر تصور کرتے ہیں۔

(۲) دیہات میں متوسط طبقہ کے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بالعموم کسی قدر خواندہ اور ہوشیار ہوتے ہیں ان میں سے بعض لوگوں کو معمولی تنخواہ کی زمیندار کے یہاں ملازمت مل جاتی ہے باقی ماندہ بے کار آوارہ پھرتے اور اپنی عیاری اور مکاری سے کچھ نہ کچھ پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کو کمینہ حرکات کرنے میں بھی کچھ تامل نہیں ہوتا ہے۔ صبح کو ناشتہ کرکے یہ لوگ گاؤں میں گشت لگاتے ہیں اور جس مکان کے دروازے پر چند آدمیوں کا مجمع دیکھتے ہیں وہاں جا کر حصہ لیتے ہیں اور گپ شپ لگاتے ہیں۔ پھر اپنے گھر آکر غسل کرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ گھنٹہ دو گھنٹہ ضرور سوتے ہیں۔ سہ پہر کو یہ پھر گشت کرتے ہیں اور کسی مجمع میں ہو کر تاش، چوسر یا شطرنج کھیلتے ہیں۔ شام کو گھر واپس آکر کھانا کھاتے اور سو رہتے ہیں۔

(۳) ہندوستان کا مایۂ ناز دیہات کا غریب طبقہ ہے جس میں کاشتکار اور پیشہ ور داخل ہیں۔ دیہات کے پیشہ ور مثلاً جلاہے، بڑھئی، لہار، کمہار اور تیلی وغیرہ صبح سے شام تک سخت محنت کرتے ہیں مگر ان کو اپنی محنت کا برائے نام معاوضہ ملتا ہے یہی حالت بیچارے کسانوں کی ہے ساری عمر نہایت عسرت اور مصیبت میں گزرتی ہے، ان کے بدن پر نہ تو صاف اور ثابت کپڑا ہوتا ہے اور نہ پیٹ بھر کر ان غریبوں کو غذا میسر آتی ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ مقروض رہتے ہیں اور سنگدل، بے رحم اور حریص و عیار ساہوکار ہر وقت ان کا خون چوسنے کو مستعد رہتا ہے۔ ان کی زندگی کی داستان نہایت عبرت ناک اور اندوہناک ہے۔ ہمارے دیہات کے یہ کاشتکار علی الصباح بیدار ہو جاتے ہیں اور ہر موسم میں خواہ جاڑا ہو، گرمی ہو،

یا برسات کھلے ہوئے میدانوں میں صبح سے شام تک اپنے کھیت میں کام کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض کاشتکار تو دوپہر کے ۱۲ یا ایک بجے کھانے کے لئے گھر آجاتے ہیں بعض کی عورتیں کھیت ہی پر دوپہر کا کھانا پہونچا دیتی ہیں۔ یہ لوگ غروب آفتاب کے بعد مکان پر واپس آتے ہیں اور پھر اپنے مویشیوں کی خدمت کرتے ہیں۔

دیہات میں شام کا وقت نہایت پرلطف ہوتا ہے۔ اپنے کھیتوں سے واپس آکر امیر اور غریب بچے اور بوڑھے سب لوگ کسی مقدم (آسودہ حال کسان) کی چوپال پر جمع ہو جاتے ہیں وہاں پر حقہ کا دور چلتا ہے۔ کوئی شخص گپیں ہانکتا ہے کوئی مذہبی قصے بیان کر رہا ہے۔ چند لوگ نہایت آزادی سے گا رہے ہیں۔ کوئی ڈھول بجا رہا ہے۔ الغرض شام کا وقت نہایت دلچسپی اور لطف سے گزرتا ہے۔

ہمارے کسان بھائی صرف موٹا ناج مثلاً جو، بیجھڑ، مکا، جوار، باجرہ کی روٹی اور ساگ پات پر گزر کرتے ہیں جن کے یہاں گائے یا بھینس ہوتی ہے وہ خود مٹھا پیتے ہیں اور گھی فروخت کر ڈالتے ہیں۔ سردی اور برسات کی تکالیف سے جسم کو بچانے کے لئے ان غریبوں کو گرم کپڑا تک میسر نہیں آتا ہے لیکن اس سخت مصیبت کی زندگی بسر کرنے پر بھی وہ ہمیشہ خوش اور مطمئن رہتے ہیں۔ ان میں ہمدردی اور محبت کا مادّہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہر ایک بھائی کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور حتی المقدور ہر قسم کی امداد اور خدمت کے لئے ہر وقت مستعد نظر آتے ہیں۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ فی الحقیقت ہمارے دیہاتی بھائیوں کی نظیر روئے زمین پر کسی جگہ پر نہیں ملتی۔

دیہات کی عورتیں بھی بڑی جفاکش اور محنتی ہوتی ہیں وہ طلوع آفتاب سے ۲-۳ گھنٹے پیشتر بیدار ہو جاتی ہیں اور دن نکلنے تک چکی پیستی رہتی ہیں پھر گھر کا سارا کام دھندا کرتی ہیں۔ روٹی ہانڈی خود پکاتی ہیں۔ کنوئیں سے

پانی بھر کر لاتی ہیں۔ کسانوں کی عورتیں اپنے مردوں کے دوش بدوش کھیتی کا کام کرتی ہیں۔ دوپہر کا کھانا اپنے مردوں کے لئے کھیت پر لے جاتی ہیں۔ مویشیوں کی خدمت کرتی ہیں اور مویشیوں کے گوبر کے اُپلے تھاپتی ہیں جو خشک ہو جانے پر اُن سے کھانا پکاتی ہیں۔ سہ پہر کے وقت بہت سی عورتیں جمع ہو کر احمقانہ بکواس کرتی ہیں۔ یہ زیادہ تر زیور اور کپڑے کے متعلق باتیں کرتی ہیں۔

دیہاتی عورتیں عام طور پر جاہل ہوتی ہیں لیکن اُن میں محبت۔ ہمدردی اور نیکی بے حد ہوتی ہے وہ نہایت فیاض طبع اور مخیر ہوتی ہیں اور مصیبت کے وقت دوسرے کی مدد کرنے میں اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتی ہیں۔ یہ عورتیں اپنے شوہروں کی نہایت اطاعت شعار، وفادار اور خدمت گزار ہوتی ہیں۔

(۲۶) میرا گاؤں MY VILLAGE.

میں گنگ پور کا رہنے والا ہوں جو ضلع جیسور میں واقع ہے۔ ہمارے گاؤں کا ریلوے اسٹیشن آبادی سے ۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہمارے گاؤں کی لمبائی ایک میل سے کچھ زیادہ اور چوڑائی قریب ایک میل کے ہے۔ ہمارے گاؤں کی آبادی ۳۰۰ نفوس کی ہے۔ ہمارے گاؤں میں شرفا، کاشتکار، لوہار اور بڑھئی رہتے ہیں۔

ہمارے گاؤں کے قریب ایک دریا بھی ہے اور اسی کے کنارے پر ہمارا گاؤں آباد ہے۔ اس دریا میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اس گاؤں میں ایک چھوٹا سا بازار ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں مل جاتی ہیں۔ اس گاؤں میں صرف ایک پرائمری اسکول ہے لیکن ہمارے گاؤں سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر ایک ہائی اسکول موجود ہے اس لئے پرائمری اسکول میں پڑھنے کے بعد ہمارے گاؤں کے لڑکے آنس

ہائی اسکول میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ہمارے گاؤں کے قریب ہی شفا خانہ اور ڈاک خانہ بھی موجود ہے۔ ہمارے گاؤں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ ہمارے گاؤں میں دودھ۔ مچھلی اور چاول بکثرت ہوتا ہے۔

ہمارے گاؤں کا منظر نہایت پُرفضا اور دلکش ہے کیونکہ ہمارا گاؤں ایک پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ ہمارے گاؤں کی زمین نہایت زرخیز ہے۔ ہمارے گاؤں میں زیادہ تر کاشتکاری پیشہ ہیں۔ وہاں کی کاشت سال میں دوبار ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں کے کسان نہایت آسودہ حال ہیں۔

---

(۲۷) تھیٹر THEATRE.

تھیٹر اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پر ڈرامے، افسانے اور مختلف قسم کے واقعات کی نقل عملی طور پر دکھائی جاتی ہے۔ قدیم زمانہ میں تھیٹر کے اسٹیج پر زیادہ تر مذہبی اور اخلاقی پند و نصائح کئے جاتے تھے۔ یونان اور روم میں حکیم ارسطو اور حکیم سقراط اور چند مذہبی پیشواؤں تک نے تھیٹر کے اسٹیج پر کام کیا ہے اور تھیٹر کا یہ مقصد قرار دیا گیا تھا کہ نہایت سلیقہ کے ساتھ دلچسپ اور دل نشین پیرایہ میں تربیت اور تلقین کی جائے اور تخیلات کو عملی شکل میں دکھا دیا جائے لیکن امتداد زمانہ سے پبلک کا مذاق تبدیل ہو جانے سے تھیٹر کی حالت بھی بالکل تبدیل ہو گئی ہے اور اس کا اصل مقصد فوت ہو گیا ہے۔

اس میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے کہ دن بھر کی محنت شاقہ کے بعد دماغ اور جسم کو سکون دینے اور تر و تازہ کرنے کے لئے کسی نہ کسی تفریحی مشغلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی غرض کے حصول کے لئے شب کو تھیٹر میں جاتے ہیں۔

تھیٹر روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوتا ہے۔ نہایت خوش الحان اور سُریلی آواز میں
گانا بجانا ہوتا ہے اور ایکٹر اپنے اپنے پارٹ کو ایسی خوش اسلوبی سلیقہ اور صفائی
کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس سے ناظرین نہایت مسرور اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔
خوش نما مناظر دیکھنے سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور و انبساط حاصل ہوتا ہے۔
ایکٹروں کے دل چسپ پارٹ سے روح کو تازگی اور بالیدگی حاصل ہوتی ہے خوش نما
نظارہ اور شیریں و سُریلی آوازیں طبیعت پر ایسا اثر پیدا کر دیتی ہیں جن سے انسان
اس قدر مسرور و محظوظ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سب رنج و الم کو فراموش کر دیتا ہے اور اس کی
ساری کلفتیں دُور ہو جاتی ہیں اور اُس کی طبیعت ہشاش و بشاش ہو جاتی ہے اور دوسرے
دوسرے روز کام کرنے کے لیے اُس کے جسم میں نئی توانائی اور جوش پیدا ہو جاتا ہے
تھیٹر صرف ایسا مقام نہیں ہے جہاں پر صرف لطف و سرور حاصل کیا جائے بلکہ تھیٹر کے
اسٹیج سے اپنے جاہل بھائیوں کو بہت سی کار آمد باتیں بآسانی سکھائی جا سکتی ہیں
اور اُن کی تعلیم و تربیت کا یہ نہایت مؤثر ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔
اسٹیج پر کھڑے ہو کر ہم بہت سے کار آمد اور شریفانہ خیالات لوگوں کے ذہن نشین
کر سکتے ہیں۔ اگرچہ کتابوں میں ہم بہت سے پاکیزہ خیالات دیکھتے ہیں لیکن اگر اُن کو
عملی شکل میں دکھا دیا جائے تو وہ ہمارے دل پر نقش کالحجر ہو جائیں گے ہم بہت سی
باتیں سُنتے اور پڑھتے ہیں لیکن جب عمل کر کے ہم کو دکھایا جاتا ہے تو ہم اُن کو ضرور
یاد رکھتے ہیں۔ تھیٹر میں ہم کو نہایت دل چسپ اور مسرت انگیز طریقہ سے واقعات
عملاً دکھا دیئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے کسی زبانی روایت یا ہدایت سے ان کا
اثر ہمارے دل پر بہت زیادہ اور دیرپا ہوتا ہے اور چونکہ واقعات کو دل چسپ اور
مسرت خیز تماشے اور کھیل کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے اس لئے اُن کا اثر غیر محسوس
طریقہ پر ہمارے دل نشین ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے جاہل بھائیوں کو زبانی پند و

نصائح کرنے یا کتابی تعلیم دینے کی بجائے تھیٹر میں بہت سی کارآمد اور مفید باتیں سکھا سکتے ہیں۔

لیکن تھیٹر بجائے مفید اور سود مند ہونے کے نہایت مضرت ناک بھی ہو سکتا ہے اگر اس میں حیا سوز اور بیہودہ ڈرامے دکھائے جائیں کیونکہ ان سے ناظرین کے اخلاق پر بہت خراب اثر ہو جانے کا قوی احتمال اور امکان ہے۔ ہمارے ملک میں اس قسم کے مخرب اخلاق ڈرامے تھیٹروں میں زیادہ تر دکھائے جاتے ہیں لیکن اب ان میں اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ بنگال میں گریش چندر بوس اور دوجندر لال رے اور سرلش کمار بہدوری نے ایسے قومی، تاریخی اور اخلاقی ڈرامے تیار کئے ہیں جن سے وطن پرستی، قومی ہمدردی، مذہبی اور اخلاقی تعلیم نہایت دل چسپ اور دل نشین پیرایہ میں تھیٹر کے اسٹیج پر عوام کو دی جاتی ہے۔

---

(۲۸) فن طباعت PRINTING.

روشنائی سے لکھے ہوئے حروف، ہندسے یا تصاویر کا عکس کاغذ پر اتار لینے کے فن کو طباعت یا چھپائی کہتے ہیں۔ طباعت یعنی چھپائی ۳ قسم کی ہوتی ہے۔ اول پلیٹ سے، دوسرے لیتھو، تیسرے ٹائپ۔ نہایت قدیم زمانہ میں چھاپنے کی یہ ترکیب تھی کہ تانبے کی پلیٹ پر حروف کندہ کئے جاتے تھے اور پلیٹ کے حروف پر روشنائی لگا کر ان کا عکس کاغذ پر اتار لیا جاتا تھا۔ لیتھو سے چھاپنے کی یہ ترکیب ہے کہ اراروٹ اور عصارہ ریوند پانی میں ملا کر آگ پر پکاتے ہیں اور کسی قدر گاڑھا قوام ہو جانے پر کاغذ کو اس محلول سے رنگ لیتے ہیں جب کاغذ خشک ہو جاتا ہے تو اس پر کاپی کی سیاہی سے جو خاص ترکیب سے بنائی جاتی ہے لکھتے ہیں جب

کاپی لکھکر تیار ہو جاتی ہے تو چھاپنے کے پتھر کو جو سفید اور نرم ہوتا ہے صاف کر کے اور گرم کر کے اس کاپی کو پریس کے ذریعہ سے جماتے ہیں ذری دیر میں کاپی کے حروف کا الٹا عکس اس پتھر پر اتر آتا ہے پھر سیاہی کا رول پتھر پر پھیر کر کاغذ رکھکر چھاپ لیتے ہیں۔ چھاپنے سے حروف کا الٹا عکس سیدھا ہو جاتا ہے اسی کو لیتھو کی چھپائی کہتے ہیں

ابتدا میں لکڑی پر الٹے حروف کندہ کئے جاتے تھے اور پھر روشنائی لگا کر اس کا چربہ اتار لیتے تھے اور اسے ٹایپ سے چھاپا کرتے تھے۔ لیکن غالباً بارھویں یا تیرھویں صدی میں اہل چین اور ہندوستانیوں نے ٹایپ کو ترقی دی اور اس کے بعد اہل یورپ نے ٹایپ میں مزید اصلاحات کیں۔ یورپ میں مسٹر جان گٹن برگ ساکن اسٹراسبرگ اول شخص تھا جس نے فن طباعت کو ایک مستقل بنا پر قائم کر دیا اس نے بجائے لکڑی کے ٹین اور سیسہ کا ٹایپ تیار کیا اور اس نے اپنا ایک مطبع قائم کر دیا اور اس مطبع میں انجیل مقدس لاطینی زبان میں سب سے پہلی کتاب چھاپی گئی اس کا نام Forty two lines Bible. رکھا گیا۔ یعنی ۴۲ سطری انجیل انگلستان میں ولیم کیکسٹن نے سب سے اول مطبع قائم کیا اور اس مطبع میں پہلی کتاب اقوال و ہدایات فلسفیان The Dictates and sayings of Philosophers چھاپی گئی۔

اب دخانی اور برقی قوت کے استعمال سے طباعت میں بڑی سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اب سیسہ کے علیحدہ علیحدہ حروف بنائے جاتے ہیں اور کمپوزیٹر ان حروف کو بآسانی ملا سکتا ہے اور جدا جدا کر سکتا ہے اور مختلف قسم کی چھپائی کے جدا جدا کشش کے حروف بنائے جاتے ہیں چھاپنے کی مشین کو ایسے مکمل طریقہ پر تیار کیا گیا ہے کہ برقی یا دخانی قوت سے اس کو بغیر کسی سخت محنت کے چلایا جاتا ہے اور ذری دیر میں ہزاروں کاغذ نہایت صاف اور نفیس چھاپ لئے جاتے ہیں۔

ہر ایک مہذب اور متمدن ملک میں روزانہ ہزاروں اخبارات لاکھوں کی تعداد میں چھاپے جاتے ہیں جن میں دنیا کے ہر گوشہ کی تازہ خبریں درج ہوتی ہیں۔
فن طباعت نے اشاعت علوم میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ مطابع میں ہر علم و فن کی کتابیں چھاپی جاتی ہیں اگر کتابیں نہ ہوتیں تو نہایت بیش بہا علمی خزانہ ضائع ہو جاتا جو بنی نوع انسان کے دل و دماغ کو روشن کرتا ہے۔ طباعت نے نہ صرف نوع انسان کی حالت کو درست کیا ہے بلکہ اسی کے وسیلہ سے تہذیب و تمدن کے پھیلانے کا ذوق و شوق پیدا ہوا ہے۔
فی الحقیقت فن طباعت انسان کے حق میں نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا ہے اور اس نے تعلیم و تربیت کی ترویج اور اشاعت علوم میں بے حد اعانت کی ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کہ فن طباعت کا وجود نہ تھا اُس وقت دوسروں کو اپنے علم سے مستفید کرنے میں بڑی مشکلات اور دشواریاں حائل تھیں۔ کسی کتاب کی نقل ہاتھ سے کرنے میں بہت وقت صرف ہوتا اور بڑی محنت کرنی پڑتی تھی اس وجہ سے کتابوں کے قلمی نسخے نہایت بیش قیمت ہوتے تھے اور صرف امرا ہی اُن کو خرید سکتے تھے لیکن یہ فن طباعت ہی کا فیضان ہے کہ ہر زمانہ اور ہر ملک کے قابل ترین لوگوں کی تصانیف کو ایک غریب آدمی بھی تھوڑی سی قیمت دے کر خرید سکتا ہے اور اُس کتاب سے مستفید ہو سکتا ہے۔

---

(۲۹) ٹیلیفون TELEPHONE.

کسی پیام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت جلد پہونچا دینے کا وسیلہ ٹیلیفون ہے تار اور ٹیلیفون میں یہ فرق ہے کہ تار میں حروف تہجی کی خاص خاص علامات مقرر

مقرر کرلی گئی ہیں اور اُن کی آواز کو بہت سے مراحل طے کرنے ہوتے ہیں اس وجہ
سے تار کے پہنچنے میں دیر لگتی ہے لیکن ٹیلیفون کے ذریعہ سے آپ اپنے اصلی الفاظ
نہایت دور دراز مقامات پر بھیج سکتے ہیں جو آناً فاناً بعینہٖ وہاں پہنچ جاتے
ہیں ٹیلیفون نے اس وجہ سے تجارتی کاروبار میں بڑی آسانیاں پیدا کردی ہیں
اور تاجر صاحبان ٹیلیفون کے بڑے مداح اور ثنا خواں ہیں۔

ٹیلیفون میں دو آلے ہوتے ہیں ایک بات کرنے کا دوسرا سننے کا اور ان
دونوں کے درمیان تار لگا ہوتا ہے۔ جب بات کی جائے تو برقی تار اُسے دوسرے
آلہ تک پہنچا دیتا ہے۔

مسٹر گراہم بیل نے ٹیلیفون میں بہت کچھ اصلاح اور ترمیم کی ہے۔

ٹیلیفون سے تاجروں کو بیحد نفع پہنچا ہے کیونکہ اشیاء کے نرخ کی کمی بیشی،
ارزانی اور گرانی کا علم اور اندازہ ٹیلیفون سے بہت جلد ہو جاتا ہے اس کو حسب ذیل
مثال پیش کرکے ہم سمجھائے دیتے ہیں: کلکتہ میں زید کی گھی کی دوکان ہے
اور وہ تھوک فروش ہے۔ کلکتہ کے دکان دار زیادہ تر اسی سے گھی خریدتے
ہیں۔ بالفرض گھی کی زیادہ مانگ ہونے لگتی ہے۔ اب زید کا اسٹاک کم ہوتا جاتا ہے
اور گھی کا نرخ گراں ہوتا جاتا ہے۔ اگر ٹیلیفون نہ ہوتا تو گھی کا دوسرا تاجر سابق
نرخ پر گھی فروخت کرتا رہتا اور نرخ کی گرانی سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔
لیکن اب ٹیلیفون اس کے یہاں بھی لگا ہوا ہے وہ زید سے روزانہ گھی کا بھاؤ
دریافت کرتا رہتا ہے اس وجہ سے اس نے بھی گھی کا نرخ گراں کردیا ہے۔ اور
زید کی طرح وہ بھی زیادہ نفع اٹھا رہا ہے۔

علاوہ بریں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں مثلاً کلکتہ، بمبئی، مدراس
حیدرآباد، دہلی، لاہور، لکھنؤ وغیرہ میں تاجروں و ڈاکٹروں، وکیلوں سرکاری

حکام اور پولیس افسران نے اپنے یہاں ٹیلیفون لگوالیا ہے اور یہ لوگ ٹیلیفون کی بدولت بہت فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ان کے کام میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ مثلاً شہر کے کسی حصے میں آپس میں کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا اُس نے طوالت اختیار کی اور بلوہ ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ فوراً بذریعہ ٹیلیفون پولیس سٹیشن اور حکام ضلع کو اس کی خبر مل جاتی ہے اور بہت جلد موقع پر پہنچ جاتے ہیں اور بلوہ ہونے کو روک دیتے ہیں یا شہر کے کسی مکان یا دکان میں آگ لگ گئی۔ فائر بریگیڈ اسٹیشن کو فوراً ٹیلیفون سے خبر کر دی جاتی ہے اور وہاں سے اُس مکان یا دکان پر آگ بجھانے کا انجن بھیجا جاتا ہے اور تھوڑی دیر میں آگ بجھا دی جاتی ہے۔

ٹیلیفون کو مزید ترقی دی جا رہی ہے اور لاسلکی ٹیلیفون سے کام لیا جا رہا [illegible] جس کے ذریعے سے دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے [illegible] چند منٹ میں [illegible] پہنچا دی جاتی ہے [illegible] ٹیلیفون کا [illegible] جال [illegible] پھیلا رہتا ہے مگر ابھی اس [illegible] بڑے پیمانے پر [illegible] ہوئی ہے اور اس کی [illegible] اخبارات کو دوسرے [illegible] کی خبریں فوراً مل جاتی ہیں مگر ابھی اس [illegible] نہیں ہوئی ہے۔ البتہ امریکہ [illegible] ٹیلیفون کو اس درجہ ترقی دی گئی [illegible] کے ذریعے سے فوٹو بھیجے جاتے ہیں اور ہزاروں میل کے فاصلے [illegible] کی [illegible] حرکت تک معلوم کر لی جاتی ہے۔

TRAMWAY. (۳۰) ٹرام وے

ٹرام وے **Tramway** یہ ٹرام **Tram** اور وے **way** دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ ٹرام سویڈن کی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی

چوبی کڑی کے ہیں اور وے کے معنی راستہ کے ہیں اس لئے ٹریموے کے معنی چوبی کڑی کے راستہ کے ہیں۔ چونکہ شروع میں زمین پر چوبی کڑیاں بچھا کر ٹریموے کا راستہ بنایا جاتا تھا اور اُس پر ٹریموے چلائی جاتی تھی ٹریموے کی گاڑی میں کئی درجے ہوتے ہیں ہر ایک درجہ میں بنچیں ہوا کرتی ہیں اور ہر ایک بنچ پر ۴ مسافروں کی نشست ہوتی ہے۔ الغرض ایک گاڑی میں ۲۰ یا ۲۵ مسافر سوار ہو سکتے ہیں۔ ایک ڈرائیور ہوتا ہے جو اس کو چلاتا اور روکتا ہے ٹکٹ فروخت کرنے والا بھی ٹریموے کے درجہ میں ہوتا ہے اسے کنڈکٹر کہتے ہیں اور ٹکٹ کا معائنہ کرنے والے انسپکٹر رہتے ہیں جو مسافروں کے ٹکٹ دیکھنے کو آتے رہتے ہیں۔ ٹریموے کی چھت پر لوہے کی ایک گول سلاخ ہوتی ہے اس کے سرے پر ایک گول پہیہ لگا ہوتا ہے جو ہر وقت گردش کرتا رہتا ہے یہ پہیہ بجلی کے تار رگڑ کھاتا رہتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے بجلی کی قوت حاصل کی جاتی ہے اور اسی برقی قوت سے ٹریموے چلائی جاتی ہے۔

ٹریموے کے ٹھیرنے کے متعدد اسٹیشن ہوتے ہیں جب اسٹیشن قریب آتا ہے تو کنڈکٹر ایک بار گھنٹی بجاتا ہے اور پھر چلانے کے لئے ۲ بار گھنٹی بجائی جاتی ہے اگر کوئی مسافر کسی درمیانی مقام پر اترنا چاہتا ہے تو وہ گھنٹی بجا دیتا ہے اور ڈرائیور فوراً ٹریموے کو روک دیتا ہے

ٹریموے کی ایجاد سے آمد و رفت میں بڑی سہولت اور کفایت ہوگئی ہے صرف چند پیسے دے کر کئی میل تک چند منٹ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس قدر ارزاں کرایہ کی کوئی دوسری سواری نہیں ہے۔ ٹریموے سے حکام، وکیل، پیشہ ور، تاجر اور عام لوگ یکساں مستفید ہوتے ہیں۔ پہلے ٹریموے میں گھوڑے جوتے جاتے تھے۔ لیکن اب برقی قوت سے چلائی جاتی ہے اس وجہ سے

اس کی رفتار بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں مثلاً کلکتہ، بمبئی، مدراس، دہلی اور کانپور میں ٹریموے چلتی ہے۔

---

(۱۳) گیا کی سیر A TRIP TO GAYA.

میں نے گوتم بودھ کے زمانہ کے 'گیا' کی سیر کی۔ یہ مقام موجودہ شہر گیا سے ۶ میل کے فاصلہ پر ہے یہ جگہ گوتم بودھ کے نام سے موسوم ہے۔

ہم گیا اسٹیشن پر اُترے اور چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم نے ایک یکہ کرایہ پر لیا اور اُس میں سوار ہو کر مقدس 'گیا' کی سیر کو روانہ ہوئے۔ اپریل کا مہینہ تھا دھوپ تیز تھی مگر ہوا ٹھنڈی تھی۔ سڑک کے دونوں جانب افیون کے سرسبز کھیت تھے ایک گھنٹہ بعد ہم مقدس 'گیا' میں جا پہنچے۔ اُس کے قریب دریا اپنی مستانہ رفتار سے بہہ رہا تھا۔ اس مقام کی فضا پر کامل سکون اور سکوت طاری تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مقدس مقام دھیان گیان کا ہے اور دنیاوی آلائش سے پاک و صاف ہے۔

وہاں پہنچکر ہم نے بودھی درخت کی زیارت کی جس کے نیچے گوتم بودھ نے بیٹھکر عزم بالجزم کر لیا تھا کہ ایشور کرپا کر کے نور ہدایت سے میرے دل کو منور کر دے گا ورنہ میں اسی درخت کے نیچے اپنی جان دے دوں گا اور پھر گوتم بودھ اسی خیال میں مستغرق ہو گیا۔ چنانچہ ہم نے اُس کے حالات میں تفصیل کے ساتھ پڑھا ہے کہ ایشور نے اُس کی پرارتھنا قبول کی اور اُس کا دلی مقصد حاصل ہو گیا۔

ہم نے بودھ کا قدیم مندر بھی دیکھا اس میں گوتم بودھ کی طلائی مورتی ہے

اور جس کمرہ میں مورتی تھی وہاں پر ایک بہت بڑا جھاڑ روشن تھا۔ جھاڑ کے علاوہ
متعدد فانوس، ہانڈیاں اور لمپ بھی روشن تھے جن سے وہ کمرہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا
اس مندر کا پجاری تبت یا چین کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔

بودھ مت کے راجاؤں کے زمانہ میں یہ مقام نہایت گلزار تھا اور علم و ہنر کا
مرکز مانا جاتا تھا اور اقطاع عالم سے بودھ فلاسفی سیکھنے کے واسطے طالبان علم
یہاں پر آیا کرتے تھے اب بھی جاپان اور چین سے بودھ مت کے جاتری یہاں کی
جاترا کے واسطے بڑی تعداد میں ہر سال آتے رہتے ہیں۔

(۳۲) ہندوستان کا موسم گرما INDIAN SUMMER.

ہمارے یہاں گرمی کا موسم صبح سے لے کر رات تک کئی بار تبدیل ہوتا ہے
چنانچہ صبح کو نہایت خوشگوار خنکی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
چلتی ہے۔ مختلف اقسام کے پرند درختوں پر بیٹھکر چہچہاتے ہیں اور یہ وقت نہایت
سہانا اور پر لطف ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے کہ دن چڑھتا جاتا ہے دھوپ زیادہ تیز
ہوتی جاتی ہے حتی کہ جب آفتاب نصف النہار پر پہنچ جاتا ہے یعنی دن کے بارہ بجے
موسم اس قدر گرم ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص گھر سے باہر نہیں نکل سکتا ہے۔ سڑکوں پر اور
بازاروں میں سناٹا ہو جاتا ہے۔ گرم ہوا یعنی لو چلنے لگتی ہے۔ سب لوگ گھروں کے اندر
چھپے رہتے ہیں۔ غریب لوگ دستی پنکھے جھلتے رہتے ہیں اور امیر آدمی خس کی ٹٹیاں
لگا کر کمرے کے اندر آرام کرتے ہیں۔ خس کی ٹٹیاں پانی سے چھڑکی جاتی ہیں اور
برقی یا ڈوری کے پنکھے چلتے رہتے ہیں جس سے کہ کمرہ کے اندر کی ہوا سرد
ہو جاتی ہے اور گرمی محسوس نہیں ہوتی ہے۔ پرند اپنے گھونسلوں میں بالکل خموش

بیٹھے رہتے ہیں۔ مویشی سایہ دار درختوں کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔
سہ پہر کے وقت یعنی ۴ - ۵ بجے شام سے جب دن ڈھلنے لگتا ہے تو گرمی میں بڑی کمی ہونے لگتی ہے۔
شام کے وقت کسی روز تو خنکی ہو جاتی ہے لیکن جب ہوا ساکت ہوتی ہے تو پھر رات بھر قیامت کی گرمی محسوس ہوتی ہے اور نیند حرام ہو جاتی ہے۔
گرمی کے موسم میں آندھیاں بھی آتی ہیں اور کبھی کبھی کسی قدر بارش بھی ہو جاتی ہے اگر بارش معمولی ہوتی ہے اور پھر حسب معمول تیز گرمی پڑتی ہے تو وہ دن بڑی سخت تکلیف کا گزرتا ہے۔
گرمی کی تیزی سے اکثر تالاب اور کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں اور پانی بمشکل میسر آتا ہے۔ شہروں میں تو پانی باسانی مل جاتا ہے لیکن دیہات میں وہاں کے باشندے تالابوں کا گندہ پانی پیتے ہیں جس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں
اگرچہ ہندوستان میں گرمی کا موسم نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن جس قدر شدت کی گرمی پڑتی ہے وہ زیادہ بارش ہونے کا پیش خیمہ ہوتی ہے اس وجہ سے اس سخت موسم کی تکالیف کو ہندوستانی خندہ پیشانی کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔

(۴۳) دریائی سفر RIVER JOURNEY.

میرا مکان ضلع جیسور کے ایک موضع میں واقع ہے۔ ہمارے گاؤں کے پاس بھیرا دریا بہتا ہے ایک روز میں ایک کشتی میں سوار ہو کر جیسور گیا
علی الصباح میں ناشتہ سے فارغ ہو کر کشتی میں سوار ہو گیا ہوا ہمارے سفر کے موافق تھی اور اس وقت نہایت خوش گوار معلوم ہوتی تھی اس وجہ سے کشتی دریا

کی دھار پر خود بخود چل رہی تھی۔ ملاحوں نے اس فرصت کے وقت کو غنیمت تصور کر کے اپنی چلم بھری وہ حقہ کے دھوئیں اُڑا رہے تھے اور مزے میں آکر خوش گپیاں کر رہے تھے۔ میں نے دریا کے کنارہ کے پُر لطف منظر کو دیکھنا شروع کیا۔ دریا کے گھاٹ پر اشنان کرنے کے واسطے گاؤں کے مرد۔ عورتیں اور لڑکے آ رہے تھے وہ باری باری سے اشنان کر کے واپس جاتے تھے لڑکے کھیلتے کودتے اور شور مچاتے تھے بعض عورتیں کپڑے دھو رہی تھیں۔ کچھ عورتیں گھر کے برتن مانجھ رہی تھیں۔ چند عورتیں پانی کے کلسے بھر بھر کر اپنے مکان کو لے جاتی تھیں۔ یہ دیکھ کر مجھکو بڑی مسرت ہوئی کہ ان دیہاتی عورتوں کو اپنے فرائض خانہ داری کا بے حد احساس ہے اور وہ امرا کی عورتوں کی طرح کاہل اور نکمی نہیں ہیں۔

---

(۳۴) اسکول میں میرے آخری ایام
MY LAST DAY AT SCHOOL.

انٹرنس کلاس کی تعلیم ختم کرنے کے بعد گزشتہ ۱۷ فروری کو میں اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ اپنے اساتذہ کو رخصتی سلام عرض کرنے کے واسطے گیا۔ ہمارے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب درجہ نہم کو ترجمہ کا درس دے رہے تھے انھوں نے نہایت محبت آمیز لہجہ میں ہم کو اپنے قریب کی ایک بنچ پر بٹھایا اور ہماری تعلیم کی بابت اپنے چند پسندیدہ سوالات ہم سے کئے ہم نے ہر ایک سوال کا قابل اطمینان اور صحیح جواب دیا جس سے جناب ہیڈ ماسٹر صاحب بہت خوش ہوئے اس کے بعد جناب ہیڈ ماسٹر صاحب نے سوالات کا جواب دینے کی بابت ہم کو چند مفید ہدایتیں فرمائیں اور اس بات پر بہت

بہت زور دیا کہ جوابات تحریر کرنے کے بعد اُن کو اطمینان کے ساتھ دوبارہ ضرور پڑھنا چاہیئے تاکہ تحریر میں جو غلطیاں ہوگئی ہوں وہ درست کر لی جائیں۔
صاحب موصوف نے ارشاد فرمایا کہ "چند صحیح سطور تحریر کردینا ممتحن کو مطمئن اور خوش کرنے کو کافی ہیں۔ غلط سلط متعدد صفحے لکھدینا بالکل بے سود ثابت ہوتا ہے"
اس کے بعد ہم اساتذہ کے کمرہ میں گئے جہاں پر ہیڈ مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی اور نہایت ادب کے ساتھ ہم نے مولوی صاحب کی خدمت میں آداب عرض کیا مولوی صاحب اُس وقت ایک جنتری کو دیکھ رہے تھے۔ ذرا دیر بعد اسکول میں ناشتہ کی گھنٹی بجی اور جملہ اساتذہ اُس کمرے میں تشریف لے آئے۔ ان سب اُستادوں نے ہم کو دعا دی کہ امتحان میں پاس ہو جاؤ۔ جناب مولوی صاحب نے ہمارے حال پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرمائی اور عربی زبان میں ہماری کامیابی کے لئے دعا دی۔
اس کے بعد بادلِ ناخواستہ ہم نے اسکول کو خیرباد کہا اور نہایت حسرت کے ساتھ ہم نے اسکول کی عمارت پر آخری نظر ڈالی جس میں کہ ہم نے اپنی زندگی کے بہترین ایام گزارے ہیں اور چلتے وقت ہم کو اپنی طالب علمی کے زمانہ کی بہت سی باتیں یاد آگئیں۔

---

(۳۵) جلسہ تقسیم انعامات PRIZE DIS-TRIBUTION.

ہمارے اسکول میں ہر سال تقسیم انعامات کا جلسہ اس طرح پر منعقد ہوتا ہے کہ بڑے ہال میں جملہ اساتذہ اور طلبا رجمع ہوتے ہیں اور شہر کے عمائدین بھی جلسہ میں مدعو کئے جاتے ہیں تاکہ مستحق طلبار کو انعام دیا جائے۔ امسال کے جلسہ میں جناب مجسٹریٹ ضلع کو جلسہ کا صدر منتخب کیا۔ اول ہیڈ ماسٹر صاحب نے اسکول کی سالانہ رپورٹ پڑھکر سنائی۔ جس میں اسکول کی تعلیمی ترقی کے نتائج امتحانات اور اساتذہ کی

کارگزاری کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ پھر ایک طالب علم نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ ایک نظم پڑھی جو اسی موقع کے واسطے تیار کی گئی تھی۔ اس کے بعد جناب صدر نے فرداً فرداً ہر ایک مستحق طالب علم کو آواز دی وہ حاضر ہوا۔ ادب کے ساتھ اُس نے سلام کیا اور صاحب صدر نے اُس کو انعام دیا۔ انعام ملنے پر حاضرین نے چیرز دیئے اور اظہار مسرت کیا۔ تھرڈ کلاس کے ایک کمسن لڑکے کو بہترین تقریر کا انعام ملا۔ انعامات تقسیم ہونے کے بعد صاحب صدر نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں انعام پانے والے طلبا کو شاباش دی اور انعام سے محروم رہنے والوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم کو آزردہ نہیں ہونا چاہیئے کہ تم لوگ انعامات سے امسال محروم رہے بلکہ تم نے بچشم خود دیکھ لیا کہ جو طلبا اپنا کام پوری محنت اور شوق کے ساتھ انجام دیتے ہیں وہ امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتے ہیں اور اُن کو انعام ملتا ہے اس لئے تم کو بھی اگلے سال ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ تم بھی انعام پانے کے مستحق ہو اور جو اعزاز امسال دوسرے طلبا کو حاصل ہوا ہے آئندہ سال تم بھی اسی اعزاز کو حاصل کرنے کے مستحق بن جاؤ۔

اس کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے نہایت موزوں الفاظ میں اسکول کی جانب سے صاحب صدر اور دیگر حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ بعد شکریہ صدر جلسہ برخاست ہوا اور انعام پانے والے طلبہ نہایت خوش ہو کر اور اپنے انعامات لے کر اپنے اپنے مکان کو واپس گئے۔

———— ❊ ————

(۱۹) میری روزانہ زندگی

MY DAILY LIFE.

میں علی الصباح بیدار ہوتا ہوں۔ حوائج ضروری سے فارغ ہوکر
ٹہلنے کے واسطے جنگل کو جاتا ہوں اور دریا میں
غسل کرکے مکان کو واپس آتا ہوں۔ گھر آکر ناشتہ کرتا ہوں پھر اسکول کا کام شروع
کر دیتا ہوں ۹½ بجے تک برابر پڑھتا رہتا ہوں۔ اس کے بعد میں کھانا کھاتا ہوں
اور پونے دس بجے اسکول چلا جاتا ہوں ہمارا اسکول ۱۰ بجے سے شروع ہوتا ہے میں
ہمیشہ کم از کم ۱۰ منٹ پیشتر اسکول میں پہنچ جاتا ہوں۔

اول گھنٹہ ریاضی کا ہوتا ہے جس سے مجھکو نہایت دلچسپی ہے اور میرے استاد
نہایت شفقت اور توجہ سے ریاضی پڑھاتے ہیں اور مجھ سے ہمیشہ خوش رہتے ہیں
اس کے بعد انگریزی کا گھنٹہ ہوتا ہے ہمارے کلاس کے ہیڈ ماسٹر صاحب انگریزی
پڑھاتے ہیں اور فی الحقیقت وہ نہایت عمدہ طریقہ سے انگریزی الفاظ کو ہمارے ذہن نشین
کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد جغرافیہ، تاریخ، فارسی اور اردو زبان کی تعلیم ہوتی ہے
اردو ٹیچر ایک مشہور و معروف ادیب ہیں اور اپنے مضمون کو نہایت خوبی سے
پڑھاتے ہیں کہ اکثر طلبا کو اپنی مادری زبان کے سیکھنے کا پورا شوق پیدا ہوگیا
ہے اور وہ دلی ذوق و شوق کے ساتھ سیکھتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر یہی
ذوق شوق قائم رہے گا تو ہمارے مولوی صاحب کے شاگردوں میں سے بھی چند
ادیب پیدا ہو جائیں گے اور آئندہ زمانہ میں اپنے استاد کا نام روشن کریں گے۔

۴ بجے اسکول بند ہوتا ہے میں اسکول سے سیدھا مکان کو آتا ہوں۔ اپنی کتابوں

اور کتابوں وغیرہ کو ترتیب کے ساتھ الماری میں رکھنے کے بعد ہاتھ منھ دھوتا ہوں
دادا صاحب میرے لیے چائے اور چند تازہ پھل لاتی ہیں اور چائے سے فارغ ہو کر
میں اپنی ہاکی اسٹک لیتا ہوں اور کھیلنے کا لباس یعنی قمیص، نیکر، موزے اور بوٹ
پہن کر میں فیلڈ کو جاتا ہوں، اور مغرب کے وقت تک خوب ہاکی کھیلتا ہوں ہاکی
کھیلنے میں چونکہ کئی بار میرے چوٹ لگی ہے اس لیے جناب والد صاحب قبلہ مجھکو
ہاکی کھیلنے سے منع کیا کرتے ہیں لیکن مجھکو ہاکی کا اس قدر شوق ہو گیا ہے کہ یہ کم بخت
عادت نہیں بدلتی ہے اور میں روزانہ ہاکی کھیلتا رہتا ہوں۔
منھ ہاتھ دھونے سے فارغ ہو کر میں کھانا کھاتا ہوں اور پھر پڑھنے میں مصروف
ہو جاتا ہوں مجھکو انگریزی اور ریاضی سے خاص دلچسپی ہے اس وجہ سے میں ان
دونوں پر اپنا زیادہ وقت صرف کرتا ہوں۔ تاریخ اور جغرافیہ سے مجھکو زیادہ انسیت
نہیں ہے اس وجہ سے ان میں میرے نمبر بہت کم آتے ہیں۔ رات کو ۱۰ بجے میں سو جاتا ہوں
اتوار کے دن اسکول بند رہتا ہے اس وجہ سے میں بھی مرقومہ بالا پروگرام کی اتوار
کے روز پابندی نہیں کرتا ہوں۔ اتوار کے روز میں دن میں نہیں پڑھتا ہوں
اپنے دوستوں اور عزیزوں سے ملاقات کرتا ہوں اور دیگر ضروری کام انجام دیتا ہوں
البتہ اتوار کے روز بھی رات کا پڑھنا بدستور جاری رہتا ہے

---

(۲۳) تعطیل میں سیر و تفریح

HOW TO SPEND HOLIDAYS.

جو طلبا کہ صاحب مقدرت ہوتے ہیں وہ سالانہ تعطیل میں سیر و تفریح کے واسطے

مختلف مقامات کو جاتے ہیں۔ اس میں فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہوتے ہیں
جن کو ہم قدرے تفصیل سے بتائے دیتے ہیں۔

(۱) مادّہ تک ایک ہی اسکول میں روزانہ سخت محنت و جانفشانی کے ساتھ پڑھنے اور ایک ہی مقام پر رہنے سے طبیعت میں افسردگی اور تکان محسوس ہونے لگتا ہے اور فطرت انسانی تبدیلِ مقام کی متقاضی ہوتی ہے۔ نئے مقامات کی سیر کرنے اور جدید مناظر دیکھنے سے نہ صرف طبیعت شگفتہ ہوتی ہے بلکہ اس کا نہایت صحت بخش اثر پڑتا ہے۔ نئی جگہ کے دیکھنے سے ہماری معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہمارا زاویۂ نظر وسیع ہو جاتا ہے۔ ہماری صحت بہتر ہو جاتی ہے اور ہم زیادہ مستعدی کے ساتھ کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ پردیس کے باشندوں کے رسم و رواج اور عادات و اطوار سے ہم واقف ہو جاتے ہیں اور ان میں ایسی بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں جن کو ہم خود اختیار کر سکتے ہیں اور پھر یہ بات بھی ہماری سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان اچھی باتوں پر ہم خود کس طرح عمل کر سکتے ہیں۔ الغرض اس سیر و سیاحت سے ہماری فہم و فراست میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم پردیس میں ملازم ہیں یا کوئی کاروبار کرتے ہیں تو ایسی صورت میں جب کبھی فرصت یا موقعہ مل جائے تو اپنے وقت کو سیر و تفریح کے لئے کسی اور جگہ صرف نہ کرنا چاہیئے بلکہ اپنے فرصت کے ایام اپنے وطن میں گزارنے چاہئیں ورنہ وطن کی محبت میں کمی آجائے گی اور ہم اپنے عزیز و اقارب کو بھول جائیں گے اور ہم کو کسی قسم کی ہمدردی اپنے عزیزوں، بچپن کے دوستوں اور اپنے وطن کے ساتھ نہیں رہے گی۔ علاوہ بریں جو لوگ کہ فرصت کا وقت ہمیشہ سیر و سیاحت میں گزارتے ہیں اُن کو علاوہ مالی نقصانات اور زیرباری کے بعض اوقات عیّار اور مکّار لوگوں سے سخت نقصانات پہنچتے ہیں۔

---

(۳۸) میرا پسندیدہ کھیل
MY FAVOURITE GAME.

میں ۵ ا سال سے فٹ بال کھیلتا ہوں اور اسی کو میں بہترین کھیل تصور کرتا ہوں
میں نے کرکٹ بھی چند روز تک کھیلا مگر وہ مجھکو چنداں پسند نہیں آیا۔ لیکن کرکٹ
میں مجھکو اس قدر لطف نہیں آیا جس قدر کہ فٹ بال کھیلنے میں آتا ہی۔ کرکٹ صرف
اسکول کے طلبا کے لئے موزوں ہی۔ دن بھر کرکٹ کھیلنے سے ہماری جسمانی صحت
اور قوت پر اس قدر اثر نہیں پڑتا جس قدر کہ دو گھنٹے فٹ بال کھیلنے میں پڑتا ہی
علاوہ بریں کرکٹ میں خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کا موازنہ
کرکے میں نے یہی نتیجہ نکالا کہ فٹ بال نہایت اچھا کھیل ہی اور صرف دو ایک گھنٹہ
کھیلنے ہی سے کافی ورزش ہو جاتی ہی اور ہماری توانائی اور تندرستی میں بین فرق
نظر آنے لگتا ہے۔

میں نے ٹینس کھیل کو بھی دیکھا اور یہ فی الحقیقت نہایت عمدہ اور دلچسپ
کھیل ہی لیکن اس میں بھی صرفہ زیادہ ہوتا ہی۔ لیکن ٹینس سے اس قدر ورزش ہرگز
نہیں ہوتی ہی جس سے ہمارے جسم کے اعصاب زیادہ مضبوط ہو جائیں۔

میں نے اپنے گاؤں میں ہندوستانی کھیل بھی کھیلے ہیں ان میں مجھکو سب سے
زیادہ کبڈی پسند آئی۔ اس کھیل میں ہمارے سارے جسم کی ورزش ہو جاتی ہی
ہمارے بزرگ اپنے زمانہ میں یہی کھیل زیادہ تر کھیلا کرتے تھے اور وہ ایسے قوی ہیکل
توانا اور تندرست تھے کہ ہم لوگ تو ان کے مقابلہ میں بالشتئے معلوم ہوتے ہیں۔
اس کھیل میں بڑی خوبی یہ ہی کہ اس میں ایک پیسہ کا بھی خرچ نہیں ہی۔ اس لئے

کھیلنے میں نہ صرف کھیلنے والوں بلکہ تماشائیوں کو بھی پورا لطف آتا ہے اور اس
کھیل سے سارے جسم کی کافی ورزش ہو جاتی ہے اور کھیلنے کے بعد ہی جسم میں
پھرتی اور توانائی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس لیے ہندوستانی کھلاڑیوں میں یہ بہترین
کھیل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بڑے بڑے شہروں میں کبڈی کا رواج نہیں ہے اس جگہ
میں نے فٹ بال کو پسند کر لیا ہے۔

یہ تو ہم سمجھ گئے کہ فٹ بال کھیلنے سے ہم کو کوشش کرنے کی عادت اور قابلیت پیدا ہوتی
ہے اور فٹ بال ٹیم میں ایک منظم جماعت کے چند قواعد کے ماتحت کھیلنے سے آپس میں
ہمدردی اور برادرانہ اخوت پیدا ہوتی ہے اور باہم مل کر کام کرنے کی صلاحیت اور
عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ فٹ بال کھیلنے میں سرعت اطمینان قلب، ہوشیاری
اور پھرتی سے کام لینا پڑتا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے کھیل میں نہیں مل سکتی ہے
ریفری کی سیٹی کی آواز اور لائنس مین کی جھنڈی کے اشاروں کی ہم کو فوراً بے چون و
چرا تعمیل کرنی پڑتی ہے جس سے ہم ضابطہ کی پابندی اور اطاعت شعاری کا سبق
سیکھتے ہیں اور اس مسرت اور انبساط کا الفاظ میں اظہار کرنا ممکن ہی نہیں جو
فٹ بال میچ جیت کر ہم کوئی مسرت حاصل کر کے محسوس کرتے ہیں۔ اس کھیل میں
بڑی خوبی یہ ہے کہ اگر ہم میچ میں ہار جاتے ہیں تو بھی اپنی شکست کو ایک بہادر سپاہی
کی طرح ہنسی خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور ہرگز افسردہ خاطر یا
ملول نہیں ہوتے ہیں۔

فٹ بال کھیلنے میں بعض اوقات سخت چوٹ آ جاتی تھی لیکن اب اس کے
قواعد اس قدر سخت بنا دیے گئے ہیں کہ اس قسم کے حادثات پیش آنے کا بہت
کم امکان باقی رہ گیا ہے۔

(۲۹) صنعتی نمائش INDUSTRIAL EXHIBITION

ہندوستان کے اکثر مقامات پر ملک کی صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے واسطے
ہر سال ایک مقررہ وقت پر نمائش ہوتی ہے لیکن [illegible] اور
اعلیٰ پیمانہ پر نمائش [illegible] ان کی نمائش بہت [illegible] مشہور ہیں
اس نمائش کے واسطے ایک میدان [illegible] مخصوص کیا گیا ہے اور ایک کمیٹی کے
زیر انتظام یہ نمائش ہوتی ہے [illegible] دکانیں بنائی جاتی تھیں لیکن
[illegible] آگ لگ جانے سے دکانداروں کا بہت نقصان
ہو گیا، اس وجہ سے اب لوہے اور ٹین کی چادروں کی مستقل پختہ دکانیں بنا دی گئی ہیں
نمائش سے ۲ ماہ پیشتر سارے میدان کی صفائی ہوتی ہے اور قریب و جوار کے تمام
دکانداروں کو بذریعہ اشتہارات اطلاع دے دی جاتی ہے یہ نمائش بالعموم فروری کے
اول ہفتہ میں ہوا کرتی ہے۔ اعلان تو صرف ایک ہفتہ کا ہوتا ہے لیکن نمائش دس بارہ
روز تک باقاعدہ اور دو ہفتہ تک بے قاعدہ رہتی ہے۔ نمائشی اشیاء رکھنے کی ایک پختہ
عمارت بنی ہوئی ہے۔ اس میں ہر قسم کی دیسی مصنوعات مثلاً ہر قسم کا اونی، سوتی، ریشمی
کپڑا، سوزن کاری کے نمونے، ہر قسم کا لوہے اور پیتل کا سامان، دری، قالین،
کھلونے، خوش خطی کے نمونے، دستی تصاویر وغیرہ۔ الغرض ہر قسم کا سامان ہوتا ہے
اور اس کے مختلف شعبے قائم کر کے ہر شعبہ کے واسطے متعدد انعامات مقرر کئے گئے ہیں
اور معائنہ کرنے والی کمیٹیاں بہترین اشیاء پر انعامات دیتی ہیں۔
نمائش میں محکمۂ زراعت کی ہر قسم کی مشینری اور پیداوار کے نمونے بھی ہوتے ہیں
اور روزانہ ملازمان محکمۂ زراعت ان مشینوں کو چلا کر مشاہدہ کراتے ہیں جس سے
کاشتکاروں کو مشین استعمال کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور پیداوار کے اعلیٰ نمونے

دیگر گروہ اپنے یہاں بھی اسی قسم کی کاشت کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ہمارے صوبہ میں گندم، روئی اور شکر کی اعلیٰ درجہ کی پیداوار صرف ان ہی نمائشوں کی بدولت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔

نمائش میں اعلیٰ قسم کی مرغیاں دیسی اور ولایتی نسل کی مرغیوں کے نمونے اور انڈے بھی دکھائے جاتے ہیں اور سرکاری فارم کے افسران اور ملازمان مرغیوں کی پرورش وغیرہ کے متعلق ہر قسم کی مفید معلومات بلا معاوضہ بہم پہنچاتے ہیں۔

اس نمائش میں ایک اعلیٰ پیمانہ پر بازار لگتا ہے جس میں نہ صرف مقامی بلکہ آگرہ، دہلی، مرادآباد، لاہور، امرتسر، نینی تال، کلکتہ، بمبئی وغیرہ کے دکان دار اپنا مال لاکر فروخت کرتے ہیں۔

اس نمائش کے دیکھنے کے واسطے نہ صرف شہر کے باشندے، ضلع کے رؤسا تشریف لاتے ہیں بلکہ اس کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی ہے اور باہر سے بھی بکثرت تماشائی آتے ہیں اور نمائش میں خوب چہل پہل رہتی ہے۔ رات کو برقی روشنی سے ساری نمائش بقعۂ نور بن جاتی ہے۔

اس نمائش میں گھوڑ دوڑ بھی ہوتی ہے۔ پہلوانوں کا دنگل ہوتا ہے اور مختلف قسم کے تماشے اور کھیل کی کمپنیاں مثلاً تھیٹر، سینما، سرکس وغیرہ بھی آتے ہیں اور ہفتہ عشرہ میں کافی روپیہ پیدا کرکے جاتے ہیں۔

---

(۴۰) رامائن RAMAYAN.

راجہ دسرتھ سورج بنسی خاندان سے تھا وہ نہایت زبردست اور نیک تھا۔ وہ اجودھیا کا راجہ تھا۔ اس راجہ کے تین رانیاں کوسلیا، سمترا اور کیکئی تھیں کوسلیا کے

ایک فرزند رام چندر۔ سمترا کے دو بیٹے لچھمن اور سترگھن تھے اور کیکئی کے بیٹے کا نام بھرت تھا۔

جب راجہ بوڑھا ہوگیا تو اس نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ میں زمام حکومت اپنے فرزند اکبر رام چندر کے سپرد کر کے جنگل میں جانا چاہتا ہوں جہاں پر تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ ایشور کی یاد کروں۔ چنانچہ رام چندر کو گدّی نشین کرنے کے لئے اجودھیا میں اعلیٰ پیمانے پر تیاریاں اور انتظامات ہونے لگے اور اس نوید جاں فزا کو سنکر ریاست اجودھیا کی ساری رعایا کا دل خوشی کے مارے باغ باغ ہوگیا۔

لیکن رانی کیکئی اس خبر کے سننے سے نہایت رنجیدہ ہوئی اور گدّی نشینی کی رسم سے ایک روز پیشتر اس نے راجہ سے عرض کیا کہ "جب اسورس کی جنگ میں آپ زخمی ہوئے تھے اور میں نے اس وقت آپ کی حسبی تیمار داری اور خدمت کی تھی تو آپ نے تندرست ہوجانے پر مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تیری دو خواہشیں ضرور پوری کی جائیں گی"۔ راجہ نے کہا کہ "مجھکو اپنا وعدہ یاد ہے۔ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو"۔ رانی نے عرض کیا کہ "میرا فرزند ریاست کی وراثت سے ہمیشہ محروم رہے گا اس لئے میں چاہتی ہوں کہ رام چندر کو ۱۴ برس کے لئے بن باس دیا جائے اور ۱۴ سال تک میرا لڑکا بھرت اجودھیا میں سلطنت کرے"۔

راجہ اس درخواست کو سنکر نہایت پریشان اور آزردہ خاطر ہوگیا اور اس نے رانی سے بے حد منت وسماجت کی کہ اس درخواست سے دست بردار ہوجاؤ۔ لیکن رانی کیکئی کی ایک عیار خادمہ منتھرا نے اس کو ایسی پٹی پڑھائی تھی کہ رانی اپنی ہٹ پر بدستور قائم رہی۔ اس وجہ سے دسرتھ کو یہ نامعقول درخواست قبول کرنا پڑی۔ کیونکہ راجہ کے لئے ایفاء وعدہ ضروری اور لابدی تھا۔

چنانچہ رام چندر کو ۱۴ سال کے لئے بن باس دیا گیا اور گدی نشینی کے واسطے

بھرت طلب کیا گیا۔

رام چندر دکن کے جنگل بیچ ہی کو روانہ ہوگئے اور ان کے ہمراہ ان کی پیاری زوجہ سیتاجی اور ان کے جاں نثار بھائی لکشمن بھی چلے گئے۔ ایک روز موقع پاکر اور سیتاجی کو تنہا دیکھکر لنکا کا راجہ راون سیتاجی کو چرا لے گیا۔ لیکن بندروں کے سردار ہنومان کی مدد سے رام چندرجی نے سیتا کو راون کے پنجہ سے نکال لیا اور اس کی عفت و عصمت کا امتحان لینے کے بعد اس کو اپنے حرم میں داخل کرلیا۔

اسی دوران میں بھرت بھی اجودھیا میں آپہنچا۔ مگر اس نے گدی نشین ہونا قبول نہیں کیا۔ جب اس سے زیادہ اصرار کیا گیا تو اس نے رام چندرجی کا نمائندہ یا کارندہ بنکر سلطنت کا کام کرنا شروع کردیا اور گدی پر رام چندرجی کی کھڑاویں رکھدیں۔

راجہ دسرتھ کو اس واقعہ کا اس درجہ صدمہ ہوا کہ چند روز بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ راجہ کی غربا پروری' عدالت گستری اور نیک نہادی کو یاد کرکے ساری رعایا نے اس کا ماتم کیا۔

ایک روز بھرت جنگل میں گیا اور رام چندرجی سے اجودھیا واپس آنے کی درخواست کی مگر رام چندرجی نے نہیں مانا اور جواب دیا کہ ۱۴ سال سے پیشتر میں ہرگز واپس نہ آؤں گا۔ جناب والد صاحب کے حکم کی تعمیل لازمی اور میرا عین فریضہ ہے۔ بھرت ناچار ہوکر واپس آگیا۔

۱۴ سال گزرجانے کے بعد رام چندرجی مع سیتاجی اور لچھمن کے اجودھیا میں واپس آگئے۔ ساری رعایا نے نہایت جوش مسرت کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا۔ پھر رام چندرجی گدی نشین کئے گئے اور نہایت عدل و انصاف اور محبت و ہمدردی کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔

لیکن چند روز بعد بعض لوگوں نے سیتاجی کے لنکا میں رہنے کے باعث

اُن کے چال چلن پر شبہات ظاہر کرنے شروع کئے۔ چنانچہ رام چندر جی نے بادل ناخواستہ سیتا جی کو والمیک رشی کے پاس بھیجدیا۔ والمیک رشی کی کٹی میں سیتا جی کے ۲ بیٹے لوا اور کش پیدا ہوئے۔ والمیک نے خاص توجہ اور دلی شوق کے ساتھ ان کی پرورش تعلیم و تربیت کی اور جب وہ سن شعور کو پہنچ گئے تو والمیک رشی نے رام چندر جی کے کارنامے اور سوانح حیات نظم کئے جس کا نام راماین رکھا گیا۔ رام چندر کے ان دونوں بیٹوں کو حفظ یاد کرادیئے جو رامائن کو نہایت خوش الحانی کے ساتھ طنبورہ پر گاتے تھے۔

رام چندر جی نے اسومیدہ کی رسم میں والمیک کو مدعو کیا۔ چنانچہ والمیک مع ان دونوں لڑکوں کے اس دعوت میں شریک ہوئے۔

رام چندر جی نے ان لڑکوں کی زبانی رامائن کو سُنا اور اپنے فرزندوں کو شناخت کرلیا اور سیتا جی کی عصمت و عفت کا یقین کر کے پھر سیتا جی کو طلب کرلیا اور وہ رانی بن کر رہنے لگیں۔

رام چندر جی نے سیتا جی کی عفت اور عصمت کی آزمائش کرنی چاہی سیتا جی نے دھرتی ماتا سے دعا مانگی۔ چنانچہ زمین شق ہوگئی اور اُس میں سے ایک تخت نکلا جس پر سوار ہوکر سیتا جی آسمان پر چلی گئیں اور وہاں جاکر زہرہ ستارہ بن گئیں دیگر روایت ہے کہ زمین شق ہونے پر سیتا جی اُس میں سماگئیں اور ہمیشہ کے واسطے نظر سے اوجھل ہوگئیں۔

رام چندر جی پر اس واقعہ کا اس درجہ صدمہ ہوا کہ آپ اسے برداشت نہ کرسکے آپ نے تخت سلطنت کو اپنے دو بیٹوں کے سپرد کر کے جنگل میں سکونت اختیار کی اور اپنی باقی عمر یاد الٰہی میں بسر کی۔

(۱۴) ذات پات کا نظام

CASTE SYSTEM

ہندوؤں میں ذات پات کا نظام نہایت قدیم زمانہ سے ہے۔ ساری ہندو جاتی ۴ حصّوں میں اس طور پر تقسیم کی گئی ہے کہ ۴ ذاتیں قرار دی گئیں ہیں :-

(۱) برہمن (۲) چھتری (۳) ویش (۴) شودر

برہمن برہما کے مکھ سے، چھتری بازوؤں سے، ویش پیٹ سے اور شودر پاؤں سے نکلے ہیں۔ برہمن کا کام وید پڑھنا پڑھانا اور پوجا پاٹ کرنا اور باقی ۳ ذاتوں کی مذہبی خدمات انجام دینا ہے۔ چھتری کا کام ملک کی حفاظت اور اس پر حکومت کرنا اور نظم ونسق کرنا، دشمن سے جنگ کرنا اور ملک میں امن و امان قائم کرنا اور ملک کی مرفہ الحالی کو ترقی دینا ہے۔ یہ لوگ فلسفہ اور ادبیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیتے تھے۔ ویش ہر قسم کی تجارت، صنعت و حرفت اور کاشتکاری کرتے تھے۔ یہ تینوں ذاتیں وید کی مقدس تعلیم پاتی اور جنیؤ ڈالتی ہیں۔

شودر کو وید پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اس کا یہ کام ہے کہ باقی ۳ ذاتوں کی ہر قسم کی ادنیٰ خدمات انجام دے اور جو کچھ معاوضہ ملے اس سے اپنی بسر اوقات کرے۔

ہر ایک ذات اپنا مقررہ کام انجام دیتی تھی اور کسی ذات کے فرد کو دوسری ذات کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم اس قدر پرانی ہے کہ جب ہندو لوگ وسطی ایشیا میں رہتے تھے اس زمانہ میں بھی ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم موجود تھی۔

ذات پات کی تقسیم کی خوبیوں اور برائیوں کی نسبت مختلف رائیں ہیں لیکن

ہم اس موقع پر اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے ہیں۔ ذاتوں میں امتیاز تو تمام دنیا میں موجود ہے۔ ہندوستان کے واسطے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ البتہ ہندوستان میں ذاتوں کی تقسیم مذہب پر مبنی ہے اور موروثی سمجھی جاتی ہے۔ مغرب میں ذاتوں کی تقسیم زیادہ تر امارت پر کی گئی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ مذہب بہ نسبت دولت مندی کے اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے اور چونکہ ہندوستان میں ذات بالعموم موروثی ہوتی ہے اسی سے تقسیم عمل کا مسئلہ شروع ہوتا ہے جو اقتصادی ترقی اور مرفہ الحالی کے واسطے نہایت ضروری ہے اور اس کی بدولت سوسائٹی کے ہر فرد کے واسطے کچھ نہ کچھ کام موجود ہوتا ہے اور اسی نے زندگی کے مختلف معیار قائم کر دیئے ہیں جو سوسائٹی کی ترقی کے واسطے لابدی ہیں۔ ہر شخص کا ایک ہی نصب العین نہیں ہو سکتا ہے کوئی شخص حصول علم کا خواہاں، کوئی شہرت کا طالب، کوئی دولت اور امارت کا طلب گار ہوتا ہے۔ اس لئے ہندوستان کی ذاتوں کے نظام نے مختلف نصب العین پیدا کر دیئے ہیں اور ہندوستان میں ذاتوں اور سوسائٹی کے مذہبی قواعد ایسے سخت ہیں کہ ان ہی پر عمل کیا جاتا ہے اور تمام دنیا میں ہندوستانی تمدن کا یہ اعلیٰ اور نہایت قدیم نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔

---

(۴۲) بوائے اسکاوٹ Boy Scout.

بوائے اسکاوٹ تحریک کے بانی سر رابرٹ بیڈن پاول ہیں۔ ابتدا میں بوائے اسکاوٹس میدانِ جنگ میں مختلف خدمات انجام دیا کرتے تھے مثلاً خط اور پیامات و احکام پہنچانا۔ فوج کے گذرنے کے راستے معلوم کرنا اور اس کے کوچ میں سہولتیں بہم پہنچانا وغیرہ۔

جنگ کے موقع پر مختلف خدمات انجام دینے کے علاوہ بوائے اسکاؤٹس ایسوسی ایشن نے اعلیٰ درجہ کا معیار زندگی قائم کیا ہے جو سوسائٹی کی ترقی کے لئے ایک اعلیٰ قسم کا نصب العین پیش کرتی ہے۔

اولاً اس تحریک میں زیادہ تر جوان العمر شریک ہوتے تھے لیکن اب ہر درجہ کے لڑکے اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں۔

یہ تحریک اب ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔ چنانچہ محاربہ عظیم میں امریکہ کے لڑکوں نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ امریکہ کی بوائے اسکاؤٹس ایسوسی ایشن کے ممبران کی تعداد ۳ لاکھ سے زیادہ ہے۔

اس عالم گیر تحریک کا ہندوستان پر بھی اثر پڑنا ضروری تھا چنانچہ بنگال میں ڈاکٹر ملک نے ۱۹۱۷ء میں بوائے اسکاؤٹس ایسوسی ایشن قائم کی اور ڈاکٹر اینی بسنت صاحبہ نے انڈیا اسکاؤٹس ایسوسی ایشن بنائی جو ہندوستان کے ہر ایک صوبہ میں اور بعض دیسی ریاستوں میں بھی پھیل گئی ہے۔

ہندوستان میں ہر ایک بوائے اسکاؤٹس ایسوسی ایشن اُن ہی قواعد کی پابندی کرتی ہے جو سر رابرٹ بیڈن پاول نے انگلستان میں قائم کر دیئے ہیں اس ایسوسی ایشن میں داخل ہونے کے وقت ہر ایک لڑکے سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ "

میں اپنی عزت کی قسم کھا کر اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے بادشاہ اور اپنے ملک کا وفادار رہوں گا اور بوقت ضرورت ہر شخص کی امداد کروں گا اور قوانین اسکاؤٹس کا ہمیشہ پابند رہوں گا۔"

اسکاؤٹ میں حسب ذیل اوصاف ہوتے ہیں :-

"وہ امانت دار، وفادار، مددگار، برادرانہ غمگسار، خوش اخلاق، مہربان، فرماں بردار، خندہ پیشانی، کفایت شعار اور

ہوا کی مانند پاکباز ہوتا ہے۔"

"وہ دوسروں کی امداد کرنے اور خدمات انجام دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، وہ ہر ایک اسکاؤٹ کو اپنا بھائی تصور کرتا ہے۔ وہ ہر ایک مصیبت کو بخوشی برداشت کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ کفایت شعار رہتا ہے۔ اس لئے جوان ہونے پر وہ ایک اعلیٰ قسم کا سٹیزن بن جاتا ہے۔"

مرکزی ایسوسی ایشن کی تمام ملک میں مختلف شاخیں قائم کر دی گئی ہیں ہر ایک برانچ ایسوسی ایشن کے بہت سے رسالے ہیں، ہر ایک رسالہ میں ۴ یا ۶ پٹرول ہیں اور ایک پٹرول میں ۸ اسکاؤٹس ہیں۔

رسالہ اپنے اسکاؤٹس ماسٹر کے ماتحت ہوتا ہے جو اپنی امداد کے واسطے اپنا ایک نائب منتخب کر لیتا ہے۔

ہفتہ میں دو ایک مرتبہ اسکاؤٹس کا پٹرول یا رسالہ ایک مقام پر مجتمع ہوتا ہے اور وہاں پر مختلف کام انجام دیئے جاتے ہیں مثلاً: کھانا پکانا، اشارہ سے کام کرنا، کسی تالاب یا دریا میں تیرنا، مریض یا زخمیوں کی تیمارداری کرنا، راستہ کا پتا لگانا وغیرہ۔

ہندوستان کے بوائے اسکاؤٹس نے ڈاکیوں کی ہڑتال کے موقع پر ڈاک تقسیم کی۔ آتش زدگی کے مواقع پر آگ بجھائی۔ الغرض اس قسم کے مختلف کارِ خیر انجام دیئے ہیں۔

دنیا کا نظام تمدن اسی اصول پر قائم ہے کہ مختلف اشخاص دوسروں کے آرام کے واسطے مختلف کام انجام دیتے ہیں۔ مثلاً: ہمارے کھانے کے لئے کاشتکار غلہ بہم پہونچاتے ہیں جولاہے کپڑا بنتے ہیں۔ بڑھئی فرنیچر بناتے ہیں۔ دھوبی کپڑے دھوتے ہیں، بھنگی پاخانہ اٹھاتے ہیں معلم درس دیتے حلوائی مٹھائیاں

تیار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس تحریک کا بھی یہ منشا ہے کہ ہم کو دوسروں کی امداد اور خدمت کے واسطے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے اور بوقت ضرورت حتی الوسع امداد اور خدمت کرنی چاہیئے۔

(۴۳) نظام ڈاک POSTAL SYSTEM.

ہندوستان میں موجودہ نظام ڈاک لارڈ ڈلہوزی نے قائم کیا ہے اس سے قبل یہاں پر ہرکارہ کے ہاتھ خط بھیجنے کا رواج تھا۔ شیر شاہ نے سواروں کے ہاتھ ڈاک بھیجنا شروع کیا۔ لیکن اس انتظام سے بھی اچھی طرح کام نہیں چلا۔

موجودہ نظام ڈاک نے ہم کو بے حد فائدہ پہونچایا ہے۔ چند پیسے یا چند آنے صرف کر کے ہم اپنے دوست احباب سے خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں کیوں نہ ہوں خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ ایک آنہ محصول دے کر ہم ہندوستان کے ہر حصہ میں خط بھیج سکتے ہیں۔ اب گورنمنٹ نے ہوائی ڈاک کا اور انتظام کر دیا ہے جس سے صرف چند روز میں ہندوستان کے کسی شہر سے غیر ملک میں خط پہونچ جاتا ہے۔

محکمۂ ڈاک کے ذریعہ سے صرف خطوط ہی نہیں بھیجے جاتے ہیں بلکہ منی آرڈر سے روپیہ اور پارسل میں مختلف اشیاء روانہ کی جا سکتی ہیں۔

مہذب دنیا میں ڈاک خانہ تمدن کا ایک ضروری جزو بن گیا ہے۔ ڈاک خانہ نے سیونگ بنک بھی کھول دیا ہے جس میں غربا تک چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع کر سکتے ہیں۔

ڈاک خانہ پر رعایا کو بے حد اعتبار ہو گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گورنمنٹ کو

اس شعبہ سے نہایت معقول آمدنی ہونے لگی ہے۔ ڈاک خانہ کے متعلق جس قدر شکایات ہوتی ہیں اُن پر فوراً توجہ کی جاتی ہے اور وہ شکایات بہت جلد رفع کر دی جاتی ہیں الغرض یہ شعبہ حکومت کا اس قدر سود مند ہوا ہے۔ اس کا انتظام اس قدر نفیس ہے کہ اس کی جانب سے بالعموم ہر شخص خوش اور مطمئن ہے۔

(۴۴) ڈاکیہ POST MAN.

ڈاکیہ کو ہر شخص جانتا ہے اس کی وردی میں خاکی کوٹ، خاکی برجس اور سرخ صافہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے کار منصبی پر ڈاک خانہ سے جاتا ہے تو اس کے پاس ایک چرمی بیگ ہوتا ہے جس میں خطوط، پارسل، منی آرڈر وغیرہ ہوتے ہیں جب وہ کسی شخص کو منی آرڈر کا روپیہ یا کوئی رجسٹری شدہ خط دیتا ہے تو وہ پانے والے سے اُس کی رسید حاصل کر لیتا ہے۔ لوگ بڑے ذوق شوق کے ساتھ ڈاکیہ کی آمد کا انتظار کرتے ہیں۔

ڈاک خانہ میں روانگی سے پیشتر ڈاکیہ اپنے حلقہ کے خطوط وغیرہ لیتا ہے اور اپنی وردی پہنکر وہ اپنے مقررہ حلقہ میں جاتا ہے اور ہر ایک مکتوب الیہ کے مکان پر جاکر وہ خط دے دیتا ہے۔ آج کل بہ تلاش معاش لوگ وطن سے سیکڑوں ہزاروں میل کے فاصلہ پر چلے گئے ہیں اگر ڈاکیہ نہ ہوتا تو اُن کو اپنے گھر والوں کی برسوں تک خبر نہ ملتی۔ اس لئے ڈاکیہ فی الحقیقت سوسائٹی کے حق میں نہایت کار آمد شخص ہوتا ہے۔

ڈاکیہ جو خطوط لاتا ہے کبھی تو اُن میں لڑکا پیدا ہونے، شادی کا پیام آنے۔ امتحان میں پاس ہونے کی خوش خبری درج ہوتی ہے اور بعض خطوط

ہیں کسی کے انتقال کی۔ کسی کے گھر میں آگ لگنے، کسی کا مکان گرنے وغیرہ کی افسوس ناک خبریں درج ہوتی ہیں۔ لیکن غریب ڈاکیہ کو کسی خط کے مضمون سے کچھ سروکار نہیں ہوتا ہے۔

(۴۵) خیرات CHARITY.

بنی نوع انسان کی حالت پر ترس کھا کر اُن کے ساتھ نیکی کرنے کا نام خیرات ہے۔ خیرات ایک نہایت نیک اور شریفانہ فعل ہے اور اس کے صحیح استعمال سے دنیا میں امن وچین قائم ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کا ایثار ہے جس کے بغیر سوسائٹی کا نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ انجیل مقدس میں درج ہے کہ: "جو ترس کھا کر کسی غریب بھائی کی مدد کرتا ہے گویا وہ خدا کو قرضہ دیتا ہے"۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص غریبوں کو خیرات نہیں دیتا بھگوان اُس کو سزا دے گا اور اس وجہ سے ہندو کے گھر پر جو بھکاری آتا ہے اُسے کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے۔

اسی طرح مسلمانوں میں خیرات دینے کا عام رواج ہے۔ مسلمانوں کو قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے اس ترتیب سے خیرات دینے کا حکم دیا ہے کہ ذَوِالْقُرْبیٰ وَالْیَتٰمیٰ وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنِ السَّبِیْلِ یعنی اول عزیز و اقربا کی پھر یتیموں کی پھر مسکینوں کی اور اس کے بعد مسافروں کی مدد کرو۔

الغرض ہندو اور مسلمان خیرات دینا مذہبی فرض تصور کرتے ہیں اور حتی المقدور اس طور پر غربا کی مالی امداد کرتے رہتے ہیں۔ کوئی سائل کسی کے مکان پر سوال کر کے خالی ہاتھ نہیں جاتا ہے لیکن یورپ میں خیرات دینے کا رواج نہیں ہے وہاں پر

محتاج خانے بنا دیئے گئے ہیں جہاں پر بے کار آدمیوں کو کام مل جاتا ہے اور کھانے کی قیمت میں کسی قدر رعایت کر دی جاتی ہے۔

ہندوستان میں بھیک مانگنا ایک پیشہ بن گیا ہے اور بڑے بڑے شہروں میں پیشہ ور ہٹے کٹے فقیر بکثرت نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ فی الحقیقت خیرات پانے کے مستحق نہیں ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو خیرات دینے سے مستحق لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ خیرات ہمیشہ مستحق شخص کو دینا چاہیئے، بلا امتیاز خیرات دینا کسی طرح جائز اور مناسب نہیں ہے۔ تندرست آدمیوں کو خیرات دینا کسی طرح جائز اور مناسب نہیں ہے۔ تندرست آدمیوں کو خیرات دینے کے یہ معنی ہیں کہ آپ کاہلوں کی ایک جماعت بنا رہے ہیں۔ اس لئے ہندوستان میں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس قسم کے محتاج خانے بنائے جائیں جہاں پر تندرست لوگوں کو جو بے کار ہوں کسی نہ کسی کام پر لگا دیا جائے اور پھر اُن کی محنت کا معاوضہ دیا جائے تاکہ وہ بھیک مانگنا چھوڑ دیں اور روزی پیدا کرنے لگیں۔

---

(۴۶) دوستی FRIENDSHIP.

دو شخصوں کے باہمی تعلق کا نام دوستی ہے اور زیادہ تر اُن میں کسی قسم کی رشتہ داری نہیں ہوتی ہے۔ ہم مذاقی، خیالات و جذبات کی یکسانیت اور بعض اوقات احسان مندی، شکر گزاری اور کبھی کبھی باہمی میل جول سے دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ سچے دوست کا ملنا بہت دشوار ہے اور جس کو سچا دوست مل گیا گویا اُسے ایک خزانہ مل گیا۔

یہ مقولہ بالکل درست ہے کہ غم میں کسی کی شرکت سے وہ نصف رہ جاتا ہے

اور خوش حالی میں شرکت کرنے سے وہ دوچند ہو جاتی ہے۔

مصیبت کے وقت ہمارا دوست ہی سچّا مشیر ہوتا ہے۔ بیماری میں وہ ہماری تیمارداری کرتا ہے۔ ہماری سیاہ کاریاں دیکھکر ہمارا دوست ہم سے متنفر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ہماری اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ ہم اپنے دلی راز صرف اپنے دوست ہی کو بتا دیتے ہیں۔

لیکن اس زمانہ میں سچا دوست ملنا بہت مشکل ہے۔ بہت سے اہل غرض اپنی کاربرآری کے واسطے دوستی کا دم بھرنے لگتے ہیں اور ہم سے مالی فوائد حاصل کرکے رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ ایسے منافقوں اور مکاروں سے خدا ہم کو بچائے اس لئے دوست کا انتخاب کرنے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے۔ مثلاً: ایک شخص کو میرے ساتھ دلی محبت ہے مگر مجھکو اُس سے سخت نفرت ہے کیونکہ وہ بدچلن ہے۔ اس لئے دوست کا انتخاب کرنے میں بڑی چھان بین اور احتیاط کرنی چاہئیے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اُس میں اوصاف حمیدہ کس قدر ہیں۔ آیا وہ اعتبار اور اعتماد کے لائق ہے، آیا وہ امانت دار اور دیانت دار شخص ہے۔ کیا اُس میں ہمدردی کا مادّہ ہے۔ اس میں عیوب کیا کیا ہیں اور یہ عیوب قابل توجہ ہوسکتے ہیں یا نہیں۔

اس زمانہ میں خودغرضی کا مرض ترقی پر ہے اور خودغرض لوگوں کی تعداد ترقی کرتی جاتی ہے اور اسی وجہ سے سچّے اور قابل بھروسا دوست بہت کم نکلتے ہیں

---

(۴۷) رفیق COMPANION.

مثل مشہور ہے کہ "اکیلا آدمی نہ ہنستا بھلا نہ روتا بھلا"، کیونکہ انسان فطرتاً متمدن واقع ہوا ہے۔ اگر ہماری مسرت میں کوئی شرکت کرنے والا نہ ہو تو

اُس میں کچھ لطف نہ آئے گا اور اگر ہماری مصیبت میں کوئی ہم سے ہمدردی کرنے والا نہ ہوگا تو وہ نا قابل برداشت معلوم ہوگی۔

دن بھر محنت شاقہ کرنے کے بعد فطرتاً یہ خواہش ہوتی ہے کہ اپنے دوستوں سے دل بہلائیں جو شخص کہ تنہائی پسند ہو وہ یا تو فرشتہ ہوگا یا شیطان۔

اس دنیا میں ہر قدم پر ہم کو دوست یا رفیق کی ضرورت لاحق ہوتی ہے خطرہ کے وقت ہم اپنے دوست کی امداد اور ہمدردی کے متوقع اور منتظر ہوتے ہیں۔ اپنی مصیبتوں اور مشکلات کو رفع کرنے کے لئے صرف اپنے ہی وسائل سے کام لینا کس قدر دشوار اور مشکل کام ہے۔ نزع کے وقت بھی دوست احباب کے تسلی بخش اور مشفقی آمیز کلمات سے ہمارا دم نکلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

ہمارے دوستوں اور رفیقوں کی صحبت کا نیک و بد اثر ہمارے چال چلن پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ لڑکپن میں ہم کو امتیاز نہیں ہو سکتا ہے کہ کس لڑکے کی صحبت اچھی ہے اور کس کی خراب ہے۔ اس لئے لڑکپن میں اپنے والدین اور بزرگوں کے مشورہ پر عمل کر کے دوست بنائے جائیں۔ بدمعاش لڑکوں کی صحبت نہایت خطرناک ہوتی ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ : ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند

صحبتِ طالح ترا طالح کند

(ترجمہ) "نیک آدمیوں کی صحبت سے تم نیک اور بُرے آدمی کی صحبت سے تم بُرے ہو جاؤ گے"۔

اس لئے ہم کو نیک چلن اور عقیل و فہیم لوگوں کی صحبت میں رہنا چاہیئے۔

(۴۸) خوش اخلاقی POLITENESS.

متمدن زندگی میں خوش اخلاقی کا درجہ بہت بلند سمجھا جاتا ہے بعض خاندان کے افراد اور بعض اقوام کے ممبران عام طور پر نہایت خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ یورپ میں فرانسیسی عام طور پر نہایت شائستہ اور خوش اخلاق مانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر باوقتے بینا چشم دید واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں بڑا مجمع تھا وہاں ایک شخص آیا اس نے ایک کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ کیا کہ کرسی اُلٹ گئی اور وہ گر گیا۔ سب لوگوں نے اُس کے گرنے پر ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔ مگر ایک فرانسیسی اپنی جگہ سے اُٹھکر اُس کے پاس گیا۔ ہاتھ پکڑ کر اسے اُٹھایا اور اپنی کرسی پر اُسے بٹھا دیا اور اس کے بعد دلچسپ بات چیت شروع کر دی تاکہ کرسی سے گرنے اور لوگوں کے ہنسنے سے جو ندامت اُسے محسوس ہوئی اُس کا خیال جلد رفع ہو جائے۔

ہم نے خود دیکھا ہے کہ خوش اخلاق حکیم و ڈاکٹر کی تشفی آمیز اور پُر لطف باتوں سے ہی مریض کی نصف تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وکیل کی علمی و قانونی قابلیت اور خوش بیانی جس طرح قابل تعریف ہوتی ہے اسی طرح اگر وہ خوش اخلاق ہوتا ہے تو اس کی خوش اخلاقی اس کے پیشے کی شہرت میں چلا اضافہ کر دیتی ہے۔

الغرض خوش اخلاقی نہایت عمدہ صفت ہے اور تہذیب شائستگی کا ایک خوشنما زیور سمجھا جاتا ہے۔

(۴۹) فرض منصبی

DUTY.

ضمیر کی آواز کو فرض منصبی کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ حتی المقدور ہر ایک کام کو ٹھیک طور پر انجام دیا جائے۔

انسان چونکہ متمدن واقع ہوا ہے اس لئے اُس کے ذمہ نہ صرف اپنے اہل و عیال کے بلکہ دوسرے انسانوں کے بھی فرائض ہوتے ہیں اور یہ فرائض ایک کاشتکار سے لیکر ایک بادشاہ تک ہر ایک کو ادا کرنے پڑتے ہیں چنانچہ بادشاہ کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اُن کی فلاح اور بہبود کے وسائل پیدا کرے۔ اُستاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو اپنے علم سے فیضیاب کرے۔ بیٹے کا فرض ہے کہ والدین کی اطاعت اور فرمان برداری کرے اور بوڑھاپے میں اُن کی خدمت کرے۔ باپ کا فرض ہے کہ اولاد کی پرورش کرے اُن کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے۔ ہمارے ذمہ نہ صرف اپنے اہل و عیال کے بلکہ پڑوسیوں، ہم وطنوں، دیگر انسانوں وغیرہ کے بھی حقوق یا فرائض ہیں۔ الغرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ہمارا کچھ نہ کچھ فریضہ نہ ہو اور ساری دنیا ہی ان حقوق اور فرائض کے پر وقت گردش کرتی رہتی ہے۔

ادائے فرائض کے لئے ہم کو جملہ نیک صفات حاصل کرنے کی ضرورت ہے مثلاً پابندی اوقات، ایثار، استقلال، دیانت داری، ایمانداری، صداقت وغیرہ اگر ہم اپنے فرائض کو محسوس کرتے ہیں تو ان کی ادائیگی کے واسطے جملہ متذکرہ بالا اوصاف سے کام لینا پڑے گا۔ ادائے فرائض سے انسان کو حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے اور جس فرض کے ادا کرنے میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اُس کے ادا کرنے سے نہایت لطف حاصل ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے

ذمہ اپنے والدین، اہل وعیال، پڑوسیوں، اہل وطن، اہل ملک اور دیگر انسانوں کے فرائض اور چند اپنے فرائض مقرر کر دیئے ہیں۔ مذہبی زبان میں حقوق الٰہی کا نام حق اللہ اور انسانوں کے حقوق کا نام حق العباد بتایا ہے حق اللہ میں کوتاہی ہونے سے اگر توبہ کی جائے تو چونکہ ہمارا رب رحیم و کریم ہے وہ معاف بھی کر دیتا ہے۔ لیکن حق العباد میں کوتاہی ہونے کے بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ حق العباد کو میں معاف نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ تم اُس شخص سے معافی حاصل نہ کر لو جس کی تم نے حق تلفی کی ہے۔

اس لئے فی الحقیقت مذہبی آدمی وہی کہا جا سکتا ہے جو حق اللہ اور حق العباد دونوں کو پوری مستعدی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

---

(۵۰) عادت HABIT.

انسان کی زندگی بہت سی عادتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ نیک آدمی کی عادتیں اچھی ہوتی ہیں۔ مثلاً: وہ سچ بولتا ہے معاملہ کا صاف ہوتا ہے۔ دوسرے کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ غربا کی اعانت اور دستگیری کرتا ہے، اپنے نوکروں تک سے شفقت آمیز برتاؤ کرتا ہے۔ دوسروں کی فلاح کے لئے ہر طرح کا ایثار اور قربانی کرتا ہے۔

اسی طرح بُرے آدمی وہ ہیں جن کی عادتیں نہایت خراب ہوتی ہیں۔ مثلاً: جھوٹ بولنے میں اُن کو کچھ باک نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کے ساتھ عیاری، مکاری اور دغا بازی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ وہ غیبت اور بد کلامی کرتے ہیں اور ہمیشہ خود غرضی کا شکار بنے رہتے ہیں۔

عادت کو فطرت ثانی کہا جاتا ہے کسی عادت کا خوگر ہو جانا تو آسان ہے مگر اُس کا ترک کر دینا نہایت دشوار ہوتا ہے کسی فعل کو بار بار کرنے سے عادت پڑ جاتی ہے مثلاً اگر ہم صبح کو ۵ بجے روزانہ اُٹھتے ہیں تو اگر شب کو ہم ۲ بجے تک جاگتے رہیں اور اُس کے بعد آرام کریں پھر بھی صبح کو ٹھیک ۵ بجے پر ہم بیدار ہو جائیں گے۔

تعلیم و تربیت کی غرض و غایت یہی ہے کہ عمدہ عادتیں پیدا ہو جائیں اور بُری عادتوں کی اصلاح ہو جائے۔ یہ بات بھی ہمیشہ مد نظر رکھنی چاہیئے کہ عادت کی ساخت غیر محسوس طریقہ پر ہوتی رہتی ہے اور بعض عادتیں چونکہ آخر میں نہایت خطرناک شکل اختیار کر لیتی ہیں اس لئے والدین اور اساتذہ کو ہمیشہ اس بات کی نگرانی کرنی چاہیئے کہ لڑکے کیسی کیسی عادتیں اختیار کر رہے ہیں اور اگر ان میں بعض عادتیں خراب ہوں تو فوراً اُن کی اصلاح کی تدابیر شروع کر دینی چاہیئں۔

---

(۵۱) شجاعت COURAGE

شجاعت دل کی قوت کا نام ہے جو اپنی طاقت پر بھروسا کرنے سے پیدا ہوتی ہے شجاعت کے واسطے صرف جسمانی طاقت ہی کافی نہیں ہے جس سے کہ ایسے کام انجام دیدیئے جائیں جن میں کہ جسمانی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ شجاعت کا یہ مطلب ہے کہ ہم مشکلات سے آزردہ اور خیالی خطرات سے خوف زدہ نہ ہوں اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے واسطے ہمت و جرأت سے کام لیں اور استقلال کے ساتھ بلا کسی وسوسہ کے اپنے کام میں لگے رہیں۔ اس طرز عمل کے اختیار کرنے سے بالآخر کامیابی ضرور حاصل ہوتی ہے اور جملہ مشکلات خود بخود رفع ہو جاتی ہیں۔

ہر موقعہ پر صرف جسمانی قوت ہی کام نہیں دیتی بلکہ دل کی قوت اُس کا بدل

(۵۲) خوش مزاجی CHEERFULNESS

خوش مزاجی انسان کا ایک زبردست وصف ہے اور قادر ذوالجلال کی ایک
بڑی نعمت ہے۔ خوش مزاجی سے نہ صرف خود ہی انسان ہر وقت خوش و خرم رہتا
ہے بلکہ اسکے اثر سے اس کے جملہ دوست احباب بھی خوش رہتے ہیں۔ یہ صفت
ایسے شخص میں بالعموم پائی جاتی ہے جو معاملہ میں راستباز صادق القول اور وعدہ
کا پختہ ہوتا ہے۔ اسکے برعکس معاملہ کے گندے خود غرض۔ عیار۔ دغاباز اور تنگ خیال
و متعصب لوگ ہرگز خوش مزاج نہیں بن سکتے ہیں۔ فرض منصبی کو دیانت داری سے انجام
دینے پر جو حقیقی مسرت اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔
اسمیں شک نہیں کہ دنیا میں اکثر مایوس کن مراحل پیش آتے ہیں لیکن ایسے موقعوں پر
بھی اگر دیانت داری۔ استقلال اور مستعدی سے اپنے فریضہ کو انجام دیا جاتا ہے تو ہمارا ضمیر ہم کو
شاباش دیتا ہے اور ہم کو حقیقی مسرت اور اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقی
مسرت اور سکون قلب ایسے شخص کو ہرگز میسر نہیں ہوتا جو اپنے فرض منصبی کو انجام دینے
سے قاصر رہتا ہے خواہ وہ ہر وقت روپیوں سے کھیلتا رہتا ہو اور اسکے پاس بیشمار دولت موجود ہو۔
جو شخص ہر وقت اپنے خیالات کی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے اس کے مزاج میں
چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی دل کی بیماری ہے۔ اس مرض میں ڈاکٹر جانسن
جانس گرے ایڈسن اور کوپر جیسے نامور حضرات مبتلا تھے اور اسی وجہ سے وہ
خوش مزاجی کی نعمت سے ہمیشہ محروم رہے۔
بعض لوگ اپنے مستقبل کے واسطے اچھی امید رکھتے ہیں اور اس وجہ سے وہ
کبھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ خوش رہتے ہیں اور فہم و فراست کا مقتضا بھی یہی ہے کہ

ہم خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں بلکہ ہمیشہ بہتری کی توقع رکھیں اور اگر کبھی اپنی کوششوں کا حسب مراد نتیجہ برآمد نہ ہو اُس وقت یہ کہکر اپنے دل کو تسلی دے لیں کہ اس میں بھی خدا کی کچھ مصلحت تھی۔ قادر ذوالجلال کا ارشاد ہے" لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

خوش مزاج آدمی کی گفتگو میں ظرافت اور بذلہ سنجی ہوتی ہے اس کا بھی محل اور موقع ہوا کرتا ہے۔ بعض موقعوں پر چھوٹا سا فقرہ اور معمولی سا لطیفہ ساری مجلس کو خوش کر دیتا ہے لیکن بے موقع اور بلا ضرورت ظریفانہ باتیں کرنا بد تہذیبی میں داخل ہے اور کمینہ حرکت تصور کی جاتی ہے

---

(۵۳) قناعت CONTENTMENT.

عیش پرستی اور دولت جمع کرنے سے حقیقی مسرت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ انسان کو روپیہ کی جس قدر ہوس بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کی پریشانی اور تفکرات میں اضافہ ہوتا ہے۔ عیش پرستی سے چونکہ روزانہ بلکہ ہر وقت نت نئی خواہشات اور ضروریات پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کو بھی ایک قسم کی مفلسی کہہ سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس قناعت فطرت کی عطا کی ہوئی دولت ہے اگرچہ دولت کے یہ معنی نہیں ہیں جو عام طور پر دولت کے سمجھے جاتے ہیں مگر یہ ایک ایسی نعمت ہے جو دل سے دولت کی خواہش ہی کو دور کر دیتی ہے اور اس سے اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے جس کو حقیقی مسرت کہنا چاہیئے۔

قناعت دل کی ایک قوت کا نام ہے جس کو ہم بتدریج ترقی دے سکتے ہیں گوشۂ تنہائی میں بیٹھکر اپنے دل سے یہ سوال کیجئے کہ ضرورت کے لائق ہمارے

پاس آمدنی موجود ہے یا ہماری آمدنی ہماری معمولی ضروریات سے زیادہ ہے؟ تو آپ کا دل فوراً یہ گواہی دے گا کہ بحمد اللہ ہماری آمدنی ہماری ضروریات کے لئے کافی ہے۔ لیکن یہ محسوس کرنے کے بعد بھی اگر ہم مزید دولت کے خواہاں ہوں گے تو پھر ہماری ضروریات میں اضافہ ہوجائے گا جو حقیقی مسرت سے ہم کو محروم کردے گی فی الحقیقت قادر ذوالجلال نے ہم کو بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں لیکن ہم اُن کی قدر نہیں کرتے اور ایسی چیزوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جو ہم کو میسر نہیں آسکتی ہیں۔ ہماری اس ہوس سے ہمارا اطمینان قلب جاتا رہتا ہے اور ہمیشہ خدا کے ناشکرگزار بندے بنے رہتے ہیں۔

لیکن قناعت کی بدولت ہم ہر حالت میں خداوند عالم کے شکرگزار رہتے ہیں۔ دولت کوئی مستقل شے نہیں ہے آفات ارضی وسماوی اور اتفاقات وحادثات پیش آنے سے وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ لیکن اس قسم کی مصیبت درپیش ہونے پر بھی خدا کے شکرگزار بندے خوش اور مطمئن رہتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اب بھی ان کی حالت دوسروں سے بہتر ہے۔ چنانچہ ایک بار ایک شخص کی ٹانگ ٹوٹ گئی لوگوں نے ہمدردی ظاہر کی۔ اُس نے کہا کہ میں قادر مطلق کا شکرگزار ہوں کہ صرف ٹانگ ہی ٹوٹ گئی اگر گردن ٹوٹ جاتی یا آنکھیں پھوٹ جاتیں تو اس سے زیادہ تکلیف اور مصیبت کا سامنا ہوتا۔ مقام شکر ہے کہ ٹانگ ہی ٹوٹی۔

---

(۵۴) صداقت TRUTHFULNESS.

ہر ایک انسان کا یہ اولین فریضہ ہے کہ اُس کے خیالات، الفاظ اور اعمال میں صداقت ہو۔ اور صداقت سے زیادہ کسی صفت کی قدر نہیں ہوتی ہے صداقت صرف

اخلاقی اور مذہبی امور ہی میں ضروری نہیں ہے بلکہ عملی زندگی میں صداقت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ خداوند تعالیٰ کو بھی صداقت پسند ہے اس لئے جو لوگ کہ اسکے خلاف عمل کرتے ہیں یعنی جھوٹ بولتے ہیں ان سے خداوند کریم ناراض ہوتا ہے یہ ممکن ہے کہ ہم جھوٹی بات کہہ کر لوگوں کو دہوکہ دے دیں اور اس وقت ہمارا جھوٹ ظاہر نہ ہو لیکن جھوٹ جب ظاہر ہوجاتا ہے تو جھوٹ بولنے والے کو بڑی ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے اور جھوٹا شخص ہمیشہ کے واسطے ساقط الاعتبار ہوجاتا ہے۔ اور پھر جب کسی شخص کو لوگ جھوٹا جان جاتے ہیں تو اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور ہر جگہ اس کی مذمت کرتے ہیں اور اس کی دو کوڑی کی بھی عزت اور وقعت نہیں رہتی ہے۔

مگر اس کے برعکس جو شخص کہ ہمیشہ سچ بولتا ہے خواہ وہ کیسا ہی غریب آدمی کیوں نہ ہو ہر مقام پر ہر ایک شخص اسکی عزت ادب اور احترام کرتا ہے۔ عملی زندگی میں فی الحقیقت جیسی اہمیت کہ سچائی کو حاصل ہے وہ کسی دوسری صفت کو نہیں ہے۔ اگر آپ صادق القول ہیں تو ہر شخص آپ کی بات کو باور کرے گا۔ خدانخواستہ اگر آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہوگئے تو لوگ آپ کیساتھ ہمدردی کریں گے اور حتی الامکان آپکی امداد کرینگے اور ہر شخص آپ سے دوستانہ مراسم قایم کرنیکا خواہاں ہوگا۔

سچا آدمی اپنے قول فعل اور اپنی مثال سے اس کا شوق دوسروں کے دلمیں بھی پیدا کردیتا ہے۔ صادق القول کے دل میں کبھی مایوسی، ہراس اور پریشانی قدم نہیں رکھنے پاتی ہے۔ سچے آدمی کو ہمیشہ سکون اطمینان قلب اور حقیقی مسرت ہر وقت حاصل رہتی ہے۔

قدیم زمانہ کے لوگوں کی دنیا میں ابھی تک اس وجہ سے احترام اور وقعت کیجاتی ہے کہ وہ صادق القول تھے۔ چنانچہ تاریخ کی ورق گردانی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ

پُرانے زمانہ کے ہندو مسلمان یونانی - رومی وغیرہ متمدن اقوام میں زیادہ تر
صادق القول تھے لیکن افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مادیت کے موجودہ
دور میں یہ صفت دنیا سے معدوم ہوتی جا رہی ہے - اب تو عیاری - مکاری فریب
دغا بازی حکمت عملی وغیرہ کا دور دورہ ہے۔

(۵۵) معافی FORGIVENESS

خداوند کریم نے انسان کو محمود اور مذموم دونوں اوصاف کی قابلیت عطا کی
ہے اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے محمود اوصاف کو ترقی دے کر فرشتہ صفت اور دنیا میں اپنی
عمدہ اور قابل تقلید مثال پیش کریں یا اپنے مذموم اوصاف کو ترقی دے کر شیطان
مجسم بن جائیں - اور دنیا کیلئے باعث ننگ و ملامت ثابت کریں۔

محمود اوصاف یا نیک اعمال یہ ہیں کہ ہم اپنے بھائیوں کی تقصیرات سے درگذر کریں اور
ان کی خطاؤں کو معاف کر دیں اور اپنے دشمنوں تک سے محبت کریں۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ مغلوب الغضب اور انتقام لینے والا شخص
دنیا میں شاذ و نادر ہی کامیاب ہوا کرتا ہے - دنیا میں کامیاب ہونے کا راز یہی ہے کہ ہم دوسروں
کی تقصیرات سے چشم پوشی کریں اور ان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کریں جس کے یہ معنی ہوئے
کہ حتی الوسع ہم کو دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنی چاہیئے۔

اگر تم کسی شخص سے ناراض اور متنفر ہو کر روگردانی اختیار کرو گے تو کبھی تم کو موقعہ نہیں
ملے گا کہ اسکے متعلق تمنے جو رائے قائم کی ہے اسکو درست کر سکو اور فی الحقیقت اس
شخص میں جو اوصاف موجود ہیں تم ان سے مستفیض ہونے سے ہمیشہ کے
واسطے محروم ہو جاؤ گے اسی لئے دنیا میں اب کوئی متنفس نہیں ہے جس میں

کوئی خوبی موجود نہ ہو۔ اگر کسی مشہور و معروف بدمعاش کے متعلق تم تحقیقات کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اُس میں فلاں فلاں شریفانہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ بات ضرب المثل ہے کہ "بادشاہ اپنے قول سے پھر سکتا ہے۔ لیکن بدمعاش اپنے قول کا ہمیشہ پابند رہتا ہے اور اپنے قول کی پابندی میں وہ اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا ہے"

فی الحقیقت نیک نہاد وہی شخص ہے جو بدی کرنے والوں سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچنے اور اُن کو سزا دینے کے مواقع تلاش کرنے کی بجائے وہ اُن کے قصوروں سے چشم پوشی اختیار کرتا ہے اور اُن کی خوبیاں معلوم کرنے اور اُن خوبیوں سے مستفید ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

ہر شخص میں عیوب اور کمزوریاں ہوتی ہیں اس لئے دوسروں کی عیب جوئی سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اصلاح صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے عیوب اور کمزوریاں معلوم کرنے کی طرف توجہ کریں اور پھر اُن سے آگاہ ہونے پر اُن کو رفع کرنے کی کوشش کریں۔

فی الحقیقت یہ زرّیں مقولہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے اور اسی پر عمل پیرا ہونے سے انسان میں شریفانہ جوہر پیدا ہو سکتا ہے کہ "معاف کرو اور بھول جاؤ"

---

(۵۶) استقلال PERSEVERANCE

کسی کام کو مسلسل اور متواتر کرنے کو استقلال کہتے ہیں اور دنیا میں حصول کامیابی کا یہ بھی ایک راز ہے۔ یہ بات بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ناکامیاں ہی کامیابی کا وسیلہ ثابت ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے کسی ناکامی سے مایوس ہرگز

نہ ہونا چاہیئے بلکہ کمرِ ہمت باندھکر اور زیادہ کوشش کرنا چاہیئے اور اپنی کوشش کے سلسلہ کو جاری رکھنا چاہیئے۔ بالآخر ہم کو کامیابی حاصل ہو جائے گی جس کی حسب ذیل چشم دید مثال پیش کی جاتی ہے۔

ایک صاحب نے جن کے کلاس فیلو ہونے کا مجھکو بھی فخر حاصل ہے گیارہ ۱۱ سال تک ایف اے کا امتحان مدرستہ العلوم سے الہ آباد اور پنجاب دونوں یونیورسٹیوں کا دیا یعنی بائیس ۲۲ بار امتحان دیا اور ناکام رہے۔ آخر کار تنگ آکر پڑھنا چھوڑ دیا اور ملازمت کی فکر کی۔ محکمۂ نہر میں ان کو ایک معمولی سی ملازمت یعنی امانت مل گئی۔ اگزکٹو انجنیر سے جب بات چیت ہوئی تو اس نے مشورہ دیا کہ آپ ۲۲ بار فیل ہو چکے ہیں اب کی مرتبہ میرے کہنے سے امتحان اور دے دیجیے۔ چنانچہ اس نیک مشورہ پر عمل کیا گیا اور تیئسویں بار امتحان دینے پر وہ ایف اے میں پاس ہو گئے۔

موجودہ زمانہ میں کمال پاشا اور رضا خاں پہلوی کی روشن مثالیں ہمارے روبرو موجود ہیں کہ نہایت معمولی حالت سے ترقی کرکے بادشاہ بن گئے۔ کمال پاشا تو سلطان ٹرکی کے باغیوں میں تھے اور سزائے موت کا فتویٰ دے دیا گیا تھا لیکن استقلال کے ساتھ علم حریت کو ایسا بلند کیا کہ تمام ملک میں آزادی کی روح پھونک دی موروثی بادشاہت اور خلافت کا خاتمہ کر دیا جمہوری سلطنت قائم کر دی اور جمہوریہ ترکیہ کے صدر ہیں۔ رضا خاں پہلوی ایک معمولی سپاہی تھا اور صرف استقلال کے ساتھ کام کرنے کی بدولت ایران کی قدیم سلطنت کا قابل قدر فرماں روا ہے۔

سر سید علیہ الرحمۃ نے جب قوم کی فلاح اور بہبود کے واسطے مدرستہ العلوم کی بنا ڈالی تو ان کے نادان دشمنوں نے مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن ان کا ارادہ پختہ تھا اور استقلال کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے اور اسی خلوص اور استقلال کا یہ نتیجہ نکلا کہ انہوں نے جو درخت بویا تھا وہ آگا بڑھا اور اپنے

لگائے ہوئے درخت کا پھل خود کھایا اور اس پھل سے ہزاروں مستفیض ہوئے۔ جو درسگاہ کہ خس پوش جھونپڑوں اور اطنابوں سے شروع کی گئی تھی وہ اس کے بانی کی حیات ہی میں ایک اعلیٰ درجہ کا کالج بن گئی اور قوم کیلئے مایہ ناز اور نہایت قابل گریجویٹ اس سے تیار ہو کر نکلنے لگے اور آج بفضلہ وہی مدرستہ العلوم ترقی کرکے مسلم یونیورسٹی بن گیا ہے۔

ان روشن مثالوں کو پیش کرنے سے ہمارا مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ناکامی سے ہم کو ہرگز آزردہ اور افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ناکامی سے یہ تجربہ حاصل ہوگا کہ ناکامی کے کیا وجوہ ہوئے انکو رفع کرنا چاہیئے اور آئندہ نہ صرف ان کمزوریوں کو دور کیا جائے بلکہ یہ غور کیا جائے کہ حصول کامیابی کیلئے اب کیا کیا اور کرنا ہے۔ الغرض استقلال کیساتھ اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیئے انشاءاللہ آخر کار ہمکو کامیابی ضرور حاصل ہو جائے گی۔

(۲۵) اتحاد UNITY

یہ ایک پرانی مثل ہے کہ اتفاق بڑی طاقت ہے۔ ہم نے بچپن میں یہ قصہ پڑھا ہے کہ ایک بوڑھے آدمی نے جب اس کی موت کا وقت قریب آیا یہ دیکھا کہ اسکے بیٹوں میں نا اتفاقی ہے اس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا باری باری سے ہر ایک بیٹے کو دیا اور کہا کہ اس گٹھے کو توڑ ڈالو ہر ایک نے اپنی ساری قوت صرف کر دی مگر گٹھا کسی سے نہیں ٹوٹا پھر اس نے گٹھے کو کھول کر ایک ایک لکڑی دی جس کو ہر ایک نے باسانی توڑ دیا اس کے بعد بوڑھے نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر تم ان لکڑیوں کی طرح اتحاد اور اتفاق سے کام کروگے اور مل کر

رہوگے تو کوئی دشمن تم کو کسی طرح پر نقصان نہ پہونچا سکے گا لیکن اگر تم اپنی قوت کو منتشر کردوگے اور نا اتفاقی سے کام لوگے تو ادنی سے ادنی آدمی کے ہاتھ سے تم نقصان اٹھاؤگے۔ بیٹوں کو باپ کی یہ نصیحت پسند آئی اور لکڑی کے گٹھے سے پوری نصیحت حاصل کرکے انھوں نے یہ عہد کرلیا کہ ہم بھائی ہمیشہ اتحاد اور اتفاق سے کام کریں گے۔

اسی طرح سنسکرت میں یہ ایک ضرب المثل ہے کہ نازک گھاس کو ملا کر ایک موٹا رسا تیار کیا جا سکتا ہے جس سے ہم ہاتھی باندھ سکتے ہیں۔

اتحاد و اتفاق طاقت ہے۔ اس کی مثال میں اکثر طلبا نے ابتدائی کتابوں میں یہ قصہ پڑھا ہوگا کہ ایک صیاد نے کبوتر پکڑنے کے واسطے ایک جال لگایا اور اس میں دانہ ڈال دیا۔ اُدھر سے کبوتروں کا ایک غول گذرا اور دانہ کے لالچ میں اُتر کر اس جال میں پھنس گیا۔ ان میں ایک تجربہ کار بوڑھا کبوتر بھی تھا۔ اس نے کہا کہ اگر اس جال سے نکلنا تو ناممکن ہے اب میری نصیحت پر عمل کرو تو جان بچ جائے گی اسوقت اتفاق سے کام لو اور ہم سب مل کر ایک ساتھ اڑ جائیں تو ہم اپنی متفقہ قوت سے اس جال کو بھی اپنے ساتھ اڑا لیجائیں گے چنانچہ سب کبوتر ایک ساتھ اڑ گئے اور جال کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ بوڑھا کبوتر اپنے ساتھیوں کو ایک گاؤں میں لے گیا وہاں اس کا دوست چوہا رہتا تھا۔ یہ سب کبوتر معہ جال کے اس کے گاؤں میں جا پہونچے وہاں چوہا بھی آگیا۔ اور اس نے اپنے دوست کی خاطر جال کو کاٹ ڈالا اور سب کبوتر آزاد ہوگئے۔

اب تاریخی مثال لیجئے۔ جے چند اور پرتھی راج میں عداوت تھی اس سے محمد غوری کو دہلی فتح کرنیکا موقعہ مل گیا اور پھر مسلمانوں کا رفتہ رفتہ تمام ہندوستان پر قبضہ ہوگیا۔

اسی طرح ہماری آپس کی پھوٹ اور نااتفاقی سے انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ اور حکومت کرنے کا موقع مل گیا اور سارے ہندوستان پر ڈیڑھ سو سال سے اُن ہی کی حکومت ہے۔

الغرض کسی خاندان اور ملک کی تباہی اُس وقت ہوتی ہے جب وہاں پر نااتفاقی کا دَور دورہ ہوتا ہے اور خوش حالی اور اقبال مندی کا ظہور اُسی وقت ہوتا ہے جب اتحاد اور اتفاق رونما ہوتا ہے۔

---

(۵۸) اپنی مدد SELF HELP.

سیلف ہیلپ کے معنی خود اپنی مدد کرنے کے ہیں۔ یہ ایک زرّیں مقولہ ہے کہ خُدا اُن ہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد خود کرتے ہیں، جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ ہر شخص کو اپنا بار خود اُٹھانا چاہیئے دوسروں پر اپنا بار ڈالنا انتہا درجہ کی بے غیرتی، بے حیائی اور نامردی میں داخل ہے جو شخص کہ خیرات پر بسر کرتا ہے اُس کی ذاتی آزادی سلب ہو جاتی ہے اور اُس کے مردانہ اوصاف جاتے رہتے ہیں۔ جس قوم میں کہ کاہل لوگوں کی تعداد زیادہ ہو وہ کبھی خوش حال نہیں ہو سکتی ہے۔ پس ماندہ قوم کی حالت اس وجہ سے زبوں ہو جاتی ہے کہ اُس کے محنتی افراد کی کمائی کا بڑا حصّہ اس قوم کے کاہل افراد کھا جاتے ہیں۔

اس لئے بچپن ہی سے اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے کی عادت ڈالنی چاہیئے اور ہرگز کسی کا دستِ نگر نہ ہونا چاہیئے مثلاً بچے جب کام کریں یا کپڑے پہنیں تو ان کو مدد نہ دینی چاہیئے اور اپنی کتابوں اور کھلونوں کو ترتیب کے ساتھ

درست کرکے رکھنے کا کام بچوں ہی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اسی طرح تعلیم میں اُستاد کو چاہیئے کہ بچوں کو ایسی ہدایت کرے کہ روزانہ اپنا کام اپنی ہی کوشش سے پورا کرلیا کریں۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ انفرادی اور قومی ترقی اور مرفہ الحالی کے واسطے اپنی مدد خود کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ خود کوشش کرنے سے ہماری ہمت و جرأت بڑھتی ہے اور دوسروں کی مدد سے ہم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ البتہ اُن لوگوں کی سمجھ میں اس کی خوبیاں نہیں آتی ہیں جو کاہل ہیں اور دوسروں کی کمائی پر اپنا گزارہ کرتے ہیں لیکن اگر وہ اپنے دل سے بزدلی کو نکال دیں اور ہمت کرکے خود کوشش کرنے لگیں تو اُن کے دل سے خوف اور دہشت رفع ہوجائے گی اور پھر اُن کو خود معلوم ہوجائے گا کہ جن امور کو وہ ناممکن تصور کرتے تھے وہ اُن ہی کے واسطے نہایت آسان ہوجائیں گے۔

تجربہ کرکے دیکھ لیجئے کہ دن بھر محنت کرکے جو روزی ہم پیدا کرتے ہیں اور اُس کی بدولت ہم کو کھانے پینے کے واسطے جو کچھ میسر آتا ہے وہ ہم کو کس قدر خوش ذائقہ اور مزیدار معلوم ہوتا ہے اور اُس شئے کے کھانے سے ہم کو کس قدر لطف آتا ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے مخیر حاتم طائی کی بابت یہ روایت ہے کہ اُس سے دریافت کیا گیا کہ تو نے اپنے سے زیادہ کبھی کوئی اور سخی بھی دیکھا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ میرا معمول تھا کہ بغیر مہمان کے میں کھانا نہیں کھاتا تھا اگر کسی روز میرے یہاں کوئی مہمان نہیں ہوتا تھا تو میں تلاش کرکے کسی مسافر کو لے آتا تھا اور پھر اُس کے ساتھ کھانا کھاتا۔ ایک روز مہمان کی تلاش میں گیا تو ایک لکڑہارا ملا۔ میں نے اُس سے اپنا معمول بیان کیا اور ہرچند اصرار کیا کہ میرے مکان پر چل کر کھانا کھائے مگر وہ ہرگز راضی نہیں ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ میرا معمول یہ ہے کہ دن بھر جنگل میں لکڑیاں کاٹتا ہوں شام کو لکڑیوں کا

گٹھا اس شہر میں لاکر فروخت کرتا ہوں اور جو دام ملتے ہیں اس کا ناج۔ ترکاری وغیرہ خرید کر گھر لے جاتا ہوں میری بیوی ناج پیس کر کھانا تیار کرتی ہے اور میں اپنے بال بچوں کے ساتھ کھاتا ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ میں نے آج تک دوسرے کی کمائی کا پیسہ نہ کبھی کھایا اور نہ کسی نے کا ارادہ ہے اس وجہ سے میں تیری دعوت قبول نہیں کر سکتا ہوں۔

یہ قصہ بیان کر کے حاتم طائی نے اپنی اکثریت دوکلہ ہارا مجھ سے زیادہ سخی تھا۔

(۵۹) حرص AMBITION

حرص محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ اگر کسی اچھے کام کی حرص کی جائے تو وہ محمود ہے اور اگر برے کام کی حرص کی جائے تو وہ مذموم ہے۔

جیسا کہ داغ نے لکھا ہے ؎ یہ نہ کہئے کہ نہیں کام کی حرص ہے اور جو کافر کو ہوا اسلام کی حرص

بعض لوگ ہر وقت دولت۔ شہرت اور عزت حاصل کرنے کی دھن اور کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر ایک حد تک یہ بات قابل مذمت نہیں ہے حصول عزت و ثروت فطرت انسانی میں داخل ہے۔ لیکن چند لوگوں کے امیر ہو جانے سے ساری قوم کی نجات نہیں ہو سکتی اور نہ ساری قوم کی نکبت اور ادبار دور ہو سکتا ہے البتہ جو لوگ کہ اپنے اہل وطن کی عام جہالت رفع کرنے یا ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں ان کی عام طور پر بیحد عزت ہوتی ہے۔

حرص سے کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر اسکی اہلیت اور قابلیت موجود ہو تو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن کاہل آدمی اگر حرص کرتا ہے تو دل ہی دل میں دوسروں سے رشک و حسد کرنے لگتا ہے اور اسی رشک و حسد کی آگ میں وہ

عمر بھر جلتا رہتا ہے اور ہمیشہ خدا کا ناسپاس بندہ رہتا ہے۔
لیکن جو لوگ کہ دوسری قوموں کی ترقی کو دیکھ کر سبق حاصل کرتے ہیں اور پھر مدت العمر کوشش میں مصروف رہتے ہیں ان کی جدوجہد کی بدولت ساری قوم اور ملک کو فارغ البالی نصیب ہوجاتی ہے وہ نہ صرف اپنے لیئے بلکہ اپنے ابنائے وطن کے حق میں فرشتۂ رحمت ثابت ہوتے ہیں وہ اپنی دولت سے خود بھی عیش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی آرام پہونچاتے ہیں۔ اس وجہ سے ایسی حرص سے کام کرنے کا شوق اور بالاخر دنیا میں کامیابی نصیب ہوتی ہے اس لئے اپنے سامنے ہمیشہ اعلیٰ النصب العین رکھنا چاہیئے اور خود اس کے حصول کے واسطے کوشش کرنی چاہیئے اور شرافت تو یہی ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے ملک اور قوم کی فلاح اور بہبود کے واسطے ہمیشہ کوشاں رہیں۔

(۶۰) غرور PRIDE

مغرور اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی قابلیت پر نازاں ہوتا ہے اور اسے بہت زیادہ قابل قدر تصور کرتا ہے اور دوسروں کی قابلیت اور اوصاف کو حقیر سمجھتا ہے اس لئے مغرور شخص سے سب لوگ نفرت کرتے ہیں اور اسکی صحبت سے دور بھاگتے ہیں۔
اگر ہم دیگر لوگوں سے میل جول نہ کریں ان کے رنج و راحت میں شریک نہ ہوں ان کیساتھ ہمدردانہ اور محبت آمیز برتاؤ نہ کریں تو ہم ان سے کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ ہم کو آرام و آسائش میسر آسکتی ہے۔
بیوقوف لوگوں میں بڑا عیب یہی ہوتا ہے کہ وہ مغرور ہوتے ہیں غرور ہی سے جہالت پیدا ہوتی ہے اور اس میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے غرور ایک قسم کا مرض ہے

جذبوں میں پیدا ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ ترقی کرکے انسان کو قابل نفرت بنا دیتا ہے۔
لیکن غرور کی ایک اور قسم بھی ہے جو خودداری کہلاتی ہے اور یہ صفت محمود ہے کیونکہ جس شخص میں خودداری ہوتی ہے وہ ہمیشہ اپنی عزت کا پاس کرتا ہے اور بڑے سے بڑے آدمی کے آگے بھی سر نہیں جھکاتا ہے اور کسی عنوان سے بھی اپنی ذلت کو گوارا نہیں کر سکتا ہے چنانچہ غالب مرحوم کے حالات میں درج ہے کہ جب لاہور میں اورنیٹل کالج قائم ہوا تو ناظم تعلیمات نے غالب سے استدعا کی کہ پروفیسر فارسی کی جگہ قبول کر لیجئے اور اس کو ایک نہایت معزز عہدہ بتایا اور مالی فائدہ کا یقین دلایا۔ بالآخر بہت کچھ رد و قدح کے بعد غالب ملازمت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ دو تین روز بعد ناظم صاحب نے آکر غالب سے کہا کہ۔ لاٹ صاحب آج کل یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں آپ اُن سے بھی ملاقات کر لیجئے۔ آپ فلاں وقت لاٹ صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے آئیے میں وہاں پر موجود ہوں گا اور آپ کا تعارف کرا دوں گا۔ چنانچہ غالب وقت معینہ پر اپنی پالکی میں سوار ہو کر لاٹ صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے اور کوٹھی کے دروازہ پر اپنی پالکی میں بیٹھے رہے۔ پھر ناظم تعلیمات نے آکر غالب سے کہا کہ کوٹھی کے اندر تشریف لے چلیئے تاکہ آپ سے ملاقات کرا دی جائے غالب نے کہا کہ میں لاٹ صاحب سے ملنے آیا ہوں کیا وہ کوٹھی کے دروازہ تک بھی میرے لینے کو نہیں آئیں گے"۔ ناظم صاحب نے فرمایا کہ "وہ یہاں نہیں تشریف لائیں گے وہ کوٹھی کے اندر موجود ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔ غالب نے جواب دیا کہ "ابھی تو میں ملازمت میں داخل بھی نہیں ہوا ہوں۔ میں اس ذلت کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا ہوں کہ جس شخص سے ملاقات کرنے کے واسطے اُس کے مکان تک جاؤں وہ دروازہ تک آنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کرے۔ آپ تو فرماتے تھے کہ سرکاری ملازمت میں بڑی عزت ہوتی ہے۔ ایسی ملازمت کو میرا دُور ہی سے سلام ہے"۔ یہ جواب دے کر غالب

اپنے مکان کو واپس آگئے اور پھر ناظم تعلیمات نے بہت کچھ سمجھایا اور منت و سماجت کی لیکن ملازمت کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔

عاجزی، انکساری اور خوش اخلاقی خداوند کریم کو بھی پسند ہے اور دنیا میں ان ہی اوصافِ حمیدہ کی بدولت انسان کی عزّت و آبرو ہوتی ہے۔ اس کے برعکس غرور شیطانی صفت ہے۔ چنانچہ صرف غرور ہی کی بدولت شیطان لعین ہمیشہ کے واسطے راندۂ درگاہ ہوا ہے جیساکہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد ٭ بزندانِ لعنت گرفتار کرد

(۶۱) اطاعت OBEDIENCE.

کسی حکم کی بخوشی تعمیل کرنے کو اطاعت کہتے ہیں۔ فرض شناسی کی ایک شکل اطاعت شعاری بھی ہے۔ بعض اوقات ہمارے نوجوان اطاعت کو کمزوری اور غلامی پر محمول کرکے اپنے بزرگوں کے ساتھ گستاخانہ برتاؤ کرنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ خیال عین حماقت ہے۔ لڑکوں اور نوجوانوں کا یہ فرض عین ہے کہ وہ اپنے اساتذہ، والدین اور بزرگوں کی اطاعت کریں۔ اگر وہ اس فریضہ کو ادا کرنے سے قاصر رہیں گے تو وہ گستاخی اور نافرمانی کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔ اُن کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ دنیا کے متعلق ابھی اُن کا تجربہ نہایت محدود اور معمولی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اُن کے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کو دنیا کا تجربہ بہت زیادہ حاصل ہو چکا ہے اس لئے اُن کے تجربات سے وہ اسی صورت میں مستفید ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنے والدین، بزرگوں اور اساتذہ کی اطاعت کریں۔

اطاعت شعاری ہی سے سوسائٹی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر

ایک دن بھی ہم من و حیثیت کے ساتھ نہیں رہ سکتے ہیں۔ حکومت کے احکام ہی کو قانون کہتے ہیں۔ اور قانون کی اطاعت کرنا ہر ایک شہری کا فرض ہے۔ بفرض محال اگر ساری رعایا یہ فیصلہ کرے کہ ہم قانون کی اطاعت نہیں کریں گے تو اس کا نتیجہ بدامنی اور عام پریشانی ہوگا۔ حکومت تو یہ حکم دیتی ہے کہ چوری ڈکیتی، اور قتل و خوں ریزی جرائم کا ارتکاب نہ کیا جائے اگر اس حکم کی تعمیل نہ کی جائے تو سارے ملک میں تباہی اور بربادی ہی نظر آئے گی۔

لڑکوں کو بچپن ہی سے اطاعت شعاری سیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ زندگی کے ہر ایک مرحلہ میں اس کی ضرورت لاحق ہوگی۔ کیونکہ جو آج لڑکا ہے کل بڑا ہو کر وہ جوان ہوگا اور چند روز بعد وہ خود اپنے بچّوں کا باپ بن جائے گا۔ اگر بچپن میں اس نے اطاعت شعاری کا سبق سیکھا ہے تو پھر اپنے بچّوں کو بھی وہ اطاعت کرنا سکھاوے گا سن شعور کو پہونچنے اور نیک و بد میں امتیاز کرنے کا مادّہ پیدا ہونے پر خود معلوم ہو جائے گا کہ اطاعت اور غلامی میں کیا فرق ہے یہ دونوں مختلف اصطلاحات ہیں اطاعت شعاری سے باقاعدہ مردانگی اور غلامی سے کمینہ بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

(۶۲) جفاکشی DILIGENCE.

جفاکش یا محنتی اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کام کو شروع کرکے اس کی تکمیل تک اسے برابر کرتا رہتا ہے۔

بغیر محنت کے کوئی شخص کسی کام میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ مثلاً: خردسال بچہ جب پاؤں چلنا سیکھتا ہے تو وہ سیکڑوں بار لڑکھڑا کر گر پڑتا ہے لیکن چلنے کی مسلسل کوشش کرنے سے آخرکار وہ چلنا سیکھ جاتا ہے دو ایک روز میں کم کسی

کام میں بھی مشّاق نہیں ہو سکتے ہو بعض کاموں کے سیکھنے اور اُن میں مشّاق ہونے میں مہینے اور برس لگتے ہیں۔

ابتدا میں ہر ایک کام دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اُس کے حاصل کرنے کے لئے روزانہ محنت کی جائے تو بالآخر کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر مشکلات سے پریشان ہو کر کام کو ادھورا چھوڑ دیا جائے تو جو کچھ محنت کی گئی وہ بھی ضائع ہو گئی۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لڑکے ابتدا میں تو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں لیکن جب مشکل بیانات اور کتابیں پڑھنی شروع کرتے ہیں جن میں زیادہ محنت کی ضرورت ہے اُس وقت وہ ہمت ہار دیتے ہیں اور لکھنا پڑھنا ترک کر دیتے ہیں اور پھر آیندہ زندگی میں اُن کو اپنی اس حماقت اور بزدلی کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ وہ ہمیشہ کف افسوس ملتے ہیں کہ ہم نے اپنی تعلیم کو درجۂ تکمیل تک نہیں پہونچایا۔ فلاں امتحان پاس کر لیتے تو آج ہم کو فلاں عہدہ مل جاتا۔ اس لئے اپنی پست ہمتی سے کسی کام کو ناتمام چھوڑ دینے سے زیادہ کوئی حماقت نہیں ہو سکتی ہے۔

اکثر کیا روزمرہ دیکھا جاتا ہے کہ کند ذہن طالب علم ذہین اور تیز طالب علم سے بازی لے جاتا ہے۔ بالعموم کند ذہن مگر شوقین طالب علم بہت زیادہ محنتی ہوتے ہیں خواہ کتنا ہی وقت کیوں نہ صرف ہو وہ اپنے سبق کو سخت محنت کر کے یاد کر لیتا ہے اور ذہین طالب علم اسی زعم باطل میں رہتا ہے کہ میں ایک گھنٹہ بھی پڑھ لوں گا تو ایک مہینے کا سبق فرفر یاد کر لوں گا۔ اس وجہ سے وہ محنت سے جی چراتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کند ذہن تو اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتا ہے اور ذہین طالب علم یا تو فیل ہو جاتا ہے اور اگر پاس بھی ہو جاتا ہے تو اُس کے نمبر بہت کم آتے ہیں اس لئے نہ صرف طالب علم کو اپنا سبق یاد کرنے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے مسلسل محنت کرنے کی ضرورت ہے اور ہر قسم کی کامیابی کا راز مسلسل اور لگاتار محنت کرنے ہی میں مضمر ہے۔

(۶۴) خوشامد FLATTERY.

خوشامد سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اکثر آدمی جو نہایت دانشمند ہوتے ہیں اور جن کو اپنی اور دوسروں کی قابلیت کا بھی صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنی اس کمزوری نہیں بچ سکتے کہ وہ خوشامد کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور خوشامدی لوگ جب اُن کی حد سے زیادہ تعریف اور واہ واہ کرنے لگتے ہیں تو وہ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض مصلحان قوم جن کی ملک اور قوم میں بڑی عزت ہوتی ہے اور جو ہمیشہ ملکی اور قومی فلاح کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی بعض اوقات عیار خوشامدیوں کے دام تزویر میں پھنس جاتے ہیں جس سے قومی کاموں کو سخت نقصان پہونچتا ہے۔

اگرچہ انسان کے دل کی یہ عام کمزوری ہے کہ وہ خوشامد سے متاثر ہو جاتا ہے لیکن چونکہ طبائع انسانی مختلف اقسام کی ہوتی ہیں۔ اس لئے جو لوگ کہ اپنے کو بے حد قابل تصور کرتے ہیں وہ اس کے متمنی رہتے ہیں کہ لوگ اُن کی خوشامد کریں اور تعریف کے گیت گاتے رہیں۔ ایسے لوگوں کو خوشامد اور جھوٹی واہ واہ سے بے حد نقصان پہونچتا ہے۔ ایسے لوگوں سے خوشامدی بہت کچھ ناجائز فائدے اُٹھا لیتے ہیں لیکن سمجھدار آدمی خوشامد سے ہمیشہ نفرت کرتا ہے اور اس کے اثر سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

کمزور طبیعت والے شخص پر خوشامدیوں کا وار بآسانی چل جاتا ہے اور وہ صرف چکنی چپڑی باتیں کرکے اور مبالغہ آمیز تعریف کرکے اپنا اُلو سیدھا کر لیتے ہیں اور اپنا کام نکال کر چمپت ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مقتضائے دانشمندی یہی ہے کہ خوشامدیوں کی باتوں میں ہرگز نہ آنا چاہیئے اور ایسے لوگوں کو کبھی منہ نہ لگانا

چاہیئے اور اُن کی خوشامدانہ باتوں کو کبھی باور نہ کرنا چاہیئے کیونکہ خوشامدی تو صرف اپنے مطلب کی فکر میں لگے رہتے ہیں وہ کسی کے دوست نہیں ہوتے اور وقت ضرورت کسی کے کام نہیں آتے. اس لئے ایسے لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ نفرت کرنی چاہیئے اور ان کی مکاری اور عیاری سے محفوظ رہنا چاہیئے۔

(۹۴) نفس کُشی SELF CONTROL.

نفس کشی کے یہ معنی ہیں کہ کسی نیکی کے حاصل کرنے کے واسطے اپنے لذائذ نفس کو ترک کردیا جائے۔ انسان اپنی بعض نفسانی خواہشات کو کسی نہ کسی طرح پورا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے لیکن جب نفس پر قدرت اور قابو حاصل ہو جاتا ہے تو یہ نفسانی خواہشات باسانی ترک ہو جاتی ہیں۔ ہم کو بتقاضائے فطرت بشری حصول جاہ و ثروت کی خواہش ہوتی ہے اور اگر ہم ہمیشہ اپنی خواہش نفس کی تعمیل کریں گے تو بسا اوقات ہم معصیت میں گرفتار ہو جائیں گے اس لئے نفس پر قدرت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے چونکہ نفس کشی ہی ساری نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی بدولت تندرستی، طویل عمر اور حقیقی مسرت حاصل ہو جاتی ہے۔

ہم کو ہمیشہ نیک اور شریفانہ اعمال پر کاربند ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ذمیمہ خصائل اور ناپاک خواہشات سے احتراز کرنا چاہیئے۔

جو لوگ کہ نفس کے بندے ہوتے ہیں وہ بہت جلد تباہ حال ہو جاتے ہیں۔ ہمارا سارا علم و فضل ہمارے لئے بے کار اور بے سود ہے اگر ہم کو نیکی و بدی کا امتیاز نہ ہوا اور ہم صرف اپنے نفس کے مطیع ہو کر رہ جائیں۔ کیونکہ نفس تو زیادہ تر معصیت کی ترغیب دیتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ نفس کشی یعنی اپنے نفس پر تابو حاصل

کرنے کی کوشش کی جائے۔ دنیا میں عظیم الشان کارِ خیر اُن ہی لوگوں نے انجام دیئے ہیں
جنھوں نے نفس کشی اختیار کی ہے۔

چنانچہ ہمارے نبی صلعم اور اُن کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود
طرح طرح کی ایذائیں مصیبتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ کبھی شکم سیر ہوکر خود کھانا نہیں
کھایا۔ اپنی جانیں قربان کیں۔ لیکن ان کی اس نفس کشی کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ وہ
تو ہر طرح کی تکلیف و برداشت کر گئے۔ فاقہ کشی میں اپنی زندگیاں گزار گئے۔ لیکن اپنی
قوم یعنی مسلمانوں کے آرام و آسائش کے واسطے بہت سے ملک فتح کرکے ایک زبردست
سلطنت چھوڑ گئے جس سے مسلمانوں نے ہر طرح کا آرام و آسائش اُٹھایا۔

اس لئے اگر ہم دنیا میں دوسروں کو فائدہ پہونچانا چاہتے ہیں تو اس کی اوّل
منزل یہی ہے کہ ہم اپنی ذاتی خواہشات کو قربان کردیں۔

---

(۶۵) دولت WEALTH.

جس شئے کے تبادلہ میں روپیہ مل سکتا ہے اُسے دولت کہہ سکتے ہیں اس معنی میں
دُکانداری ساکھ بھی دولت تصوّر کی جاتی ہے۔

دولت میسر آجانے سے بہت سی ذمّہ داریاں بھی عائد ہوجاتی ہیں۔ دولت کو
اپنے جیسے غرباء اہل حاجت کی ضروریات رفع کرنے، تعلیم کی اشاعت کرنے، شفا خانے
کھولنے، تالاب بنانے وغیرہ جیسے نیک کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ
کے حکم کے بموجب اس ترتیب سے امداد کرنی مناسب ہے "ذوالقربیٰ والیتامیٰ
والمساکین وابن السبیل" یعنی اول اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی پھر
یتیموں کی اُن کے بعد مساکین کی اور بعدازاں مسافر یعنی پردیسیوں کی۔ نیک کام میں

روپیہ صرف کرکے قلب کو جیسی فرحت حاصل ہوتی ہے وہ اپنے ذاتی عیش و عشرت میں
روپیہ خرچ کرنے سے ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔ دولت مندوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے
کہ اُن کی دولت خداوند کریم کی ایک امانت ہے اس لئے اگر اس امانت الٰہی کو اپنے
آرام و آسائش میں صرف کر دیا جائے گا تو اس حرکت سے بہت سے مستحقین محروم
رہ جائیں گے جس شخص نے یہ خود محنت کرکے دولت پیدا کی ہے اُس کے صرف کرنے کا
اُس کو ضرور حق حاصل ہے لیکن یہ نہایت سنگدلی اور ظالمانہ حرکت ہوگی کہ ہمارے
سیکڑوں بھائی نانِ شبینہ سے محتاج ہوں اور ہم اُن کی خبر نہ لیں اور صرف اپنی
تن پروری اور ذاتی آرام و آسائش کی فکر میں لگے رہیں۔ ذاتی عیش پرستی سے
بدکاریوں اور معصیت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ لیکن جو روپیہ کہ نیک کاموں میں صرف
کیا جاتا ہے اُس سے سوسائٹی کے اخلاق کی اصلاح ہوجاتی ہے۔ شیخ سعدی کا مقولہ ہے کہ

شعر ~ چوں بدولت برسی مست نہ گردی مردی

اس لئے دانشمندی کا مقتضا یہ ہے کہ ہم اپنی زائد دولت کو اپنی عیش پرستی
اور بدکاریوں میں صرف نہ کریں اور افعال ذمیمہ سے ہمیشہ احتراز کرتے رہیں اور
اس خطرہ سے صرف وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں جن کو اپنے اخلاق کی درستی کی فکر رہتی ہے
خواہ مخواہ فضول خرچی کرنے سے قابل افسوس ضروریات پیدا ہو جاتی ہیں۔ خواہ ہمارے
قبضہ میں کیسی ہی فراواں دولت کیوں نہ ہو لیکن فضول خرچی سے وہ بہت جلد ختم
ہو جائے گی اس لئے اسراف بے جا سے ضرور پرہیز کرنا چاہیئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے
كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا یعنی کھاؤ پیو مگر فضول خرچی مت کرو۔

صرف دولت مل جانا ہی مسرت کا موجب نہیں ہوتا ہے کیونکہ چوروں اور ڈاکوؤں سے
اس کی حفاظت کرنے کی ہر وقت فکر دامن گیر رہتی ہے اور دولت کے ضائع جانے سے
انسان شکستہ دل ہو جاتا ہے۔

دولت مل جانے سے اُس میں مزید اضافہ کرنے کی فکر لاحق ہو جاتی ہے۔ دولت سے بہت سے حاسد اور جھوٹے دوست پیدا ہو جاتے ہیں جو ہمیشہ نقصان رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ دولت سے بداعمالیوں کی ترغیب ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دولت میں بھلائی اور برائی دونوں موجود ہیں اگر دولت کو نیک کاموں میں صرف کیا جائے تو وہ رحمت ہے اور جو دولت کہ بُرے کاموں میں صرف ہو وہ دولت ہمارے لئے ایک قسم کی لعنت ہے۔

(۹۹) صحت HEALTH.

بقول غالبؔ :۔

تنگ دستی اگر نہ ہو غالبؔ تندرستی ہزار نعمت ہے

فی الحقیقت صحت ایک ایسی دولت ہے جو روپیہ سے نہیں خریدی جا سکتی۔ اگر کسی شخص کے پاس دولت موجود ہے لیکن اُس کی صحت خراب ہے تو اُس کی ساری دولت اُس کے لئے بے کار ہے۔ باوجود امارت کی شان و شوکت کے اس کی زندگی اُس کے لئے وبال ہو گی۔ ایک فرانسیسی متمول کی بابت یہ روایت مشہور ہے کہ جب اُسے رات بھر نیند نہ آتی تھی تو اُس کی کرب و بے چینی سے پریشان ہو کر وہ یہ سوال کیا کرتا :۔

"کیا نیند بھی کسی بازار میں بکتی ہے؟"

امریکہ کا مشہور کروڑپتی مسٹر راک فلر جو تیل کا بادشاہ کہلاتا ہے اُس کے حالات میں ہم نے پڑھا ہے کہ وہ ضعف معدہ کا مریض ہے اُسے ۲۴ گھنٹے میں صرف صبح کو ایک پیالی دودھ اور ۲ باریک توس کھانے کو ملتے ہیں۔ اُس کے کھانے کے وقت ۲ ڈاکٹر سخت نگرانی کرتے ہیں کہ کہیں وہ اس سے زیادہ غذا نہ کھا لے۔ کیونکہ اُن کو اندیشہ ہے کہ

اس سے زیادہ کھانا اُس کی ہلاکت کا موجب ہوگا۔

مسٹر راک فلر جب اپنے ملازمان اور دیگر آدمیوں کو شکم سیر ہوکر ہر قسم کی اشیار خوردنی کھاتے دیکھتا ہے تو وہ نہایت حسرت سے کہتا ہے کہ "میری اس قدر دولت میرے لئے بے کار ہے کاش کوئی میری ساری دولت لے لے اور اس کے معاوضہ میں میری خواہش کے بموجب مجھکو کھانا دے دے"۔

صحت ایک ایسی نعمت ہے جس کی ہر شخص کو ضرورت ہے۔ کیونکہ بلا صحت کے انسان کوئی کام انجام دے ہی نہیں سکتا۔

دنیا میں جس قدر بھی بڑے آدمی ہوئے ہیں مثلاً: بادشاہ جنھوں نے لاکھوں بندگانِ خدا پر حکومت کی، فاتحین جنھوں نے میدان جنگ میں نبرد آزمائی کی اور بہت سے ممالک فتح کئے۔ اور غنیم کو زیر کیا، سائنس داں اور فلاسفر جنھوں نے علوم و فنون ایجاد کئے، شعرا اور ادیب جنھوں نے اپنے قلم کی گردش سے دنیا کے دماغ روشن کردیئے۔ یہ لوگ ہرگز ایسے کام انجام نہ دے سکتے تھے اگر ان کی صحت اچھی نہ ہوتی۔ حضرت عمرؓ، سلطان صلاح الدین، خالد ابن ولید، بو علی سینا، ابن رشد، ابن طفیل، امام رازی، امام ابوحنیفہ، شیخ سعدی، خواجہ حافظ شیرازی، مولانا روم، امیر خسرو، فیضی، ابوالفضل، فردوسی، ارسطو، افلاطون، سکندر اعظم، نپولین، گلیڈاسٹون، لارڈ رابرٹس، میکالے وغیرہ کے نام صفحہ تاریخ پر ہرگز ایسے روشن نظر نہ آتے اگر اُن کی صحت عمدہ نہ ہوتی۔

صحت کی فکر بچپن ہی سے احتیاط کرنے سے ہوسکتی ہے۔ تندرستی کے لئے کھانے میں احتیاط کرنا لازمی ہے اور اسی کے ساتھ کسی قدر ورزش کرلینا بھی ضروری ہے۔ ایک پرانا مقولہ ہے کہ "سویرے سونے اور سویرے اُٹھنے سے انسان تندرست دولت مند اور دانشمند بن جاتا ہے"، صبح و شام کھلے مقام پر تازہ ہوا میں سانس

لینے کے لئے پیدل پھرنے. صحت بخش ورزش کرنے یا کھیل کھیلنے اور معصوم صفت تفریح کرنے کی حصول صحت کے لئے بے حد ضرورت ہوتی ہے۔

تندرست آدمی ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ اس لئے طلبا کو اپنی تندرستی کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئیے اُن کو لہو ولعب سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ کیونکہ ان بیہودگیوں میں گرفتار ہونے سے صحت بالکل خراب ہوجاتی ہے اور دنیا میں ہر ایک کام کو انجام دینے اور کامیاب ہونے کے واسطے سب سے اوّل اس امر کی ضرورت ہے کہ ہماری صحت اچھی ہو

---

(۲۷) صفائی CLEANLINESS.

صحت کے لئے جسم کی صفائی ضروری ہے کیونکہ جسم کو دھوکر صاف کر لینے سے جسم کے مسامات بند نہیں ہونے پاتے بلکہ کھلے رہتے ہیں اور جسم میں دوران خون بلا تکلف ہوتا رہتا ہے اور جسم سے پسینہ بآسانی خارج ہوجاتا ہے لیکن اگر جسم صاف نہ کیا جائے تو مسامات بند ہوجاتے ہیں۔ پسینہ کے ذریعہ سے جسم کی اندرونی کثافت نہیں خارج ہوتی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں جسم کو صاف نہ کرنے پر ورزش بھی کوئی اثر نہ کرے گی۔

جسم کی صفائی ہر ایک قوم میں اس قدر ضروری سمجھی جاتی ہے کہ وہ مذہبی فرائض میں داخل ہوگئی ہے چنانچہ مسلمان کھانے سے پیشتر ہاتھ دھوتے ہیں اور کھانے کے بعد ہاتھ اور منھ کو اچھی طرح دھوکر صاف کرتے ہیں۔ نماز سے پیشتر وضو کرنا یعنی ہاتھ، منھ، ناک چہرہ دونوں ہاتھ کہنیوں تک اور پاؤں کا دھونا لازمی ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں پوجا پاٹ کرنے سے پیشتر اشنان کرنا ضروری ہے اور پابند مذہب ہندو تو دونوں وقت کھانے سے پیشتر بھی اشنان کرتے ہیں۔ اہل یورپ جو بالعموم عیسائی ہیں روزانہ

دو بار غسل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

جسم کے علاوہ اپنے کپڑوں کو بھی صاف رکھنا چاہیئے اور کھانے پینے کی چیزیں بھی صاف اور پاک ہونی چاہئیں۔ صفائی کی پابندی کرنے سے انسان ہمیشہ تندرست رہتا ہے صاف ستھرے آدمی کی ہر جگہ قدر اور عزت ہوتی ہے اور اس کے برعکس میلے کچیلے آدمی سے ہر شخص کو تنفر ہوتا ہے اس لئے ہر شخص کو اپنی حیثیت اور استطاعت کے بموجب ہمیشہ صاف لباس پہننا چاہیئے اور اپنے جسم کو صاف رکھنا چاہیئے۔

(۶۸) غصّہ ANGER

غصّہ فی الحقیقت وحشی درندوں میں زیادہ تر پایا جاتا ہے۔ اس لئے انسان بھی غصّہ کی حالت میں اپنی انسانیت سے گزر کر بہائم صفت یعنی جانور ہو جاتا ہے۔ غصّہ سے دماغ میں گرمی پیدا ہوتی ہے جس سے عقل انسانی تاریک ہو جاتی ہے۔ نیکی و بدی۔ بھلائی اور برائی میں امتیاز نہیں رہتا ہے اور خود یہ محسوس نہیں ہو سکتا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ غصّہ رفع ہونے پر انسان اکثر افسوس کرتا ہے کہ غصّہ کی حالت میں مجھ سے فلاں حرکت سرزد ہو گئی۔ راقم الحروف کو اوّل تو کبھی غصّہ آتا ہی نہیں اور اتفاقیہ طور پر غصّہ آ جاتا ہے تو بالکل خموشی اختیار کر لیتا ہے۔ ہم اپنے دوست احباب اور دیگر بھائیوں کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتے ہیں کہ غصّہ کی حالت میں ہرگز کوئی کام نہ کرنا چاہیئے بلکہ خموشی اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ غصّہ کی حالت میں انسان کا دماغ صحیح نہیں ہوتا ہے اس لئے اس حالت میں وہ جو حرکت کرے گا وہ غلط ہو گی۔ البتہ غصّہ رفع ہونے پر ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیئے کہ فلاں معاملہ میں کیا کرنا مناسب ہے۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک روز ہم اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے کہ باہر سے شور و غل کی آواز

آئیں۔ ہم پریشان ہو کر باہر گئے کہ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔ وہاں جا کر یہ تماشا نظر آیا کہ ہمارے ایک پڑوسی غصہ کے مارے جامہ سے باہر ہیں کئی آدمی اُن کو پکڑے ہوئے ہیں اور اُن کا اصرار ہے کہ مجھکو چھوڑ دو میں فلاں شخص کا سر توڑ دوں گا۔ ہم بھی اُن صاحب کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ میں اصل واقعہ کی بابت ایک حرف دریافت نہ کروں گا کہ تمہارے دشمن نے ایسی کیا حرکت کی جس سے تم کو اس قدر اشتعال پیدا ہوا ہے۔ اس وقت تم پر غصہ کا بھوت سوار ہے اس وقت تمہاری کوئی رائے صائب نہیں ہو سکتی ہمارا صرف اس قدر مشورہ مان جاؤ کہ یہ وقت انتقام لینے کا نہیں ہے ابھی تو سیدھے اپنے گھر چلے جاؤ۔ جب غصہ فرو ہو جائے تو اصل واقعہ پر غور کرنا کہ جو کچھ میں نے سُنا ہے وہ کہاں تک درست ہے اور اگر واقعہ سچا ہے تو کیا اس کا انتقام لینا ضروری ہے یا اس سے چشم پوشی کرنا چاہیئے اور اگر تمہاری یہ رائے قائم ہو کہ انتقام لینا چاہیئے تو اُس کے اشکال سوچنا کہ کس صورت سے انتقام لینا چاہیئے۔ اس وقت تو تم لاٹھی لے کر سر توڑنے جانا چاہتے ہو۔ اگر میرے مشورہ پر عمل کرنے کے بعد تمہاری رائے انتقام لینے کی قائم ہو جائے تو میں یہ صلاح دیتا ہوں کہ سر توڑنے کی بجائے اُن کو جان سے مار ڈالنا۔

چنانچہ ہمارے اس مشورہ پر عمل کیا گیا اور دوسرے روز معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

مغلوب الغضب آدمی کی صحبت سے ہر شخص نفرت کرتا ہے اور دنیا میں ہر قسم کی کامیابی کا حاصل کرنا باہمی اشتراک عمل پر منحصر ہے کیونکہ انسان فطرتاً متمدن واقع ہوا ہے اور اپنے دوست احباب، ملازمان وغیرہ کی امداد اور اشتراک عمل ہی سے ہم بہت سے کام انجام دیتے ہیں اور یہ صرف اُسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم غصہ کو اپنے پاس نہ آنے دیں۔

ایک پُرانا مقولہ ہے کہ ” دنیا میں ہمارا نہ کوئی دوست ہوتا ہے اور نہ ہمارا دشمن صرف ہمارا برتاؤ ہی ہمارے دوست اور دشمن بنا دیتا ہے “

دنیا میں کامیاب ہونے کا یہی اصول ہے کہ جن لوگوں کے بعض عادات و خصائل
ہم کو پسند نہ ہوں تو اپنے کام میں اُن کی امداد حاصل کرنے کے لئے ہم اُن کے ساتھ
شریفانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کریں۔

بے وقوف اور تنگ مزاج کو بہت جلد غصہ آجاتا ہے جس طرح کہ خشک لکڑی
ذرا سی آگ سے فوراً جل جاتی ہے لیکن سمجھدار اور عالی ظرف شخص مثل پہاڑ کی چٹان
کے ہوتا ہے جس کو سخت طوفان بھی نہیں ہلا سکتا ہے۔

لیکن نیک اعمال کے تحفظ کے لئے اظہارِ ناراضی مذموم فعل نہیں ہوتا ہے بلکہ
یہ تو خودداری میں داخل ہے کسی قسم کی توہین کو برداشت کر لینا بزدلی کی علامت ہے
اور یہ بات خودداری کے خلاف ہے۔ مذموم اور بے جا افعال سے ناراضی ظاہر کرنا
اور اہانت آمیز باتوں سے خفا ہو جانا خودداری میں داخل ہے اور عین شرافت کا
جوہر سمجھا جاتا ہے۔

---

(۶۹) پابندیِ اوقات PUNCTUALITY

ہر ایک کام کو مناسب وقت پر انجام دینے کو پابندیِ اوقات کہتے ہیں۔ اور
اس کی تعلیم خود قادر ذوالجلال نے ہم کو دی ہے مثلاً مسلمانوں پر پانچ وقت کی
نماز فرض کی گئی ہے۔ ہر ایک نماز ادا کرنے کا وقت خدا وند کریم نے خود مقرر کر دیا ہے اور
یہ فرض صرف اسی صورت میں انجام پاتا ہے کہ نماز معینہ وقت پر ادا کی جائے۔

غور کرنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا میں ہماری زندگی محدود ہے اور بے شمار
کام اس مختصر اور محدود زندگی میں ہم کو انجام دینے ہیں اگر اوقات کی ہم پابندی
نہ کریں تو ان سب کاموں کو ہم کس طرح انجام دے سکیں گے اس لئے ہم کو ہر ایک

کام کے لیئے ایک خاص وقت مقرر کرنا چاہیئے اور ہر ایک کام کو اُس کے معینہ وقت پر انجام دینا چاہیئے۔

وقت کی پابندی کی عادت بچپن ہی سے ڈالنا چاہیئے۔ خاص کر طلبا رکے لیئے وقت کی پابندی سیکھنا اشد ضروری ہی۔ چنانچہ جو طلبا رکہ وقت کے پابند ہوتے ہیں وہ علی الصباح بیدار ہوتے ہیں۔ حوائج ضروری سے فارغ ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز پڑھکر ناشتہ کرتے ہیں پھر اسکول جاتے ہیں اور ٹھیک وقت پر پہونچ جاتے ہیں۔ کلاس میں اول صف میں بیٹھتے ہیں اور اُستاد کے درس کو غور سے سنتے اور سمجھتے ہیں۔ گھر واپس آکر اپنا سبق یاد کرنے کے لیئے گھنٹے مقرر کر کے سارا کام وقت پر انجام دیتے ہیں۔ امتحان کے وقت بھی طلبا ر اچھے نمبروں سے پاس ہوتے ہیں اور آئندہ زندگی میں وقت کی پابندی کی عادت اُن کے لیئے ہر قسم کی کامیابی کا موجب ہوتی ہی۔

اس کے برعکس جو طلبا رکہ وقت کی پابندی نہیں کرتے وہ کبھی ٹھیک وقت پر اسکول نہیں پہونچتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ وہ پورا درس نہیں سننے پاتے اس لیئے سبق کے یاد کرنے میں اُن کو بہت زیادہ محنت کرنی پڑتی ہی اور اگر تساہل سے کام لیتے ہیں تو وہ امتحان میں فیل ہوجاتے ہیں اور یہ قبیح عادت دنیا میں اُن کو ہمیشہ ناکام ذلیل اور خوار بناتی ہے۔

(۶۰) ڈسپلن DISCIPLINE.

چند خاص قواعد وضوابط کی پابندی کرنے کی تربیت کو ڈسپلن کہتے ہیں۔ دل و دماغ کو بہت سے ضوابط کی تربیت عرصہ دراز تک دینے کی ضرورت ہی تاکہ شہوانی جذبات، رشک وحسد، حرص وہوا اور دیگر مذموم اوصاف پیدا نہ ہونے پائیں بچپن

ہی سے ڈسپلن کی پابندی کرانی چاہیئے تاکہ اُس کے عادات و خصائل پسندیدہ ہو جائیں جس لڑکے کو کہ اسی کے حال پر آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے وہ لو، دھوپ، سردی، بارش وغیرہ میں آوارہ پھرتا رہتا ہے اور چھچھورپن اختیار کر لیتا ہے اور ان وجوہ سے وہ اکثر بیمار رہتا ہے۔ لیکن جب لڑکے سے ڈسپلن کی پابندی کرائی جاتی ہے وہ علی الصباح بیدار ہوتا ہے، اوقات معینہ پر کھانا کھاتا ہے، اپنا سبق یاد کرتا ہے، اسکول جاتا ہے، ورزش کرتا ہے اور مضرت رساں حرکات سے احتراز کرتا ہے، وہ جوان ہو کر سوسائٹی کے لیے ایک کارآمد فرد بن جاتا ہے۔

لیکن جو لڑکے کہ ڈسپلن کی پابندی نہیں کرتے اور جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں وہ بچپن ہی میں بہت سی بری باتیں سیکھ جاتے ہیں ان کے عادات و اطوار بگڑ جاتے ہیں اور جوان ہونے پر ایسے لڑکوں سے والدین کا ناک میں دم ہو جاتا ہے اور وہ وبال جان اور ننگ خاندان ہو جاتے ہیں اور ہر شخص اُن سے نفرت کرتا ہے۔

ڈسپلن کی زندگی کے ہر شعبہ میں ضرورت ہے لیکن خاص کر پولس اور فوج میں ڈسپلن کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کرائی جاتی ہے۔ فوج میں سپاہی سے لے کر جنرل تک اپنے اعلیٰ افسر کے احکام کی بے چون و چرا تعمیل کرتا ہے اور ہم نے اکثر مشاہدہ کیا ہے کہ بلوہ وغیرہ میں معدودے چند پولس یا فوج کے سپاہیوں نے ہزاروں کے مجمع کو منتشر کر دیا ہے اور اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ سپاہی ایک خاص ڈسپلن کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں اور بلوائی کسی ضابطہ کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔

اسی طرح نظام حکومت بھی ڈسپلن کی پابندی پر منحصر ہے۔ گورنر جنرل سے لے کر دیہاتی چوکیدار تک جس قدر سرکاری ملازم ہیں وہ اپنے افسر بالادست کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ اگر سرکاری ملازمان احکام کی تعمیل نہ کریں تو سارا نظام حکومت درہم برہم ہو جائے اور سارے ملک میں بدامنی اور غدر اور طوائف الملوکی

نمودار ہو جائے۔ اس لئے نہ صرف حکومت کے لئے بلکہ سوسائٹی کا نظام برقرار رکھنے کے واسطے ڈسپلن کی پابندی لازمی اور ضروری ہے۔

(۱۷) حُبِّ وطن PATRIOTISM.

مشہور ہے کہ ؎

حبِّ وطن از ملکِ سلیماں خوشتر ۔ خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر

اور ہم تو یہی کہیں گے کہ ؎

ہندوستاں کے ہم ہیں ہندوستاں ہمارا

اپنے وطن سے محبت کرنے کو حب الوطنی کہتے ہیں۔ اس محبت سے انسان کے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے کہ ہماری اخلاقی قوت بلند ہو جاتی ہے۔ اس جذبہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے ذاتی عیش و عشرت اور فلاح کی چنداں پرواہ نہیں ہوتی وہ ہر وقت اپنے اہل ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی کی تدابیر اور وسائل سوچتا رہتا ہے وہ اپنے ملک کی تعریف سن کر خوش ہوتا ہے اور اپنے ملک کی مصیبت یا کسی قسم کی تکلیف کی خبر سن کر وہ بے حد مضطرب ہو جاتا ہے۔ حب الوطنی کا یہ شریفانہ جذبہ ہر ایک ملک کے باشندے میں پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ افریقہ کا وحشی اور جاہل حبشی اپنے سخت گرم ملک کو پسند کرتا ہے جس میں کہ وہ پیدا ہوا اور اُس نے پرورش پائی اور دنیا کے کسی ملک کو اپنے ملک سے بہتر ہرگز نہیں مانتا ہے۔ گرین لینڈ کا باشندہ جو برف کے مکانوں میں رہتا ہے وہ ہرگز اس بات کو باور نہیں کرتا ہے کہ معتدل آب و ہوا کے شہروں میں اُسے زیادہ آرام مل سکتا ہے۔ اپنے ملک سے فطرتاً انسان کو اُنسیت اور محبت ہوتی ہے چونکہ اسنے بے شمار فائدے اٹھائے ہیں۔ لیکن حقیقی حب الوطنی یہ ہے کہ وطن پرستی کے جذبہ سے

کچھ عملی کام بھی لیا جائے۔ وطن سے صرف زبانی محبت کا اظہار کرنے کے علاوہ
اپنے وطن کی فلاح اور بہتری کے واسطے بھی کوئی کام کرنا چاہیے۔ حقیقی حب الوطنی
یہ ہے کہ اپنی ذاتی ناموری، آرام و آسائش اور اپنی جان تک کو اپنے اہل وطن
کی فلاح کی خاطر قربان کر دیں۔ ملک کی خرابیاں، ہموطنوں کی کمزوریاں دور
کریں اور ان کی ترقی کے وسائل بہم پہنچائیں۔

ہندوستان میں بہت سے لوگ اور مخصوصاً حب الوطنی کی مثال ہیں سرسید، نواب
محسن الملک، نواب وقار الملک، بنگال میں مسٹر تلک، مسٹر گوکھلے، جسٹس راناڈے
دادا بھائی نوروجی، فیروز شاہ مہتہ، مدن موہن مالویہ اور گاندھی جی وغیرہ نے پبلک کی بڑی
اگرچہ ہر ایک شخص اپنے ملک کی ہمدردی کے واسطے ایسے عظیم الشان کارنامے
نہیں کر سکتا ہے جیسے کہ مذکورہ بالا حضرات نے کئے ہیں لیکن ہر شخص پر وطن کا اس قدر
حق ضرور ہے کہ وطن کی فلاح اور بہبود کے کاموں میں جہاں تک ہو سکے بہی خواہوں کی
حتی الامکان امداد کرے۔

لیکن حب الوطنی کا جذبہ اگر تعصب کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو وہ ملک کو بجائے
فائدہ کے سخت مضرت پہنچانے کا موجب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اپنے دل کو تعصب سے
ہمیشہ پاک و صاف رکھنا چاہیے۔

POVERTY. (۴۷) افلاس

افلاس کے معنی ضرورت کے ہیں اس لئے مفلس وہ ہے جس کو ضروریات زندگی
میسر نہ آسکیں۔ افلاس کی مصیبتیں حد بیان سے باہر ہیں۔ مفلس آدمی جب بیمار پڑ جاتا ہے
تو روزمرہ کے مصارف کے علاوہ معالجہ کے خرچ کا اور بار اس پہ پڑ جاتا ہے اور

اُس کی زندگی وبال جان ہوجاتی ہے۔

مفلسی کبھی تو کاہلی اور نا قابلیت کے باعث اور کبھی مخالف اسباب اور واقعات پیش آجانے سے نمودار ہوتی ہے وہ واقعات خواہ اتفاقیہ ہوں یا شومی تقدیر سے پیدا ہوگئے ہوں۔ اگرچہ یہ کہنا بجا ہے کہ انسان اپنا احول خود تیار کرتا ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ لیسا اوقات ایسے حالات خود بخود پیدا ہوجاتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہوکر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی ساری عمر مصیبت ہی میں گزر جاتی ہے اور وہ جانتے ہی نہیں کہ آرام اور اطمینان کی زندگی کس کا نام ہے۔ غریب لوگوں کو یہ موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور اپنی جہالت کے باعث وہ دنیا میں ہر قسم کی ترقی سے محروم رہتے ہیں۔ انسان میں ترقی کرنے کی حیرت انگیز قوت موجود ہوتی ہے لیکن جب خوش نصیبی سے اُسے ترقی کے موقعے میسر آجاتے ہیں تو اس کی راہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ رفع ہوجاتی ہیں اور وہ ترقی کرتے کرتے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ خود بھی آرام وچین سے زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے غریب بھائیوں کی بھی دست گیری کرسکتا ہے۔

افلاس کبھی تو اپنے ہی کرتوت کا نتیجہ ہوجاتا ہے اور کبھی ناگزیر واقعات کے رونما ہونے سے پیدا ہوجاتا ہے۔ افلاس کی وجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن انسان کو خود محنت سے جی چرانا نہیں چاہیئے اور نہ مایوس اور پست ہمت ہونا چاہیئے بلکہ مردانہ وار افلاس دُور کرنے کی تدابیر کرنا چاہیئے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ راستہ اور موسم صاف ہونے کی حالت میں جہاز نہایت اطمینان کے ساتھ پوری رفتار سے چلا جاتا ہے لیکن جب سمندر میں طوفان آجاتا ہے اس وقت جہاز چلانا تو درکنار اُسے قابو میں رکھنا بھی سخت دشوار ہوجاتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص کے واسطے شاہراہ زندگی صاف اور آسان گزار نہیں ہوتی ہے۔ فی الحقیقت قابل ستائش وہی لوگ ہیں

جو مصیبتوں کا مقابلہ مردانہ وار کرتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ افلاس مایوس کن ہوتا ہے اور اس زمانہ میں بھی جو ترقی اور قابلیت کا دور مانا جاتا ہے نہایت قابل مگر مفلس آدمی کی وہ قدر و منزلت نہیں ہوتی ہے جو ایک جاہل دولت مند شخص کی ہوتی ہے لیکن جوانمردی یہی ہے کہ ان غریب لوگ حتی الوسع قابلیت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور پھر ترقی کے میدان میں جو مشکلات اور مصیبتیں پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کرکے اُن کو رفع کرنے کی کوشش کریں۔ انشاء اللہ وہ دنیا میں کامیاب ہو جائیں گے اور تاریخ عالم میں ہزاروں مثالیں درج ہیں اور اس وقت بھی زندہ مثالیں اس حقیقت کی صداقت ثابت کرنے کے لیے موجود ہیں کہ دنیا میں علم کی روشنی غریبوں ہی نے پھیلائی ہے اور ہر قسم کی ترقی کرنے کی راہیں غریب آدمیوں نے ہی نکالی ہیں۔ دنیا میں جس قدر قابل آدمی گزرے اور اس وقت بھی موجود ہیں اُن کی زندگی مفلسی ہی میں بسر ہوئی ہے۔ اس لئے مفلسی کو عیب نہیں سمجھنا چاہیئے۔ غریب آدمی ہی کے دل میں ترقی کا جذبہ فطرتاً پیدا ہوتا ہے اور جب تقدیر یاوری کرتی ہے تو چند روز میں نحوست کے بادل گزر جاتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں اس وقت جس قدر کروڑ پتی ہیں اُن میں سے تقریباً ہر شخص نے انتہائی افلاس سے ترقی کرکے موجودہ رتبہ پایا ہے۔

SPORTS & GAMES. (۴۳) ورزشی کھیل

تندرستی کے لئے ورزشی کھیل ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہمارے واسطے کھانا اور پینا ہے۔ لیکن ہندوستان میں اس کی جانب بہت کم توجہ کی جاتی ہے اور اس عدم توجہی کا ہمارے طلباء کی صحت پر نہایت مضر اثر پڑتا ہے۔ سکولوں میں

برعکس انگریز ورزشی کھیل کے عام طور پر عادی ہیں اور نہ صرف لڑکے بلکہ بڈھے آدمی تک ورزشی کھیل کھیلتے ہیں اور اسی وجہ سے عام طور پر انگریز تندرست اور قوی الجثہ ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں بھی کھلے میدان میں ورزشی کام کرنے کا رواج تھا جس سے ہمارے بزرگ نہایت تندرست اور طاقتور ہوتے تھے لیکن اسکولوں اور کالجوں میں کتابی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے اور ان کی جسمانی صحت کی چنداں پروا نہیں کی جاتی اور اس کا نہایت مضرت ناک اثر ہمارے لڑکوں کی تندرستی پر پڑتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے ورزشی کھیلوں کی طرف ہمارے طلبا نے توجہ کرنی شروع کی ہے اور انگریزی کھیل کرکٹ، فٹ بال، ہاکی اور ٹینس کھیلنے لگے ہیں۔ لیکن ہندوستان کی آب و ہوا اور افلاس کو مدِ نظر رکھکر ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسی ورزش رائج کی جائے جس میں صرفہ کم ہو اور جس سے صحت کو کافی فائدہ پہونچ سکے اور ہماری رائے میں پرانے زمانہ کے ہندوستانی ورزشی کھیل مثلاً کشتی چلانا، تیرنا، کبڈی وغیرہ بآسانی رائج کئے جا سکتے ہیں۔

ورزش خواہ ہندوستانی ہو یا انگریزی بہرحال صحت قائم رکھنے کے لئے اس کی شدید ضرورت ہے۔

انگریزی ورزشی کھیل بھی فوائد سے خالی نہیں ہیں چنانچہ ان سے ورزش کے علاوہ اطاعت، ایمان داری اور اشتراک عمل کو ترقی ہوتی ہے اور یہ اوصاف ضرور قابل قدر ہیں۔ روایت ہے کہ ایٹن اسکول کے کھیل کے میدان میں جنگ واٹرلو میں فتح یابی حاصل ہوئی تھی۔ اس روایت میں کہاں تک صداقت ہے یہ ہماری بحث سے خارج ہے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انگریزی اسکولوں میں ورزشی کھیل پر بہت زیادہ توجہ کی جاتی ہے۔

PRESENCE OF MIND. (۷۴) اطمینانِ قلب

جب کوئی شخص کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے اور اُس وقت وہ استقلال اور اطمینان کے ساتھ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی تدابیر میں لگا رہتا ہے تو اسے اطمینانِ قلب کہتے ہیں۔ یہ لوگ کسی وقت بھی مصیبت سے نہیں گھبراتے ہیں بلکہ اپنی پوری قوت سے ہر قسم کی مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کے دفعیہ کی تدابیر نکال لیتے ہیں۔ کسی خطرہ کا ان کے استقلال پر اثر نہیں پڑتا ہے۔ زندگی کے ہر ایک مرحلہ میں فلاح و بہبود اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے اطمینانِ قلب کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ زندگی میں اکثر حادثات پیش آتے رہتے ہیں اور ان حادثات کے رونما ہونے کے وقت اطمینان قلب کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بڑے آدمیوں مثلاً مدبرین، وکلا، اور اعلیٰ افسران کو اطمینان قلب سے کام کرنے کی شدید ضرورت ہمیشہ آتی ہے اور یہ صفت ان ہی لوگوں میں زیادہ تر پائی جاتی ہے۔ مستقبل ہمیشہ تاریک ہوتا ہے اور ہزاروں واقعات اور ناگزیر حادثات اور مصیبتیں اکثر پیش آجاتی ہیں جن کا پیشتر سے کسی کو علم نہیں ہوتا ہے اور ایسی صورت میں صرف اطمینان قلب ہی ایسی صفت ہے جس کے وسیلہ سے انسان مردانہ وار مقابلہ کرکے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو اطمینانِ قلب سے کام کرنے کی عادت پیدا کرنی چاہئیے۔

ECONOMY. (۷۵) کفایت شعاری

روپیہ کو دانشمندی سے صرف کرنے کو کفایت شعاری کہتے ہیں یعنی فضول خرچی اور بخل کی درمیانی حالت کا نام کفایت شعاری ہے۔ اور ہر ایک امیر اور غریب آدمی

کو اسی زرّیں اصول پر عمل کرنا چاہیئے۔

بعض بے پروا آدمی نہایت فضول خرچ ہوتے ہیں کیونکہ اُن کا عمل اس مقولہ پر ہوتا ہے کہ ؎

اب تو یاں چین سے گزرتی ہے ؛ عاقبت کی خبر خدا جانے

یہ لوگ اپنی موجودہ حالت سے اس قدر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ وہ آئندہ کی کچھ پروا نہیں کرتے ہیں اور یہ طرزِ عمل نہایت مہلک اور تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "فضول خرچی سے تو خزانے خالی ہو جاتے ہیں"۔ ایسے لوگ خواہ اُن کے پاس کیسی ہی وافر دولت کیوں نہ ہو چند روز میں مفلس قلاش ہو جاتے ہیں اور اُن کی فضول خرچی ہی اُن پر مصیبت و ادبار لانے کا باعث ہوتی ہے۔

یہ امر بخوبی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ ہمارے اخراجات کا انحصار کلیتاً ہمارے طرزِ زندگی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ جن کی آمدنی صرف چالیس پچاس روپیہ ماہوار کی ہوتی ہے وہ اسی قلیل آمدنی میں اپنے اہل و عیال کی پرورش کر لیتے ہیں اور اس کے برعکس بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی آمدنی سیکڑوں روپیہ ماہوار کی ہوتی ہے۔ اس پر بھی اُن کی گزر نہیں ہوتی اور وہ مقروض ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص یہ شکایت کرے کہ میری آمدنی میرے اخراجات کے لئے کافی نہیں ہوتی ہے تو آپ کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے اپنی زندگی کا معیار اپنی آمدنی سے زیادہ بلند اختیار کر رکھا ہے۔ اس لئے یہ کھلی ہوئی حماقت ہے کہ اس قسم کا معیار زندگی اختیار کیا جائے۔ یہ پُرانا مقولہ بالکل درست ہے کہ "چادر دیکھکر پاؤں پھیلانے چاہئیں"۔

اکبر الہ آبادی کی یہ نصیحت ضرور قابل عمل ہے کہ: ؎

گر ضرورت کوئی لاحق ہو تو بازار کو جا ؛ ورنہ بازار میں تجھ کو لگے ضرورت پیدا

(۵۹) روپیہ پس انداز کرنا — THRIFT.

روپیہ بچانے کی عادت فی الحقیقت نہایت عمدہ ہوتی ہے کیونکہ فضول خرچی سے
ساری دولت تباہ ہو جاتی ہے اور فضول خرچ نان شبینہ کے لیے محتاج ہو جاتا ہے
اس سے روپیہ پس انداز کرنے کی عادت ہر شخص کو اختیار کرنی چاہیے۔ جو شخص
اپنی ماہوار آمدنی خرچ کر ڈالتا ہے وہ فی الحقیقت اس شخص کے مقابلہ میں غریب ہے
جس کی آمدنی اس سے اگرچہ کم ہے مگر وہ کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیتا ہے۔

بعض لوگ اس شیخی و غرور کی بدولت زیادہ صرف کرنے لگتے ہیں کہ لوگ ہم کو
امیر آدمی تصور کرنے لگیں اور یہ جھوٹی شیخی اور غرور ان کو بہت جلد تباہ کر کے
مفلس قلاش بنا دیتا ہے۔

چنانچہ ہمارے وطن میں ایک رئیس نے جن کی جائداد کی آمدنی دو سو ڈھائی سو
روپے ماہوار کی تھی اور قصبہ میں وہ نہایت آرام و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر
کر سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے فضول خرچی سے کام لیا اور اس مرض کو اس قدر
ترقی ہوئی کہ ایک بار روپیہ کا کوئی مصرف سمجھ میں نہ آیا تو ایک روز بلی کو روزہ
رکھوایا اور بلی کے روزہ کی تقریب میں کئی ہزار روپیہ صرف کر دیا۔ اس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ جو ہے فا قدرے۔ چند روز میں ان کی ساری جائداد تباہ ہو گئی
اور وہ نان شبینہ سے محتاج ہو گئے۔

عیش پرستی سے ہم فضول اپنا روپیہ برباد کرتے ہیں اور اکثر اپنی آمدنی سے
زیادہ خرچ کر ڈالتے ہیں بعض اوقات ہم بلا ضرورت چیزیں صرف اس وجہ سے
خرید لیتے ہیں کہ وہ ارزاں ہیں لیکن بلا ضرورت کے کسی چیز کا خریدنا فضول
خرچی میں داخل ہے بعض لوگ اس قسم کے کفایت شعار ہوتے ہیں کہ وہ اس

اصول پر عمل کرتے ہیں۔ اشرفیاں لٹیں اور کوئلوں پر مہر۔ یعنی چند پیسے صرف کرنے میں وہ کفایت شعاری اور بخل سے کام لیتے ہیں لیکن ہزاروں روپیہ بلا ضرورت صرف کر ڈالتے ہیں۔ اس قسم کی عادت بھی انتہائی درجہ کی حماقت میں داخل ہے۔ مناسب تو یہی ہے کہ اول ضروریات زندگی کو پورا کیا جائے اور اس کے بعد کچھ رقم پس انداز کی جائے۔

روپیہ بچانے کی عادت بچپن ہی سے ڈالنی چاہیئے کیونکہ فضول خرچی کا عادی ہونے کے بعد روپیہ بچانا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔

جو ان آدمی بالعموم فضول خرچ ہوتا ہے اُسے دنیا کا چنداں تجربہ تو ہوتا نہیں اس لئے وہ بلا پس و پیش روپیہ صرف کر ڈالتا ہے اور اس کے انجام پر کبھی غور نہیں کرتا زندگی میں نشیب و فراز ہوتا ہے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ آئندہ کیا حالت ہونے والی ہے ممکن ہے کہ ہماری ملازمت جاتی رہے، ہم بیمار پڑ جائیں یا کوئی ایسا اتفاقیہ حادثہ پیش آجائے جس سے کہ ہم روپیہ پیدا کرنے سے معذور ہو جائیں یا ہمارا انتقال ہو جائے اور ہماری بیوی بیوہ ہو جائے اور بچے یتیم ہو جائیں۔ بیمار ہونے کی حالت میں علاج معالجہ کے لئے روپیہ درکار ہوگا۔ اگر کسی سے مقدمہ بازی ہو جائے تو اُس کے لئے روپیہ چاہیئے۔ اگر ہم نے روپیہ پس انداز نہیں کیا ہے تو فرمائیے کہ ایسی صورتوں میں ہم کہاں سے روپیہ لائیں گے۔

اور یہ بھی بخوبی یاد رکھئے کہ ہمیشہ جوانی اور جوانی کی قوت ہمارے اعضاء میں نہیں رہے گی۔ بڑھاپا آجانے پر ہمارے قویٰ کمزور ہو جائیں گے ہماری طاقت جواب دے جائے گی، دماغ کام نہ دے گا اور بالآخر ہم کو خانہ نشین ہونا پڑے گا۔ اگر سرکاری ملازمت ۳۰ سال تک کی ہو تو نصف پنشن مل جائیگی ورنہ آمدنی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس لئے جوانی کے عالم میں بڑھاپے کی

فکر کرنی چاہیئے اور اپنی آمدنی سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرنا چاہیئے جو اُس وقت ہمارے کام آئے اور ہم کسی کے دست نگر نہ ہونے پائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ

درد آخر میں مبارک ہے یہ نصیحت

---

(۷۷) تعلیم

EDUCATION.

تعلیم کے لغوی معنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانا۔ روح اور جسم و دل اور دماغ کی قوتوں میں یکسانیت پیدا کرنا ہے۔ لیکن عرف عام میں اساتذہ اسکولوں اور کالجوں میں اپنے شاگردوں کو جو علوم پڑھاتے ہیں اُسے تعلیم کہتے ہیں۔ تعلیم کا مادہ علم ہے اور علم کے معنی دانستن ہے یعنی جاننا۔ جو بات معلوم نہ ہو اُس کا جاننا علم کہلاتا ہے۔

وقت، مقام اور واقعات کے لحاظ سے معیارِ تعلیم مختلف ہوتا ہے۔ قدیم زمانہ میں چونکہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں زیادہ تھیں اور آپس میں جنگ و جدال زیادہ رہتا تھا اس وجہ سے فوجی تعلیم کا زیادہ تر رواج تھا۔ زمانہ حال میں بھی اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر شیخ سنوسی نے اپنے مریدوں کے لئے فنونِ سپہ گری اور فوجی تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دیدیا اور اٹلی سے جنگ شروع ہونے پر ان کے علاقہ کا ہر شخص سپاہی تھا اور اُس نے پوری قوت اور فوجی قابلیت کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کیا۔

ہندوستان میں اب چونکہ برطانیہ کی عملداری ہے اور سارے ملک میں امن و سکون پیدا ہو گیا ہے اس وجہ سے کسبِ معاش کے لئے یہاں پر اسکولوں اور کالجوں میں کتابی تعلیم مختلف علوم کی دی جاتی ہے اور پھر مختلف قسم کے امتحانات لئے جاتے ہیں جن کو پاس کرنے سے فارغ التحصیل طلباء کو سرکاری ملازمت مل جاتی ہے لیکن تعلیم کا مقصد

سرکاری ملازمت بالکل غلط قرار دیا گیا ہے اور اسی وجہ سے روزی کے دروازے بند ہوتے جاتے ہیں اور بے کار تعلیم یافتوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے حصول علم کا مدعا تو یہ ہے کہ انسان میں ہر ایک کام کو سلیقہ کے ساتھ انجام دینے کی قابلیت پیدا ہو جائے اور ایک جاہل شخص کے مقابلہ میں وہ اپنے کام کو بہتر طریقہ پر انجام دے۔

خیر یہ تو ایک طویل بحث ہے اس سے چشم پوشی کر کے ہم بتاتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بھی تعلیم کا مقصد یہ تھا کہ علم کی نورانی مشعل سے جہالت کے بھوت کو بھگا دیا جائے اطوار شائستہ اور اخلاق پسندیدہ بن جائیں، دل و دماغ کی قوتوں کو بیدار کیا جائے اور اپنی زندگی کو سراپا نور اور قابل تقلید مثال بنایا جائے۔ اب بھی دنیا کے ہر گوشہ میں تعلیم کا مقصد درستی اطوار، عادات و خصائل قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے تعلیم یافتہ شخص فی الحقیقت وہی ہے جو نہ صرف کتاب کا کیڑا ہو بلکہ اس کے اوضاع و اطوار پسندیدہ ہوں۔ وہ نہایت شائستہ اور مہذب ہو، اہل حاجت کے حق میں سود مند ثابت ہو، اس کے دل میں نیکی ہو، خود نیک اعمال ہو اور دوسروں کو نیک اعمال کی ہدایت کرے۔ ہر ایک کام کو سلیقہ اور قابلیت کے ساتھ انجام دے سکے۔ ہم کو اس سے چنداں سروکار نہ ہونا چاہیئے کہ اس نے اردو، فارسی، عربی، سنسکرت یا انگریزی زبان میں تعلیم پاکر یہ اوصاف حاصل کئے ہیں۔

دنیا میں ترقی کا نام ہی زندگی ہے اور ہر قسم کی ترقی حصول تعلیم سے میسر آتی ہے اور جہاں پر تعلیم نہ ہوگی وہاں پر کسی قسم کی ترقی نہ ہو سکے گی اور جہالت کا دور دورہ ہوگا جس سے انسان بہائم صفت ہو کر رہ جائے گا۔

شیخ سعدیؒ نے صاف کہدیا ہے کہ ؎ بے علم نتواں خدا را شناخت

یعنی بغیر علم کے ہم خدا کو نہیں پہچان سکتے ہیں۔
تعلیم کے فوائد بے شمار ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں۔ تعلیم ہی سے ہم میں مذاق سلیم پیدا ہوتا ہے۔ ہم اپنی نفسانی خواہشات اور جذبات کو قابو میں رکھ سکتے ہیں تعلیم ہی ہم کو زندگی کے میدان میں جد وجہد کرنے کے قابل بناتی ہے۔ اسی کی بدولت صبر و استقلال پیدا ہوتا ہے۔ جنت بریں کا دروازہ بھی علم ہی کی کنجی سے کھلتا ہے۔ الغرض علم انسانیت کے لئے بہترین زیور ہے اور ہر قسم کا علم تعلیم ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

---

(۶۸) تعلیم نسواں FEMALE EDUCATION

مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہیں۔ صرف ایک پہیہ سے گاڑی نہیں چل سکتی ہے۔ اگر کسی پرند کا ایک بازو ٹوٹ جائے تو وہ صرف دوسرے بازو سے پرواز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ہماری سوسائٹی کی حالت ہے کہ جب تک مرد اور عورت دونوں نے تعلیم نہ پائی ہو ہم پوری رفتار سے ترقی نہیں کر سکتے ہیں۔
تعلیم نسواں کی طرف ہندوستان میں بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ اب کہیں کہیں زنانہ مدرسے کھولے گئے ہیں اور مخالفین اُن کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں۔ تعلیم نسواں کا صحیح اور مناسب پروگرام ابھی تک تیار نہیں ہوا ہے۔ موجودہ تعلیم نسواں کی مخالفت ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ چونکہ زنانہ مدرسے زیادہ تر انگریزی مدارس کے نمونے پر قائم ہوئے ہیں اس وجہ سے یورپین معاشرت کی دلدادہ لڑکیاں بھی ہوتی جاتی ہیں اور ہندوستان جیسے غریب ملک کے لئے

یہ طرز معاشرت کسطرح موزوں نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ علاوہ مصارف کی زیادتی کے اس طرز معاشرت سے لڑکیوں میں بے حیائی اور بیباکی پیدا ہو رہی ہے اور اس خود مختاری و بے باکی سے یورپ کی طرح ہمارے ملک سے بھی عصمت اور عفت کے رخصت ہونے کا قوی احتمال ہے جو ہندوستانی عورت کی قابل فخر صفت ہے اطاعت کا مادہ کم ہوتا جاتا ہے۔ تمردی، گستاخی اور بے ادبی بڑھتی جاتی ہے۔

ہندوستان میں تعلیم نسواں کا رواج نہایت قدیم زمانہ سے ہے اور تاریخ میں تعلیم یافتہ خواتین کے روشن کارنامے جلی حروف میں درج ہیں۔

تعلیم نسواں کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بچّہ کا ابتدائی زمانہ ماں کی گود میں گزرتا ہے اور اس لئے تعلیم یافتہ ماں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنے بچّہ کی تربیت کا ابتدا ہی سے خیال رکھے گی جس کا اثر اُس کی آئندہ زندگی پر ضرور پڑے گا۔

دنیا میں جس قدر نامور اشخاص مثلاً سکندر، نپولین۔ ہمارے ملک میں سرسید محسن الملک، وقار الملک، ودیا ساگر، دیویکانند وغیرہ گزرے ہیں۔ ان سب نے تعلیم یافتہ ماؤں کی گود میں پرورش پائی تھی۔

اس لئے شدید ضرورت ہے کہ ہمارے لیڈر صاحبان تعلیم نسواں کے لئے ایک ایسا پروگرام مرتب کریں جو زمانہ کی ضروریات پورا کرنے کے علاوہ ہندوستانی خواتین کے موروثی اوصاف کو بھی برقرار رکھے۔

(۷۹) حرفت MANUAL TRAINING.

جس تربیت میں کتابوں اور نظریات کی بجائے آلات اور اوزاروں سے

کام لینا سکھایا جاتا ہے اُسے حرفت کہتے ہیں۔ اس قسم کی تعلیم و تربیت میں نجاری، آہنگری،
پارچہ بافی، برقی انجنیری، عملی کیمیائیت، زراعت اور دیگر دستکاری اور صنعتیں
داخل ہیں۔ اس تعلیم کی بدولت طلبا اپنے طالب علمی کے زمانہ میں کچھ نہ کچھ کمانے کے
قابل ہو جاتے ہیں۔

دیگر مہذب اور متمدن ملکوں میں پیشہ وروں کی تعلیم پر بہت زیادہ زور
دیا جاتا ہے اور اس کے متعلق زبردست توجہ اور کوشش کی جاتی ہے تاکہ اُن کے
ملک کو فارغ البالی نصیب ہو جائے۔ لیکن ہندوستان اس معاملہ میں بھی بہت پیچھے
ہے اور اسی وجہ سے ہمارا ملک بہت غریب اور مفلس ہے۔

ہندوستان کے شرفا اور تعلیم یافتہ لوگ حرفت کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں
اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر ملک کے باشندے یہاں کی تجارت اور صنعت و حرفت پر قبضہ
کرتے جاتے ہیں اور وہ اہل ہند کی ضروریات پورا کرنے کے واسطے نہایت خوش نما
اور ارزاں چیزیں تیار کر کے یہاں کے بازاروں میں لاتے ہیں اور خوب نفع اُٹھاتے ہیں۔

ہندوستان میں صرف کتابی تعلیم دی جاتی ہے جو ہماری ضروریات کے لئے
ہرگز کافی نہیں ہے اور نہ ہمارے لئے کسی طرح موزوں ہے۔ ہمارے طلبا کا نصب العین
گریجویٹ ہو جانا ہے اور وہ سرکاری ملازمت مل جانے کے لالچ اور اُمید پر امتحان
پاس کرنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں اور اس کوشش میں وہ اپنی صحت تک خراب
کر ڈالتے ہیں اور کسی قسم کی دستکاری یا صنعت و حرفت سیکھنے کی جانب وہ مطلق توجہ
نہیں کرتے جس کے وسیلہ سے وہ آزادی اور اطمینان کے ساتھ بسر اوقات کر سکیں اور
ہماری تو مستقل رائے یہی ہے کہ ہندوستان میں روزی کا مسئلہ صرف اسی صورت میں
حل ہو سکتا ہے کہ ہمارے طلبا کسی قسم کا ہنر یا دستکاری سیکھنے کی طرف مائل ہو جائیں۔

اب کچھ عرصہ سے بعض یونیورسٹیوں نے صنعتی مدارس قائم کئے ہیں لیکن وہ

بہت ناکافی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سارے ملک میں وسیع پیمانہ پر صنعت و حرفت اور دستکاری کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ اس انتظام سے نہ صرف روزی کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ ہمارے ملک کو مرفہ الحالی نصیب ہو جائے گی اور ہمارا ملک خم ٹھونک کر صنعت و حرفت کے میدان میں غیر ملکوں سے مقابلہ کرنے لگے گا۔

صنعت و حرفت میں مشغول رہنے سے ایجاد کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے کہ دنیا کی معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں کوئی نئی چیز ایجاد کرنے میں جب کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ایسی مسرت محسوس ہوتی ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی ہے اور دن بھر محنت شاقہ کرنے کے بعد جب ہم کو معاوضہ مل جاتا ہے تو پورا اطمینان اور راحت محسوس ہوتی ہے۔ ہماری تندرستی پر محنت کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے اور ہمارا دماغ زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔

(۸۰) برکاتِ تعلیم انگریزی

ADVANTAGES OF ENGLISH EDUCATION.

انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انگریزوں کے چند مخصوص اوصاف ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائیں اور ان ہی اوصاف کی بدولت انگلستان کو دنیا میں عظمت اور وقار حاصل ہوا ہے۔ مثلاً: استقلال، فرض شناسی، قومی ہمدردی، حب الوطنی، پابندیِ اوقات، حکومت کی وفاداری وغیرہ اوصاف ہر ایک انگریز میں صاف نظر آتے ہیں اور ان اوصاف کے پیدا کرنے کا کافی مواد انگریزی ادبیات میں موجود ہے۔ اس لئے انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے انگریزوں کی یہ

خوبیاں ہمارے اندر بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ علاوہ بریں انگریزی تعلیم حاصل کرنے سے ہم ہر شعبہ زندگی کے لئے بہت کار آمد بن سکتے ہیں۔

انگریزی تعلیم ہم کو سبق دیتی ہے کہ مہذب قوموں کی زندگی کس طرح بسر ہوتی ہے۔ دنیا کی مہذب قومیں کیونکر ترقی کرتی ہیں اور آخر ہم کن اصولوں سے عزت و آبرو کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے واسطے روپیہ پیدا کر سکتے ہیں کیا ذرائع ہیں۔

انگریزی زبان میں ہر قسم کے علوم و فنون مثلاً ادبیات، ریاضیات، فلکیات، سیاسیات، تاریخ، مذہب، سائنس وغیرہ موجود ہیں۔ اس لئے انگریزی تعلیم پانے سے ایک ہی وقت میں ہم بہت سے علوم حاصل کر سکتے ہیں۔

انگریزی تعلیم کی بدولت روزی کے بہت سے دروازے ہمارے واسطے کھل جاتے ہیں۔ انگریزی زبان کی بدولت ہندوستان کے مختلف صوبوں کے باشندوں میں اتحاد اور ارتباط اور تبادلہ خیالات بآسانی ہو سکتا ہے۔ چونکہ انگریزی زبان کا رواج کم و بیش دنیا کے ہر حصہ میں ہے۔ اس لئے ہم انگریزی زبان کے وسیلہ سے روئے زمین کے ہر گوشہ سے مراسلت کر سکتے ہیں۔

انگریزی تعلیم کی بدولت ہمارے ملک میں جسٹس امیر علی، عماد الملک، ہز ہائنس سر آغا خان، مولانا محمد علی، ڈاکٹر سر اقبال، ڈاکٹر ضیاء الدین، سر علی امام، مسٹر گوکھلے، جسٹس رانا ڈے، فیروز شاہ مہتہ، مسٹر گاندھی، پنڈت مدن موہن لوی، سر سریندر ناتھ بنرجی، دادا بھائی نوروجی، مسٹر تلک، ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور، راجہ موہن رائے، رمیش چندر دت وغیرہ جیسے قابل اور نامور اشخاص تیار ہوئے جن کی علمی قابلیت کا سکہ نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان اور دیگر مہذب ممالک پر بیٹھ گیا۔

EARLY RISING. سویرے اُٹھنا (۸۱)

یہ مقولہ یقیناً سچا ہے کہ سویرے سونے اور سویرے اُٹھنے سے صحت، دولت اور فہم و فراست حاصل ہوتی ہے۔

سحر خیزی سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ صبح کی صاف ستھری ہوا سے صحت درست ہوتی ہے طبیعت کو ایک قسم کی فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہے جس سے دن بھر انسان ہشاش بشاش رہتا ہے۔

صبح کے وقت مطلع صاف ہوتا ہے۔ ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ درختوں پر چڑیاں چہچہاتی ہیں۔ ہرے ہرے کھیت اور سبزہ زار اور درخت دیکھنے سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے اور اس خوشنما اور پرکیف منظر سے صرف وہی لوگ حظ اٹھاتے ہیں جو سویرے اُٹھنے کے عادی ہیں اور اسی کی بدولت جسم میں نئی روح، تازگی اور قوت محسوس ہونے لگتی ہے۔

سویرے اُٹھنے والے اپنا کام جلد شروع کر دیتے ہیں اور زیادہ کام کرنے کا معاوضہ بھی زیادہ پاتے ہیں۔

والدین اور اساتذہ کو لازم ہے کہ وہ لڑکوں کو سویرے اُٹھنے کا عادی بنا دیں تاکہ بچپن ہی سے ان میں سویرے اُٹھنے اور کام کرنے کی عادت پیدا ہو جائے جو مدت العمر ان کے حق میں سودمند ثابت ہوگی۔

EXERCISE. ورزش (۸۲)

بے شک بغیر ورزش کے تندرستی ٹھیک نہیں رہ سکتی ہے اور اس میں بھی کلام

نہیں کرتے [illegible] بہت [illegible] تندرستی اور حفاظت کا ضروری جزو ہے
ورزش ہی جب شخص کی صحت خراب ہو تو [illegible] ہوتا ہے
مثل مشہور ہے کہ [illegible] بر عضو ضعیف می [illegible] یعنی [illegible] پر زیادہ گرا کرتا ہے۔

ہمارے ملکوں کے طلباء [illegible]
کہ دن رات بیٹھے محنت شاقہ کرتے ہیں [illegible] ورزش نہیں کرتے ہیں اور اسی
وجہ سے ضعف معدہ کی شکایت [illegible] ہی کو ہوا کرتی ہے۔

جسم کے لحاظ سے ورزش کرنی چاہیئے [illegible] طالب علم کو لازم ہو اور کھلے
میدان میں صبح و شام سیر بھی کرنی چاہیئے۔ قوی الجثہ طالب علم کو دیسی کثرت یا [illegible]
کرنی چاہیئے۔ کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال سے بھی کافی ورزش ہوتی ہے۔ ضعف معدہ
کی شکایت کثرت کرنے سے بہت جلد رفع ہو جاتی ہے۔

انگریزی عملداری سے پیشتر ہندوستان میں کبڈی، گلی ڈنڈا، گیری کھیلنا،
درختوں پر چڑھ کر پھل توڑنا، تالاب یا دریا میں تیرنا، دیسی کثرت کرنا، مگدر پھیرنا
وغیرہ ورزشی کھیلوں کا رواج تھا اور اسی وجہ سے ہمارے بزرگوں کی صحت بہت
عمدہ ہوتی تھی اور وہ نہایت قوی الجثہ ہوتے تھے۔ ورزش سے قوائے جسمانی
مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان کو فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہے اور وہ ہر ایک
کام کو جس میں محنت شاقہ کی ضرورت ہو نہایت آسانی سے انجام دے سکتا ہے۔
دنیا میں ہر ایک کام کو انجام دینے کے لئے تندرست ہونے کی ضرورت ہے اور چونکہ
تندرستی کا انحصار ورزش پر ہے اس لئے ورزش کو زندگی کا ضروری جزو
قرار دے دینا چاہیئے۔

(۴۸) اخبارات NEWS PAPERS.

اخبار زمانۂ حال کی تاریخ کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اخبار کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ ہر ایک مہذب قوم کی ضروریات زندگی کا جزو بن گیا ہے۔ رائے عامہ کے اظہار کا وسیلہ صرف اخبار ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ اخبار میں ہر شخص مثلاً وکیل، ڈاکٹر، تاجر، مقرر، زمیندار، کاشتکار وغیرہ کو اپنے مفید مطلب معلومات میسر آجاتی ہے۔ بادشاہ اور حکام کسی خاص مسئلہ کے متعلق اخبار ہی سے رائے عامہ معلوم کرتے ہیں اور اپنی رائے کا اظہار اخبار ہی کی وساطت سے کیا کرتے ہیں۔ اس لئے حکمران اور رعایا کے مابین مراسلت کا وسیلہ اخبار ہی ہوتے ہیں۔ تاجران کو اخبار سے ہر ایک منڈی کا نرخ اور تجارت کے متعلق اس قدر معلومات حاصل ہو جاتی ہے جو کسی اور ذریعہ سے انھیں ہرگز بہم نہیں پہونچ سکتی تھی۔ ورزشی کھیل مثلاً: کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، ٹینس میچ اور گھوڑ دوڑ کی خبریں اخبار میں برابر شایع ہوتی ہیں اور جن لوگوں کو ان سے دلچسپی ہے وہ گھر بیٹھے سارا حال پڑھ لیتے ہیں۔ طلباء کو دنیا بھر کی خبریں ملتی ہیں اور اس طرح اُن کو اپنے ملک کے علاوہ دنیا بھر کے حالات معلوم ہونے سے اُن کی معلومات میں کافی اضافہ ہو جاتا ہے جو اُن کے حق میں نہایت سود مند ہوتا ہے۔

مصلحانِ قوم اپنے خیالات کی اشاعت اخبار ہی کے ذریعہ سے کیا کرتے ہیں۔ سرکاری ملازمان کی بے جا کارروائیوں اور جبر و استبداد کی شکایتیں اخبار میں شایع ہوتی رہتی ہیں۔ حکومت اُن کے متعلق تحقیقات کرتی ہے اور صحیح ثابت ہونے پر انسداد کر دیتی ہے۔ سیاسیات کی تعلیم کی اشاعت کے واسطے اخبار ہی بہترین وسیلہ ہوتا ہے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کے فروغ دینے کا بہترین ذریعہ اخبار میں اشتہار شایع کرانا ہے۔

قدیم زمانہ میں جب اخبارات موجود نہ تھے اُس وقت کسی خبر کی اشاعت کرنا نہایت دشوار کام تھا صرف خطوں اور ہاتھ سے لکھے ہوئے خبرناموں کی اشاعت سے خبر ایک محدود حلقہ تک کر سکتے تھے اور اس میں بھی بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا تھا۔

ہندوستان میں سب سے پہلا اخبار انڈیا گزٹ ۱۷۸۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد بنگال میں چند اور اخبارات بھی شائع ہونے لگے مگر لارڈ لٹن نے ایک پریس ایکٹ تیار کیا جس کی رو سے دیسی زبان میں اخبار کا شائع کرنا ممنوع قرار دیا گیا مگر لارڈ رپن نے اس قانون کو منسوخ کر دیا اور اس وقت سے مطابع اور اخبارات کا رواج ترقی کرنے لگا اور اب ہر ایک صوبہ سے نہ صرف انگریزی زبان میں بلکہ ہر صوبہ کی دیسی زبان مثلاً اردو، ہندی۔ بنگالی، گجراتی۔ مرہٹی۔ تلنگی وغیرہ میں نہایت اعلیٰ درجہ کے اخبارات اور رسائل شائع ہو رہے ہیں۔

---

(۸۴) اپنا گھر MY HOME.

مستقل سکونت کے مقام کو گھر کہتے ہیں۔ ہماری گزشتہ زندگی کی بہت سی پیاری باتوں کی یاد اپنے گھر سے وابستہ ہوتی ہے۔ صرف جائے قیام کو اپنا گھر نہیں کہہ سکتے اگر کسی عالیشان محل میں ہم نہایت عیش و عشرت کے ساتھ چند روز گزار دیں تو اسے اپنا گھر ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ گھر تو وہی ہے جہاں ہم پیدا ہوئے اور اپنے والدین کے ظل عاطفت میں ہم نے پرورش پائی اور اپنی زندگی کے ابتدائی ایام اپنے ہم عمروں عزیزوں اور بچپن کے یاروں کے ساتھ کھیل کود میں گزارے ہیں۔ وہاں کے مدرسہ میں ہم نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اُس وقت ہمارے بہت سے دوست تھے۔ اُس زمانہ کی یاد سے بچپن کے بہت سے واقعات تازہ ہو جاتے ہیں کہ فلاں وقت جب ہم بیمار ہو گئے تھے تو

ہماری ماں کیسی بے چین تھی، راتوں کی نیند اُس کے لئے حرام ہو گئی تھی۔ ابا جان نے دوڑ دھوپ اور علاج و معالجہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ فلاں مولوی صاحب نے کیسی شفقت اور پیار سے ہم کو قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی کتابیں اور حساب سکھایا تھا۔ فلاں فلاں دوستوں کے ساتھ ہم آنکھ مچولی، لمب لمب، شاہ نشین، گلی ڈنڈا، گیند بلا اور کوڑی جھپک کھیلتے تھے۔ الغرض اُس زمانہ میں دن عید اور رات شب برات تھی۔ الغرض اپنا گھر نہایت عزیز، نہایت محبوب اور ہماری دنیا کی بہشت ہے اور جو لوگ ملازمت یا کسی کاروبار کی وجہ سے باہر رہتے ہیں اُن کو تعطیل یا فرصت نصیب ہونے پر اپنے گھر ضرور جانا چاہئے۔

TRAVELLING. (۸۵) سیاحت

اب سیر و سیاحت ہماری تعلیم کا ایک ضروری جز بن گیا ہے۔ اسکول اور یونیورسٹی کی کتابی تعلیم کی تکمیل اُسی وقت ہو سکتی ہے کہ ہم دُور دراز مقامات اور غیر ممالک کی سیر و سیاحت کریں۔ کتاب کے کیڑے کو تاریخی مقامات سے کوئی خاص دلبستگی نہیں ہو سکتی ہے اُسے تو صرف اُن کے نام معلوم ہو جاتے ہیں۔ وہ اس قدر ضرور جانتا ہے کہ پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودی اور بابر سے احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں سے جنگ ہوئی تھی۔ دہلی کسی زمانہ میں ایک عظیم الشان شہر تھا۔ یونانی اور رومی کسی زمانہ میں دنیا کی مشہور قومیں تھیں لیکن اگر وہ ان تاریخی مقامات کی خود جا کر سیر کرے گا تو وہاں کی پرانی تاریخ کے واقعات تازہ ہو جائیں گے اور جن بزرگوں نے ان مقامات کو تاریخی اہمیت عطا کی ہے اُن کے کارنامے پیش نظر ہو جائیں گے اور پھر پانی پت، دہلی، ایتھنز اور روم کا ایک دائمی اثر اُس کے دل و دماغ پر ضرور پڑ جائے گا۔

سیر و سیاحت سے دنیا کی زندہ قوموں کے صحیح اور چشم دید حالات ہم کو معلوم ہو جاتے ہیں
ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر ترقی یافتہ ہیں کس قدر قومیں آباد ہیں اور وہ کس
حالت میں ہیں۔ پہلے گھر بیٹھے دنیا کی سیر کی تحریک ہوتی تو ہم کو روئے زمین کے حالات معلوم
ہو جاتے تھے۔ اسی طرح جغرافیہ کی کتابوں میں سیر و سیاحت سے قدرت کا نظارہ ہو کر مختلف ملکوں کی
سیر کرنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں فلاں ملک میں یہ یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور ان
کے وسائل اس قسم کے ہیں کاشت کا یہ طریقہ ہے اور اس قدر دولت پیدا ہوتی ہے۔ لوگوں کی
ضروریات اس قسم کی ہیں وہ اپنے ملک میں تاجر بن کر ہم اپنی تجارت کے تعلقات
کو فلاں فلاں ملک سے قائم کر سکتے ہیں اور فلاں فلاں اشیاء کی تجارت سے ہم
اس قدر نفع اٹھا سکتے ہیں۔

سیر و سیاحت سے ہماری ہمدردی کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور سنی سنائی باتوں سے
اگر کسی قوم سے ہم کو نفرت ہے اور ہمارے دل میں تعصب پیدا ہو گیا ہے تو وہاں کے حالات
خود دیکھنے سے وہ نفرت اور تعصب رفع ہو جائے گا۔ غیر ملکوں کے باشندوں سے میل جول
پیدا ہو جانے سے ہم کو ان کی خوبیاں اور عادات و خصائل معلوم ہو جائیں گے اور ان کے
کسب معاش کے وسائل سے واقف ہو کر ہم ان کی بہت سی خوبیوں سے خود فائدہ
اٹھا سکیں گے۔

قدیم زمانہ میں سفر کرنا اس قدر تکلیف دہ تھا کہ فارسی مقولہ ہے۔ "سفر صورت سقر دارد"
سفر دوزخ کے ہم شکل ہوتا ہے یعنی نہایت تکلیف دہ۔ لیکن اس کے ساتھ اس کی
ضرورت اور فوائد بھی بتائے گئے۔ چنانچہ فارسی کا یہ بھی مقولہ ہے کہ "سفر موجب ظفر است"
یعنی سفر کامیابی کا وسیلہ ہوتا ہے۔

چونکہ قدیم زمانہ میں سواری کا معقول بندوبست نہ تھا اس وجہ سے صرف امرا
اور حوصلہ مند لوگ ہی وطن سے باہر جانے کی جرأت کیا کرتے تھے مسلمان سیاح

ابن بطوطہ چینی سیاح ہین سانگ، یونانی سفیر میگاستھینز اور واسکوڈی گاما تاریخ ہند میں مشہور و معروف سیاح گزرے ہیں اور انھوں نے جہاں جہاں کی سیر کی ہے وہاں کے نہایت دلچسپ حالات قلمبند کئے ہیں۔

لیکن ہوائی جہاز، دخانی جہاز، ریل، موٹر وغیرہ کی ایجاد سے اب سفر کرنا نہایت آسان ہوگیا ہے اور صرفہ بھی کم ہوتا ہے۔ اب چند روز صرف کرکے بہت سے سیاح ساری دنیا کی سیر کر لیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں انگلستان، امریکہ، جاپان، فرانس وغیرہ سے ہر سال ہزاروں سیاح آتے رہتے ہیں اور ہمارے بہت سے ہم وطن دنیا کے مختلف ملکوں کی سیر و سیاحت کو ہر سال جاتے رہتے ہیں۔

اہل امریکہ اور انگریزوں کو ہوائی جہاز میں سفر کرنے کا بہت زیادہ شوق پیدا ہوگیا ہے۔ لندن سے ہر ہفتہ ہوائی جہاز ہندوستان آتا ہے اور ڈاک اور مسافر اس ہوائی جہاز میں آتے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں روزمرہ موٹر اور ریل سے جس قدر سفر کیا جاتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کے متعلق کچھ لکھنا فضول معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاز، موٹر اور ریل نے ہماری زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

(۸۹) نغمہ MUSIC.

نغمہ سے بہت سے جذبات برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ فوجی نغمہ سن کر بزدل لوگ بھی جوش میں آجاتے ہیں اور ان میں ہمت و بہادری کی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ درد انگیز نغمہ سے دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں

ہر زمانہ میں ہر ایک ملک میں نغمہ کا زبردست اثر تسلیم کیا گیا ہے۔ یونانیوں کا عقیدہ ہے کہ آرفیس کے نغمہ سے پتھر بھی وجد میں آ کر جھومنے لگتے ہیں۔ شہنشاہ اکبر اعظم کے درباری گویے تان سین کے گانے کے حیرت انگیز اثرات زبان زد خلائق ہیں۔ دنیا ابھی تک تان سین اور ان کا استاد نہ پا سکی۔

ہندوستان میں فن موسیقی نے بے حد ترقی کی اور دراصل اس کے قواعد و ضوابط مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے یہاں مختلف اقسام کے راگ اور راگنیاں ہوتی ہیں اور ہر ایک کا موسم اور وقت جدا جدا مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً بھیرویں صبح کو گائی جاتی ہے پوربی شام کے وقت اور بہاگ آدھی رات کو گایا جاتا ہے اور اسی وقت میں پُر لطف معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ بے موقع بات کرنے کو بے وقت کی راگنی (الاپنا) کہتے ہیں۔ ہندوستان میں فن موسیقی کی ترقی کے لئے جس قدر ساز و باجے ایجاد ہوئے ہیں مثلاً سارنگی، ستار، جھنجھنا، ہارمونیم، طبلہ، ڈھولک، نقارہ، جل ترنگ، مردنگ، جھانجھ، بین، بانسری، شہنائی، الغوزہ وغیرہ وہ کسی دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ ساز سے نہ صرف گویے کی رہنمائی ہوتی ہے بلکہ تال سُر ٹھیک رہتا ہے جس سے گانے کے لطف میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔

نغمہ سے انسان کے دل پر زبردست اثر پڑتا ہے اور جو الفاظ خوش الحانی کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں وہ اپنا پورا پورا اثر دکھا دیتے ہیں۔ فی الحقیقت نغمہ روح کی غذا ہے اور خوش آواز گانا سننے سے روح میں تازگی اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

گانے کا اثر نہ صرف انسان پر بلکہ جانوروں تک پر پڑتا ہے۔ چنانچہ بین باجہ سننے سے سانپ پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جنگل کے وحشی جانور مست و بے خود ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان میں فن موسیقی کے ماہرین اب بھی بکثرت موجود ہیں لیکن چونکہ

گانا بجانا ایک رذیل طبقہ کا پیشہ بن گیا تھا اس وجہ سے شرفا نے اس جانب بہت کم توجہ کی مگر اب تعلیم یافتہ حضرات نے اس فن کی طرف توجہ کرنی شروع کی ہے۔ ہمارے صوبہ میں ایک میوزک کانفرنس قائم ہو گیا ہے۔ میوزک کانفرنس کے سالانہ جلسے ہوتے ہیں اور سررشتہ تعلیمات نے اسکولوں میں فن موسیقی کی تعلیم کی اجازت دے دی ہے۔ صوبہ بنگال میں تو عرصہ دراز سے گانے بجانے کا عام رواج ہے اور ہر ایک تعلیم یافتہ بنگالی اس فن سے واقف ہے۔

استاد فن تان سین کا مزار گوالیار میں ہے۔ آپ کا ہر سال عرس ہوتا ہے جس میں تمام ہندوستان کے ماہرین فن موسیقی جمع ہوتے ہیں اور اپنے فن کا کمال دکھاتے ہیں گوالیار میں اب بھی گانے کا رواج ہے اور فن موسیقی کے استاد زیادہ تر گوالیار میں موجود ہیں نغمہ سرائی فطرت انسانی کا ایک لازمی جز ہے چنانچہ مثل مشہور ہے کہ :-

"گانا اور رونا کس کو نہیں آتا"

AMUSEMENT. تفریح (۸۶)

تفریح کی ہر شخص کو ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ مختلف اقسام کے ترددات اور تفکرات اور محنت شاقہ سے انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ مگر تفریح کرنے سے یہ پریشانیاں رفع ہو جاتی ہیں طبیعت کی افسردگی اور تکان دور ہو جاتا ہے جسم میں نئی قوت اور دل میں نئی امنگ اور حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

انسان نہ تو ہر وقت کام میں مشغول رہ سکتا ہے اور نہ ہر وقت متانت اور سنجیدگی سے غور و فکر میں مصروف رہ سکتا ہے۔ اس لئے دن بھر محنت شاقہ کرنے اور دماغ سوزی کے بعد رفع تکان کے لئے تفریح کرنے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے تاکہ کسل رفع ہو جائے

اور طبیعت کی گرانی دور ہو جائے۔

شہروں اور دیہات کے تفریحی مشاغل میں بے حد اختلاف ہوتا ہے مثلاً۔ شہروں میں تھیٹر، سینما، سرکس، فٹ بال، کرکٹ میچ اور تیراکی کے تفریحی مشاغل ہوتے ہیں مگر دیہات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مختلف تیوہار ہولی، دیوالی، دسہرہ، بسنت، سلونا، عید، بقرعید، شب برات، محرم۔ پہلوانوں کے دنگل، پتنگ بازی، بازیگروں کے تماشے، سوانگ، بہیری ہونے، گویوں کا گانا بجانا، ناچ رنگ کی محفلیں وغیرہ تفریحی مشاغل ہیں۔

تفریحی مشاغل کے انتخاب میں یہ بات ضرور مدنظر رکھنا چاہیے کہ وہ صحت بخش بھی ہوں۔ لیکن صحت اور اخلاق پر خراب اثر ڈالنے والی تفریحات سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیے۔ مذہبی تیوہاروں کے تفریحی مشاغل سے ہمارے مذہبی عقیدے راسخ ہو جاتے ہیں اور ہماری مذہبی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ سرکس، سینما، تھیٹر دیکھنے سے نہ صرف تفریح ہوتی ہے بلکہ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ گانے بجانے کے تفریحی مشاغل سے ہماری طبیعت بے حد مسرور اور محظوظ ہوتی ہے۔

اگرچہ تفریح سے صحت بخش اثر ہوتا ہے لیکن ضرورت سے زیادہ تفریح کرنے سے صحت برباد ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی رقص و سرود کی محفل میں اگر گھنٹہ دو گھنٹہ شرکت کی جائے تو اس کا صحت پر عمدہ اثر پڑے گا اور اگر تمام شب اسی میں گزار دی جائے تو رات بھر جاگنے کا اس قدر تکان ہو جائے گا کہ دوسرے روز ہم کام کرنے کے لائق نہیں رہیں گے۔ اس لئے ہمیشہ یہ احتیاط کرنی ضروری ہے کہ صحت یا اخلاق پر مضر اثر ڈالنے والی تفریح سے ہمیشہ اجتناب کیا جائے۔

(۸۸) مثال — EXAMPLE.

مثل مشہور ہے کہ نصیحت سے مثال بہتر ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ چشم دید واقعہ سے ہم جس قدر متاثر ہوتے ہیں اُس قدر کسی نصیحت کے سُننے یا پڑھنے سے ہرگز نہیں ہو سکتے ہیں اس کے ثبوت میں ہم حسب ذیل حقیقت پیش کرتے ہیں تاکہ اس مثل کی صداقت بخوبی ذہن نشین ہو جائے کہ نصیحت سے مثال بہتر ہوتی ہے۔ مثلاً ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ چوری کرنا جرم ہے اور اس جرم کی سزا ملتی ہے اور یہی نصیحت ہم نے اپنے بزرگوں اور استادوں سے سُنی ہے لیکن صرف اس نصیحت کے پڑھنے یا سُننے سے ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ جرم کسے کہتے ہیں اور سزا کیا ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم کسی مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی دیکھیں اور پھر یہ معلوم ہو کہ اس نے چوری کی، اس کی یہ سزا ملی ہے تو چوری کرنے کی بُرائی اور سزا ملنے کا مفہوم اچھی طرح ہمارے ذہن نشین ہو جائے گا۔ چوری کے مجرم کو اس طرح سزا یاب دیکھکر دوسروں کو بھی یہ عبرت ہو جائے گی کہ چوری نہ کرنی چاہیئے۔ اسی طرح نیک اعمال کی مثال یا نمونہ دیکھکر ہم کو کار خیر کرنے کی خواہش اور شوق پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن نصیحت بھی صرف اُسی شخص کی موثر ثابت ہوتی ہے جو خود کسی فعل کا عامل ہوتا ہے۔ چنانچہ جو والدین کہ خود صالح ہوتے ہیں اُن کی اولاد بھی نیک بخت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے گھر میں نیک اعمال کا نمونہ ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں۔ مگر جو شخص کہ خود عامل نہ ہو اُس کی نصیحت اور ہدایت بے سود ثابت ہوتی ہے اور اس کے متعلق یہ کہا جائے گا "خود را فضیحت دیگر را نصیحت"۔

مثلاً: ایک شخص خود شراب پیتا ہے اب اگر وہ کسی دوسرے شخص کو شراب پینے کی ممانعت کرے گا تو اُس کا کچھ اثر نہ ہو گا لیکن جس شخص کو شراب سے دلی

نفرت ہے اگر وہ کسی شرابی کو شراب ترک کرنے کی ہدایت کرے تو اس کا نہایت عمدہ
اثر پڑے گا۔ چنانچہ [illegible] صاحب کو ایک بار حسن اتفاق سے بہ سلسلۂ ملازمت ناگپور جانا پڑا
وہاں پر ایک کام کے سلسلہ میں ایک قصاب آیا کرتا تھا۔ ایک روز اُس قصاب نے آکر
دلی افسوس کے ساتھ بیان کیا کہ مولوی صاحب رات مجھ سے ایک ایسی حرکت
سرزد ہوئی ہے جس کی مجھ کو سخت شرمندگی ہے۔ رات میں شراب پیئے ہوئے گھر میں لیٹا ہوا
تھا۔ کہ اتنے میں میرا بیٹا آیا اور اُس نے دروازہ پر دستک دی میں دروازہ کھولنے لگا
اور نشہ کی حالت میں اپنے بیٹے کو بلا وجہ زدوکوب کیا۔ صبح کو جب نشہ ہرن ہو گیا اُس
وقت یہ خیال آیا کہ رات بلا کسی قصور کے بیٹے کو مفت میں مار بیٹھا۔ اس پر
خاکسار نے متعجب ہو کر سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اور کیا تم شراب پیتے ہو؟ اُس نے
نہایت سادہ لوحی سے جواب دیا۔ مولوی صاحب! کیا شراب پینا کوئی برا فعل ہے
یہاں پر مسلمان عام طور پر شراب پیتے [illegible] نے اُس کو سمجھایا کہ شراب پینا
نہ صرف صحت کو [illegible] سخت گناہ ہے۔ شراب قطعی حرام ہے۔ ہر قسم کی
نجاست مثلاً پاخانہ پیشاب کی نجاست پانی سے دھونے سے جاتی رہتی ہے لیکن
مذہب کی رو سے شراب اس قدر نجس اور ناپاک چیز ہے کہ اگر شراب کا ایک قطرہ جسم پر
گر جائے تو جسم کا وہ حصہ کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا۔ اس مقام کے گوشت کو کاٹ ڈالنا
چاہیئے۔ ایسی نجس اور ناپاک چیز کو تم اپنے پیٹ میں ڈال لیتے ہو۔ یہ سن کر اُس کا دل
لرز گیا اور اُس نے سچے دل سے شراب پینے سے اُسی وقت توبہ کی اُس نے اپنے
دونوں کان پکڑ کر کھینچے اور اپنے منہ پر طمانچے مارے اور اقرار کیا کہ میں آئندہ کبھی شراب
کو ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا۔

(۸۹) اوضاع واطوار کی پختگی

STRENGTH OF CHARACTER.

وہ شخص اپنی وضع کا پختہ کہا جاتا ہے جو آسانی سے کسی کے بہکانے میں نہیں آتا ہے۔ دنیا میں ہم کو بھلے اور بُرے ہر قسم کے آدمیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ دوسروں کی نصیحت، مثال اور ترغیبات کا ہم پر بہت کچھ اثر پڑتا ہے۔ جو لوگ کہ ہمارے سچے بہی خواہ ہوتے ہیں وہ کبھی ہم کو ایسی صلاح اور مشورہ نہیں دیتے ہیں جو ہمارے حق میں مضرت ناک ثابت ہو، لیکن ایسے بدخواہ اور اشرار سے بھی ہم کو واسطہ پڑتا ہے جو اپنی مثال یا ہدایت سے ہم کو زشت اعمالیوں کی ترغیب دیتے ہیں لیکن اگر ہم اپنی وضع کے پختہ ہیں تو ہماری طبیعت افعال قبیحہ کے ارتکاب کی جانب ہرگز مائل نہ ہوگی لیکن اگر ہم خود ڈھلمل یقین اور بے عقل ہیں تو آوارہ اور بدچلن لوگ ہم کو باسانی گمراہ کردیں گے۔

تجربہ کار اور مسن لوگوں ہی میں وضع کی پختگی نہیں پائی جاتی ہے بلکہ بعض لڑکوں میں فطرتاً عقل سلیم ہوتی ہے اور بُری صحبت سے وہ نفرت کرتے ہیں اور فطرتاً وہ اس مذموم حرکت سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ لڑکے سن شعور کو پہونچکر قابل تقلید نمونہ بن جاتے ہیں اور ہر جگہ اُن کی عزت و توقیر ہوتی ہے اور سمجھدار آدمی ایسے لوگوں سے مشورہ لیتے ہیں اور اُن کی اصلاح اور ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔

سمجھدار اشخاص تو بُری صحبت سے بھی فائدہ ہی اُٹھاتے ہیں۔ چنانچہ ارسطو سے دریافت کیا گیا کہ آپ میں اس قدر دانائی اور نیک اعمالی کس طرح آئی۔ ارسطو نے جواب دیا کہ نالائق اور آوارہ لوگوں کی صحبت سے۔ میں نے اُن کی ہر ایک حرکت کو

وہ اچھی باتوں کی برائیوں اور بد عادتوں سے نفرت کرتا ہے اور ہمیشہ بُرے لوگوں کے خلاف
عمل کرتا ہے۔ [illegible] اخلاق بد اور [illegible] کی صحبت نہیں کرتا اور ہمیشہ نیچ افعال
سے بچتا رہتا ہے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ صرف اچھی مثال سے سبق لے اور بُری صحبت سے
[illegible] قبول نہ کرے۔

خواہ کتنی ہی تعلیم سے ان اصول پر عمل کرنے کے طریقے بتائے جائیں اور [illegible] بچے
[illegible] میں لیکن ان پر عمل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ والدین کو چاہئے کہ بچوں میں ایسی پختگی پیدا
کر دی جائے کہ کسی بُری صحبت سے متاثر نہ ہونے پائیں۔

(۹۰) فہم و فراست WISDOM.

اگر انسان میں فہم و فراست نہ ہوتی تو وہ اس دنیا میں بے بس اور ناچار ہو کر
رہ جاتا۔ چونکہ اُسے اپنے کو درندوں اور وحشی جانوروں کے حملہ سے بچانا پڑتا
ہے۔ سردی اور گرمی سے اپنے جسم کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور جانوروں کی طرح
اُس کی کھال موٹی اور بالوں سے ڈھکی ہوئی نہیں ہے۔ دھوپ کی تپش اور بارش کا
اثر اس کے جسم پر جانوروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ پڑ سکتا ہے۔ ایک مقام سے دوسرے
مقام کو جانے کے لئے درمیان میں بحر ذخار اور دریائے ناپیدا کنار حائل ہیں لیکن
ہزار ہزار شکر ہے اُس معبود حقیقی کا جس نے اُس کے دماغ میں فہم و فراست کا ایسا
نایاب جوہر پیدا کر دیا ہے جس کی بدولت وہ نہایت خونخوار درندوں کے حملوں سے
اپنے کو بچاتا ہے۔ ہوا اور پانی جو کسی زمانہ میں انسان کے حق میں سخت تکلیف دہ تھے
اب اُس کی دانشمندانہ کارروائیوں سے وہ اُس کے لئے موجب راحت بن گئے

ہیں اور دشمنی کی بجائے دوستی کا حق ادا کر رہے ہیں۔

ہوا کو ہم نے اپنے قابو میں کرلیا ہے اور ہوا کی امداد سے ہمارے جہاز کی رفتار تیز ہوجاتی ہے۔ گرم ہوا کو ٹھنڈا کرلینا ہمارے اختیار میں ہے۔ چنانچہ سخت گرمی کے دنوں میں برقی پنکھا چلا دینے سے سارا کمرہ سرد ہوجاتا ہے۔ ہوائی جہاز میں سوار ہوکر ہم نہایت آسانی سے ہوا میں اڑتے ہیں۔ ہوا کی قوت کو اپنے قابو میں کرکے ہم اس کی مدد سے کارخانے چلاتے ہیں۔

اسی طرح ہم نے پانی کو اپنے قابو میں کرلیا ہے۔ پانی کو جوش دے کر ہم بھاپ پیدا کرتے ہیں اور اس دخانی قوت سے ہم ریل، جہاز، موٹر اور کارخانے چلاتے ہیں۔ بڑے بڑے آبشاروں سے ہم برقی قوت پیدا کرلیتے ہیں اور اس برقی قوت سے ہم ہزاروں قسم کے کام لیتے ہیں۔

---

(۹۱) شائستہ اطوار GOOD MANNERS.

عمدہ تربیت سے شائستہ اطوار ہوا کرتے ہیں اور ڈسپلن کی پابندی کرنے سے شائستہ اطوار حاصل ہوجاتے ہیں۔

مختلف ملکوں میں شائستہ اطوار کا معیار بھی مختلف ہوا کرتا ہے۔ مثلاً یورپین ممالک میں اپنے بزرگوں کے سامنے تمباکو نوشی معیوب نہیں مگر ہندوستان میں یہ بدتمیزی میں داخل ہے۔ اسی طرح یورپ میں مستورات کے سامنے کسی مرد کا برہنہ بدن آنا سخت معیوب ہے لیکن ہندوستان میں اس فعل میں کچھ قباحت نہیں سمجھی جاتی ہے۔

اگرچہ شائستہ اطوار کا معیار مختلف ہے لیکن وہ سب ایک ہی اصول پر مبنی ہیں یعنی ہم اپنے دوست، احباب و عزیز و اقارب، پڑوسی اور بزرگوں کے ساتھ

ہر موقع پر اُن کا ادب و احترام ملحوظ رکھیں۔ شائستہ آدمی کبھی ایسے لوگوں کے ساتھ بدتمیزی سے نہیں پیش آ سکتا ہے جو اپنی عمر اور تجربہ کے لحاظ سے ادب و احترام کے مستحق ہیں لیکن جو شخص کہ مغرور ہوتا ہے اور اپنے کو وہ ایک بڑا آدمی اور دوسروں کو ذلیل و حقیر تصور کرتا ہے ایسے شخص سے سب لوگ نفرت کرتے ہیں۔ اس شرافت اور شائستگی کی نمائش صرف شائستہ اطوار اور مہذبانہ برتاؤ ہی سے ہوا کرتی ہے۔

ہمارے برتاؤ، بات چیت اور لباس ہی سے ہماری شرافت اور عمدہ تربیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گولڈ اسمتھ کو پادری کا عہدہ صرف اس وجہ سے نہیں ملا کہ جب وہ اس ملازمت کے لئے درخواست لے کر گیا اس وقت وہ سرخ کوٹ پہنے تھا۔ شائستہ اطوار کے لئے چند مخصوص قواعد و ضوابط نہیں بتائے جا سکتے ہیں بلکہ بچپن ہی سے مہذب اور شائستہ لوگوں کی صحبت میسر آنے سے شائستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے والدین کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کو ابتدا ہی سے تہذیب اور شائستگی کی تعلیم دیں۔ ہمارے اطوار ہی سے ہمارے طرز زندگی کا پتہ لگتا ہے۔ شائستہ اطوار پیدا کرنے میں صرف تو ایک حبہ کا نہیں اور اس کے حصول پر صرف نفع ہی نفع ملتا ہے اس لئے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ شائستہ اطوار حاصل کرنے کی کوشش کرے تاکہ مہذب سوسائٹی میں اس کی قدر و منزلت کی جائے۔

---

(۹۲) آب و ہوا کا چال چلن پر اثر

INFLUENCE OF CLIMATE ON CHARAC-
-TER

انسان کا چال چلن ہی اس کی زندگی کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ اس کا بہترین سرمایہ

اس کا چال چلن ہے۔ یہی اُسے معزز اور واجب الاحترام بناتا ہے اور اسی سے اس کی خصلت ظاہر ہو جاتی ہے۔ بعض انسان کے چال چلن پر آب و ہوا کا اثر پڑتا ہے۔

مثلاً گرم ملکوں کے باشندے ذکی الحس ہوتے ہیں اُن کے جذبات بہت جلد برانگیختہ ہو جاتے اور اسی طرح بہت جلد سرد ہو جاتے ہیں۔ ابھی تو وہ ایک شخص سے اظہارِ محبت کر رہے ہیں اور ذرا سی دیر بعد وہ اُسی شخص سے نفرت کرنے لگتے ہیں اُن کے جذبات اور خیالات بہت جلد انتہائی درجہ کو پہونچ جاتے ہیں۔ شعرا نے ان کو آفتاب کی اولاد بتایا ہے جن کی رگوں میں بجائے خون کے آگ بھری ہوئی ہے۔

اس کے برعکس سرد ملکوں کے رہنے والے ذکی الحس نہیں ہوتے ہیں اُن کے مزاج مختلف ہوتے ہیں وہ دوستی یا محبت میں زیادہ گرمجوشی نہیں دکھاتے ہیں اور نہ اُن کو کسی پر جلد غصہ آتا ہے اور نہ اُن کے دل میں کسی کی جانب سے بآسانی حقارت و نفرت پیدا ہو سکتی ہے۔ نیز سرد ملک کے باشندے زیادہ ذہین بھی نہیں ہوتے ہیں۔ خوش نمائی، رعنائی اور نازک خیالی ان لوگوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

معتدل آب و ہوا کے باشندے نہ تو ذکی الحس ہوتے ہیں اور نہ قطعی بے حس بلکہ ان کی حالت درمیانی ہوتی ہے۔ وہ اپنی قوتِ امتیازی سے کام لے کر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہایت شائستہ اور مہذب ہوتے ہیں وہ ہر ایک کام سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی نہایت باقاعدہ ہوتی ہے۔ معتدل آب و ہوا سے اُن کے مزاج میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دلائل اور براہین سے کام لیتے ہیں اور قدرت کی نیرنگیاں اور دلچسپیاں اُنھیں نظر نہیں آتی ہیں۔

گرم ملکوں میں رنگ برنگ کے بادل آتے ہیں۔ بجلی چمک کر اپنی جھلک دکھا جاتی ہے۔ رعد کی گرج سے کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ عظیم الشان سبز پوش پہاڑ اور بڑے بڑے دریا موجیں مارتے ہیں۔ ان قدرتی مناظر کو دیکھ کر شاعرانہ

تغیرات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ فردوسیِ ہند میر انیس فرماتے ہیں ؎

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں | یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے | حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

چونکہ بقول سعدی ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار | ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اس لئے گرم ممالک میں صانعِ حقیقی کی گوناگوں اور بوقلموں صنعت گری دیکھ کر دل میں مذہبی خیالات موجزن ہوتے ہیں اور قادرِ ذوالجلال کے حضور میں سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

گرم ملک میں زیادہ محنت نہیں ہو سکتی، اس لئے وہاں کے باشندے کسی قدر کاہل ہوتے ہیں۔ سرد ملک کے باشندے نہایت جفاکش ہوتے ہیں کیونکہ اُن کو کام کرنے سے زیادہ وقت ملتا ہے اور زیادہ دیر تک کام کرنے سے اُن کو جلدی تکان محسوس نہیں ہوتا ہے۔ معتدل ملکوں کے رہنے والے نہایت چست و جفاکش ہوتے ہیں اور ان کو اپنی کامیابی کا یقین ہوتا ہے۔ یہاں پر فلسفہ، سائنس اور ادبیات میں بہت آہستہ آہستہ ترقی ہوتی ہے اور اسی طرح تہذیب کی ترقی کی رفتار بھی سست ہوتی ہے۔ لیکن گرم ممالک میں تہذیب و تمدن کا معیار بہت جلد بلند ہو جاتا ہے۔

ہمارے عادات و خصائل پر بھی آب و ہوا کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

—•—

(۹۳) سادہ زندگی اور پاکیزہ خیالات

PLAIN LIVING AND HIGH THINKING.

قادر ذوالجلال نے ہم کو فضول اور بے مصرف تو پیدا کیا نہیں۔ ہمارے ذمہ فرائض بھی عائد کئے ہیں لیکن خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جو عیش و عشرت میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ نہ تو وہ کبھی اپنے معبود کو یاد کرتے ہیں اور نہ کبھی اپنے فرائض زندگی معلوم کرتے اور نہ اُن کے ادا کرنے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ انھیں ہر وقت اپنے ذاتی عیش و آرام کی فکر رہتی ہے۔ یہ لوگ نہایت خودغرض اور اپنے نفس کے بندے ہوتے ہیں۔ وہ عالیشان مکان بناتے ہیں، اعلیٰ درجہ کے فرنیچر سے اُن کو آراستہ کرتے ہیں اور نہایت لذیذ کھانا کھاتے ہیں، ان کے گرد خوشامدیوں کا مجمع رہتا ہے۔ اُن کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ والدین، اہل و عیال اور دیگر انسانوں کے کیا فرائض ہمارے ذمہ ہیں۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ خدمت خلق کس چڑیا کا نام ہے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتا کہ پاکیزہ زندگی اور شریفانہ اطوار کس کو کہتے ہیں۔

لیکن فی الحقیقت انسان وہی ہے جو معمولی کھانا کھاتا ہے۔ سادہ لباس پہنتا ہے اور ہمیشہ دوسرے آدمیوں کے ساتھ نیکی کرنے اور فائدہ پہونچانے کی فکر میں لگا رہتا ہے ایسے شخص سے ہزاروں کی اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں اور اس کی قابل تقلید مثال دیکھ کر سیکڑوں آدمی راہ راست پر آجاتے ہیں وہ پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے اور ہمیشہ خدمت خلق میں مصروف رہتا ہے اور اسی قسم کی زندگی بسر کرنے کو سادہ زندگی اور پاکیزہ خیالات کہتے ہیں۔

(۹۴) حصول اقتدار DIGNITY

حصول اقتدار کی خواہش انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ ہم جب کسی شخص کو ترقی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو فطرتاً ہمارے دل میں بھی یہ خیال موجزن ہوتا ہے کہ اسی طرح ہم کو بھی ترقی کرنی چاہیئے اور دیگر آدمیوں پر ہم کو اقتدار حاصل کرلینا چاہیئے۔ اسی جذبہ کی ترقی سے دنیا میں جنگ و جدال اور معرکہ آرائیاں ہوئی ہیں اور تاریخ عالم میں اس قسم کی ہزار جنگوں کے حالات تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

لیکن حصول اقتدار کا یہ جذبہ مختلف آدمیوں پر مختلف اثر ڈالتا ہے یعنی بعض لوگوں کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ہم کو اپنے ہم رتبہ انسانوں پر فضیلت اور اقتدار حاصل ہو جائے۔ بعض اوقات ایک قوم یا ایک ملک میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے کمزور پڑوسیوں پر اقتدار حاصل کرکے انہیں اپنا محکوم اور تابع فرمان بنالیں۔ لیکن کوئی قوم آسانی سے دوسرے کے آگے سر تسلیم نہیں جھکا سکتی ہے اور اپنی آزادی کو نہایت عزیز سمجھتی ہے۔ اسی لئے کمزور حتی الوسع اپنی مدافعت پوری قوت کے ساتھ کرتے ہیں اور اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے اپنی جان قربان کردیتے ہیں۔

اس لئے حصول اقتدار کا جذبہ اس وقت مذموم کہا جائے گا جب اقتدار حاصل کرکے ہم دوسروں کو تکلیف اور ایذا پہونچائیں گے۔ لیکن یہ جذبہ اس وقت محمود و مستحسن سمجھا جائے گا جب کہ اس جذبہ سے متاثر ہوکر ترقی کریں اور دنیا میں اپنے شاندار کارناموں سے عظمت اور شہرت حاصل کریں اور اپنے بھائیوں کو حتی الوسع فائدہ پہونچانے کی کوشش کریں۔

(۹۵) جنگ میں ہمدردانہ سلوک

HUMANITY IN WAR.

جنگ کا انجام عام تباہی اور بربادی ہوتا ہے۔ جس شہر میں خوشحالی اور تموّل ہوتا ہے وہ جنگ کے بعد بالکل تباہ اور مفلس ہو جاتا ہے۔ وہاں کے نہ صرف مرد بلکہ عورتیں اور بچے نہایت سفاکی اور بیدردی کے ساتھ تہ تیغ کر دیئے جاتے ہیں۔ عبادت گاہیں منہدم کر دی جاتی ہیں۔ مکانات میں آگ لگائی جاتی ہے۔ کتب خانے اور عجائب گھر مسمار اور برباد ہو جاتے ہیں۔ امن و امان کے زمانہ میں جو عمارات سالہا سال میں تیار ہوئی تھیں وہ ایک دن کی وحشت و بربریت سے مسمار ہو جاتی ہیں۔ آتش گیر مصالحہ، تہ آب کشتیوں اور ہوائی جہازوں کی ایجاد نے جنگ میں تباہی اور بربادی میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے

لیکن جنگ ناگزیر ہے۔ کبھی کسی ملک کو فتح کرنے کے لئے اس پر حملہ کیا جاتا ہے۔ کبھی ایک قوم دوسری قوم کی حکومت میں رہنا گوارا نہیں کرتی ہے۔ ایسی صورتوں میں جنگ کی ضرورت لاحق ہوا کرتی ہے۔ چونکہ سرشت انسانی اسی طرح کی واقع ہوئی ہے۔ اس لئے ابدالآباد تک جنگ بھی ہوتی رہے گی اور اس سے کبھی مفر نہ ہوگا۔

لیکن اگر بین الاقوامی قوانین کی پابندی کی جائے تو جنگ کے خوف اور دہشت اور وحشیانہ حرکات میں بہت کچھ کمی واقع ہو سکتی ہے۔ یعنی قیدیوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا جائے اور فوجی سپاہیوں کو قابو میں رکھا جائے اور انھیں وحشیانہ افعال کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔

دوست اور دشمن دونوں کے ساتھ یکساں ہمدردی اور ترحم کا برتاؤ کرنا چاہئے جنگ کریمیا میں فلارنس نائٹ انگیل سکوطری کے شفاخانہ میں ترک مجروحین کی خاص

توجہ کے ساتھ تیمارداری کر کے ایثار اور ہمدردی کا نمونہ پیش کر دیا۔ اور اس کی تقلید میں اب
سیکڑوں نیک دل خواتین میدان جنگ میں جا کر مجروحین کی خدمت اور تیمارداری کرتی
ہیں۔ بعد ازاں ہر جگہ ہلال احمر سوسائٹیاں قائم ہو گئی ہیں جو میدان جنگ سے زخمیوں
کو اٹھا کر شفاخانوں میں پہنچاتی ہیں اور وہاں پر ان کی تیمارداری کرتی ہیں اور ان کو
ہر طرح کا آرام پہنچاتی ہیں۔ قیدیوں کے ساتھ بھی اب بہت سلوک ہونے لگا ہے۔ چنانچہ
گزشتہ جنگ عظیم میں خصوصاً ترکوں نے اسیران جنگ کے ساتھ جس ہمدردی
ہمدردی اور انسانیت و شرافت کا سلوک کیا تھا اس کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔

اگر ممالک بین الاقوامی قواعد کی پابندی کریں تو جنگ کی بہت سی سختیوں میں
کمی ہو سکتی ہے۔ ان قواعد میں اس امر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ اسیران جنگ
اور زخمیوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا جائے۔ غیر جانبدار اقوام اور غیر محارب
لوگوں کے حقوق کا احترام کیا جائے اور ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے اور فضول
خون ریزی سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔

---

(۹۴) گپ شپ GOSSIP.

گپ شپ یعنی فضول بکواس کی عادت نہایت قبیح ہوتی ہے۔ اس حرکت سے نہ صرف
ہم اپنا عزیز وقت ضائع کرتے ہیں بلکہ ہم کسی کام کو خوبصورتی سے کرنے کے لائق نہیں رہتے۔
ہمیشہ گپ شپ کرنا انتہائی بد تمیزی کی علامت ہے۔

اگر شب کو بستر پر دراز ہوتے وقت ہم اپنے دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیں تو ہم کو
باسانی معلوم ہو جائے گا کہ آج ہم نے اپنا کس قدر عزیز وقت فضول بکواس میں ضائع کر دیا
حالانکہ اس اثناء میں ہم بہت سے مفید کام انجام دے سکتے تھے۔

گپ شپ کرنے والا زیادہ تر جھوٹی اور بیہودہ روایتیں بیان کرتا ہے گپ شپ یا شیخی بگھارنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا وغیرہ جیسی قبیح اور قابل اعتراض اور قابل نفرت باتیں ہوتی ہیں۔ فضول بکواس سے دل تاریک ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کے پاس کوئی کام کرنے کے لئے نہیں ہے اور فرصت مل گئی ہے تو اس وقت کو کسی کتاب یا اخبار پڑھنے میں صرف کیجئے تاکہ آپ کی معلومات میں اضافہ ہو اور اگر آپ کی طبیعت اس جانب مائل نہ ہو تو کوئی صحت بخش تفریحی شغل کیجئے۔ مثلاً کسی باغ یا سبزہ زار کی سیر کیجئے یا ورزشی کھیل فٹ بال، کرکٹ، ہاکی یا ٹینس کھیل کر اپنا دل بہلایئے حاصل کلام یہ ہے کہ ہم کو اپنا وقت کسی نہ کسی مفید اور صحت بخش کام میں صرف کرنا چاہئے اور فضول بکواس میں ضائع نہ کرنا چاہیئے۔

(۵۷) عمدہ حافظہ کی خوبیاں اور خرابیاں

Advantages and disanvadtages of a good memory.

عمدہ حافظہ بھی ایک بیش بہا نعمت ہے۔ مراحل زندگی کے ہر ایک قدم پر اس کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً جو طبیب کہ اپنے پیشہ میں کامیاب ہونا چاہتا ہے اُسے بے شمار امراض کے نام، علامات، مرض پیدا ہونے کے اسباب، معالجہ کے طریقے، ادویات کے نام اور خواص وغیرہ کو حفظ یاد رکھنا چاہیئے۔ کامیاب وکیل کے واسطے ضروری ہے کہ نہ صرف مختلف قوانین بلکہ عدالت العالیہ کے نظائر اُس کے نوک زبان رہیں۔ ہم نے جس قدر علوم و فنون کتابوں میں پڑھے ہیں وہ سب بے مصرف ثابت ہوں گے اگر ہم اُن کو فراموش کر دیں اور وہ ہمارے حافظہ میں نہ ہوں۔ الغرض ہر کام کے لئے

عمدہ حافظہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن عمدہ حافظہ میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کی بدولت ذہانت اور جدت کا مادہ مفقود ہوتا ہے۔ چونکہ ہمارے ذہن میں ہزاروں باتیں محفوظ ہوتی ہیں اس لئے دماغ کو اتنی فرصت نہیں ملتی ہے کہ وہ کوئی نئی بات سوچ سکے۔ اپنے حافظہ سے یادداشت کو دفع کرنا اور خالی الذہن ہونا نہایت دشوار بلکہ تقریباً ناممکنات سے ہے لیکن جن لوگوں کی دماغی قوت زبردست ہوتی ہے وہ کوشش کرکے خالی الذہن ہوتے ہیں اور نئے نئے خیالات موجزن ہونے لگتے ہیں۔

---

(۹۸) مطالعہ کتب STUDY OF BOOKS

مطالعہ ہی حصول علم کا وسیلہ ہے اس کی بدولت اضطراب پریشانی اور مایوسی رفع ہوتی ہے اور دلی مسرت اور قلبی سکون و اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔ عمدہ کتابوں کے مطالعہ سے ہمارے دل و دماغ میں نیک اور شریفانہ جذبات اور خیالات کا نشوونما ہوتا ہے۔ کارآمد کتابیں پڑھنے سے روئے زمین کے علمی خزانے منکشف ہوجاتے ہیں۔ اُن کے مضامین بعض اوقات ایسے دلچسپ اور پُراثر ہوتے ہیں کہ دوران مطالعہ میں ہم پر محویت کا عالم طاری ہوجاتا ہے اور ہم کو دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں رہتی ہے۔

اس کے برعکس خراب اور بیہودہ کتابیں پڑھنے سے ہمارے خیالات ناپاک ہوجاتے ہیں۔ ہمارا کیریکٹر خراب ہوجاتا ہے اور ہم انسان سے جانور بن جاتے ہیں۔ اس لئے کتابوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ ہم کو اپنے مبلغ علم کے مطابق کتابیں منتخب کرکے اُن کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ ہمارے علم و تفنن میں اضافہ ہو۔ چونکہ طبائع مختلف ہوتی ہیں اس لئے ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق کتابیں

پڑھتا ہے لیکن ہم اس قدر ضرور بتائے دیتے ہیں کہ مشاہیر کی سوانح عمریاں، سفرنامے مذہبی کتابیں، تاریخی کتابیں، مشہور ادیبوں کے مکاتیب، جدید علمی معلومات، ہر حالت میں اور ہر شخص کے حق میں نہایت سودمند اور کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ اخبارات اور رسائل کے مطالعہ سے ہم کو دنیا بھر کے موجودہ حالات روزانہ معلوم ہوتے ہیں۔

تاریخی اور اخلاقی ناول اور افسانوں کا پڑھنا بھی مفید ہے کیونکہ ان کے مطالعہ سے مختلف لوگوں کے معاملات اور عادات و خصائل معلوم ہو جاتے ہیں۔

ہم اس قدر ضرور مشورہ دیں گے کہ نوجوانوں کو سنسنی خیز ناول اور حسن و عشق کے مخرب اخلاق ناول اور افسانے ہرگز نہ دیکھنا چاہیئے۔

---

(۹۹) ناول پڑھنا NOVEL READING.

ناول فرضی قصہ ہوتا ہے جس میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ واقعات کا سلسلہ بیان کیا جاتا ہے۔ ادق اور غور طلب کتابوں کے مطالعہ سے جب ہماری طبیعت اکتا جاتی ہے اور تکان محسوس ہوتا ہے تو ہم ناول دیکھتے ہیں جس کے پڑھنے سے ساری کوفت اور تکان رفع ہو جاتا ہے اور طبیعت میں تازگی اور شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناول کی عبارت نہایت سلیس اور دلچسپ ہوتی ہے جس سے طبیعت کو فرحت اور شگفتگی محسوس ہونے لگتی ہے اور دلچسپ واقعات کے سلسلہ کی جانب ہماری توجہ مبذول ہو جاتی ہے اور دماغ کا سارا تکان دور ہو جاتا ہے۔

ناول کے مطالعہ سے زبان دانی کا خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ ناول میں ہر قسم کے آدمیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اس لیئے ہر طبقہ کے آدمیوں کی طرز گفتگو اور ان کے محاورے معلوم ہو جاتے ہیں۔ ناول سے مختلف قوموں کے عادات و خصائل طرز معاشرت

اور ان کی خصوصیات کی بابت نہایت مفید اور کار آمد معلومات حاصل ہوتی ہے۔
ناول نگار سرشت انسانی سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور وہ نہایت غائر نظر سے ہر ایک انسان کے افعال اور اقوال کو دیکھتا ہے۔
اُردو میں مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم کے ناول نہایت مقبول اور کار آمد ہیں اور خاص کر تاریخی ناولوں میں مولانا نے اسلامی شان بڑی آن بان سے دکھائی ہے۔
انگریزی میں ڈکنس، تھیکرے، جارج الیٹ اور سر والٹر اسکاٹ کے ناولوں سے انگریزی سوسائٹی کے اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ طبقہ کی زندگی ہم کو پورے طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔ ان کے ناولوں میں انگریزی زندگی کے بالکل صحیح فوٹو ہیں۔
تقریباً ہر ایک ناول میں اخلاقی نتیجہ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض افسانوں میں ایسے سنسنی خیز اور حیرت انگیز واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن کا بہت عرصہ تک ہمارے دل پر اثر رہتا ہے۔ شجاع اور سورماؤں کا ایثار، ان کی ہمت اور دلاوری کے کارنامے، ادائے فرض میں اپنی عزیز جان و مال کی قربانی کے واقعات کے مطالعہ سے ہمارے دل میں بھی جوش اور اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ ان کی مشکلات اور مصیبتوں کو دیکھکر ہم میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
تاریخی ناول کے مطالعہ سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے گویا ہم موقع پر موجود ہیں اور ان واقعات کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ تاریخی واقعات ہم کو عرصہ دراز تک یاد رہتے ہیں۔
ناول میں نہایت دلچسپ واقعات بیان کئے جاتے ہیں اور بعض اوقات ہم ناول کے مطالعہ میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ ناول کو بغیر ختم کئے ہوئے ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ہیں اور اپنے ضروری کاموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔
اس لئے ناول فرصت کے وقت یا دماغی تکان دفع کرنے کے واسطے

پڑھنا چاہیئے۔ طالب علموں کو ناولوں کا زیادہ مطالعہ نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ اُن کی خانگی میں بہت حرج واقع ہوگا۔ وہ اپنے کورس کے یاد کرنے کی طرف سے بے پروا ہو جائیں اور یہ قابلِ اعتراض بات ہے۔ چونکہ ناول کے مطالعہ سے جذبات بہت جلد برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کو ناول کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے جن کو اپنے نفس اور جذبات پر قابو حاصل نہیں ہے۔

(۱۰۰) وقت کا صحیح استعمال

PROPER USE OF TIME.

وقت کا صحیح استعمال بھی زندگی کی کامیابی کا راز ہے۔ اکثر حضرات یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ ہماری زندگی کا ہر ایک لمحہ نہایت بیش قیمت ہے۔ بمقتضائے فطرتِ انسانی بچہ سے لڑکا، لڑکے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہو جاتا ہے روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ دولت، لیاقت اور شہرت حاصل کرتے ہیں اور بعض آدمی مدت العمر مفلس، جاہل اور مصیبت زدہ رہتے ہیں۔ دولت و ثروت اور علمیت حاصل کر لینے والے اپنے وقت کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

جو شخص کہ نوجوانی میں محنت سے جی چراتا ہے اور اپنا وقت مفت ضائع کرتا ہے وہ در بدر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جو وقت کہ گپ شپ میں صرف ہوتا ہے وہ مفت رائیگاں جاتا ہے۔ حالانکہ اس وقت میں بہت سے مفید کام انجام دیئے جا سکتے ہیں

اسی طرح دوستوں کے ساتھ سیر گشت کرنے تاش، چوسر، گنجفہ، شطرنج کھیلنے اور بیہودہ کتابیں پڑھنا تضیع اوقات میں داخل ہے۔ کاہل آدمیوں کو وقت کی تنگی کی ہمیشہ شکایت رہتی ہے لیکن جفاکش لوگ ہر ایک ضروری کام کو انجام دیتے ہیں اور پھر اپنی تفریح کے لئے بھی وقت نکال لیتے ہیں۔ آج کا کام کل پر ہرگز ملتوی نہ کرنا چاہئیے۔

یونانیوں نے وقت کی تصویر اس طرح بنائی ہے کہ وقت ایک پری ہے جس کی چوٹی اس کے ماتھے پر ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص وقت کو پیشتر سے اپنے قابو میں کر لیتا ہے وہی اس وقت سے کچھ کام لے سکتا ہے ورنہ تساہل اور لیت و لعل سے وقت گذر جاتا ہے اور کسی طرح گذرا ہوا وقت ہاتھ نہیں آسکتا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے قابل یادگار کارنامے انجام دیئے ہیں اُن سب نے وقت کو عزیز تصور کرکے اُس کا صحیح استعمال کیا ہے۔ مسلمانوں کے سچے دردمند مولانا حالیؔ فرماتے ہیں ؎

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

---

(۱۰۱) بے ترتیب مطالعہ

UNSYSTEMATIC STUDIES.

بے ربط کتابیں پڑھنے کو بے ترتیب مطالعہ کہتے ہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ ایک مضمون کی کتاب پڑھکر پھر کسی دوسرے مضمون کی کتاب پڑھنے لگے۔

کتابیں ہمارے حق میں اس وجہ سے سودمند ہوتی ہیں کہ اُن سے ہم کو باقاعدہ علم

حاصل ہوتا ہے لیکن مسلسل اور باقاعدہ کسی ایک علم ہی کی کتابوں کے مطالعہ سے ہم کو صحیح اور مکمل معلومات اُس کے متعلق حاصل ہو سکتی ہیں۔ مثلاً میں علم منطق کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس صورت میں مجھکو منطق کی ایک کتاب کے بعد دوسری اور اس کے بعد دیگر کتابیں اسی علم کی پڑھنا چاہئیں۔

لیکن اگر آج میں نے منطق کی ایک کتاب کا مطالعہ کیا اس کو چھوڑ کر کل میں نے ایک ناول پڑھا، پرسوں ایک رسالہ اور پھر تاریخ کی کتاب دیکھی ایسی حالت میں علم منطق کی بابت میری معلومات صرف اُس ایک کتاب تک محدود رہیں گی جس کو میں نے اول روز پڑھا تھا اور دیگر مضامین کی کتابوں کے مطالعہ سے میرے علم منطق میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا۔

اس لئے کسی علم میں مہارت صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے کہ ہم اُس کے متعلق بتدریج اور مسلسل متعدد کتابوں کا بغور مطالعہ کریں۔

ہم نے خود دیکھا ہے کہ ہمارے اسکولوں اور کالج کے طلبا اپنے مقررہ کورس کی کتابوں کی جانب سے بے پروائی اختیار کرتے ہیں اور ناول، افسانے اور اخبار پڑھتے رہتے ہیں اور اپنے نزدیک یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مطالعہ سے ہماری معلومات میں اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ نہایت تجربہ کار اور ماہرین فن بڑی غور و فکر کے بعد اُن کے واسطے کتابیں منتخب کرتے ہیں اور سررشتہ تعلیمات یہ کتابیں ایک منتخب کمیٹی کے سپرد کرتی ہے اور کثرت رائے سے طلبا کے واسطے نصاب تعلیم مقرر کیا جاتا ہے جس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ طلبا مختلف علوم کو باقاعدہ حاصل کر سکیں۔ جا بترتیب مطالعہ نہ صرف امتحان پاس کرنے کے واسطے لازمی اور ضروری ہے بلکہ وہ حضرات جو کسی قسم کا امتحان پاس کرنے کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ وہ کسی خاص علم و فن کی بابت مکمل معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو بھی اپنے

مقصد میں صرف اسی حالت میں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے کہ اُس علم یا فن کی بابت وہ مسلسل اور بالترتیب متعدد کتابوں کا مطالعہ کریں۔

بے ترتیب مطالعہ سے صرف سطحی اور نہایت معمولی قسم کی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے جو معقول معلومات حاصل کرنے کے حق میں نہایت مضرت ناک ہے۔

اس لئے ہم کو بے ترتیب مطالعہ کی عادت ترک کردینی چاہیئے اور بالترتیب مطالعہ کا عادی بن جانا چاہیئے۔

(۱۰۴) انتخاب کتب CHOICE OF BOOKS.

مطالعہ کے واسطے کتابیں منتخب کرنے کی بابت کوئی خاص ہدایت کرنا یا مشورہ دینا نہایت مشکل ہے۔ یہ تو نہایت دقت طلب ہے کہ فلاں قسم کی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور فلاں قسم کی کتابوں کو ہاتھ نہ لگانا چاہیئے۔ لیکن طلبا کو ہم یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ اُن کو بہترین کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ آج کل رطب و یابس ہر قسم کی کتابیں طبع ہوتی رہتی ہیں۔ اس لئے طلبا یہ اندازہ نہیں کرسکتے کہ فلاں کتاب کو پڑھنا چاہیئے یا نہیں۔ اُن کو اس معاملہ میں اپنے اساتذہ، دیگر مشہور اور قابل اصحاب یا مہتمم کتب خانہ سے اس کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیئے اور اُن کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہی لوگ قابل مطالعہ کتب کی بابت صحیح اور نیک مشورہ دے سکتے ہیں۔

برائٹ کا قول ہے کہ "بہترین کتابیں پڑھنا مناسب ہے اور بہترین کتابوں سے یہ مطلب ہے کہ ایسی کتابیں جن کے مطالعہ سے صحیح معلومات حاصل ہوں اور اُن کے پڑھنے میں لطف آئے" بعض کتابیں ہوتی تو مفید ہیں مگر وہ دلچسپ پیرایہ میں نہیں لکھی جاتی ہیں۔ ایسی کتابیں پڑھنے سے طبیعت کو اُلجھن پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے طلبا کو صرف وہ کتابیں

پڑھنی مناسب ہیں جن سے صحیح معلومات حاصل ہوں - جن کا طرز بیان دلچسپ ہو اور جو اُن کے حق میں کار آمد ہوں -

اخلاقی کتابیں ضرور پڑھنی چاہئیں تاکہ ہمارے اخلاق و عادات کی اصلاح ہو جائے اور ہر ایک مہذب سوسائٹی میں ہمارا شمار شائستہ لوگوں میں کیا جائے -

پیشہ ور اشخاص کو اپنے پیشہ ہی کے متعلق زیادہ تر کتابوں کا مطالعہ کرنا مفید ہے - مثلاً ڈاکٹر کو فن ڈاکٹری کی کتابیں اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کرنا چاہئیے اور وکیل کو قانونی کتابیں، قانونی رسائل، نظائر عدالت العالیہ کا مطالعہ کرنا مناسب ہے - کیونکہ ان کے مطالعہ سے اُن کو اپنے پیشہ میں بے حد امداد ملے گی اور وہ بہت جلد اپنے ہم عصروں کے مقابلہ میں ترقی حاصل کریں گے اور چند سال میں وہ ایک کامیاب ڈاکٹر یا نامور وکیل بن جائیں گے

THE CHOICE OF A PROFESSION.

(۱۰۳) انتخاب پیشہ

جس طرح زندگی میں کامیابی کا انحصار زیادہ تر تعلیم، جفاکشی، دیانت داری اور استقلال پر ہوتا ہے اسی طرح اپنے لئے موزوں پیشہ اختیار کرنے پر بھی زندگی میں کامیابی کا دار و مدار ہوتا ہے - اپنے لئے موزوں اور مناسب پیشہ کا انتخاب کرنا آسان کام نہیں ہے -

آج کل نہایت اہم اور مشکل سوال روزی کا ہے اور اس مسئلہ کا صحیح حل اپنے لئے موزوں پیشہ کا انتخاب کرنا ہے - فارغ البال لوگوں کے واسطے انتخاب پیشہ چنداں دشوار نہیں ہے لیکن حاجت مندوں کے واسطے یہ مسئلہ نہایت دقت طلب ہے کہ وہ کس پیشہ کو اختیار کریں جس میں وہ ترقی اور کامیابی حاصل کر سکیں -

کسی زمانہ میں وکالت اور ڈاکٹری کے پیشہ میں بڑی آمدنی تھی اور وکالت یا ڈاکٹری کا امتحان پاس کر لینا بھی آسان تھا لیکن اب وہ زمانہ نہیں - آج کل وکیل اور

ڈاکٹر بکثرت ہیں اور مقابلہ نہایت سخت ہے۔ آج کل جیسے سخت مقابلہ کے زمانہ میں والدین کا
یہ فریضہ نہایت دشوار طلب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کس پیشہ کے واسطے تیار کریں۔ آبائی پیشہ
اختیار کرنے سے اب کام نہیں چلتا اور اس مقولہ پر عمل کرنے کا یہ وقت نہیں ہے کہ

میراث پدر خواہی علم پدر آموز

کیونکہ آج کل مقابلہ نہایت سخت ہے ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ آج کل کے نوجوانوں کو
فارغ التحصیل طلبہ کو اپنی ذاتی قابلیت اور صحت دونوں کا لحاظ کرکے یہ سوچنا چاہیے
کہ ہم کس پیشہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں۔

(۱۰۴) نیک نامی — THE VALUE OF A GOOD NAME.

دیانت داری، جفاکشی، سچائی اور پرہیزگاری پر مسلسل عمل کرنے سے نیک نامی اور
ناموری حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن ان سب اوصاف میں دیانت داری کا مرتبہ افضل ترین ہے۔
تجارتی دنیا میں دیانت داری ہی سے کام چلتا ہے۔ چنانچہ جس تاجر کی
بابت یہ عام شہرت ہو جاتی ہے کہ وہ نہایت ایمان دار اور صادق القول ہے وہ حسب وعدہ
روپیہ ادا کر دیتا ہے اُسے بلا کسی ضمانت کے دساور سے مال قرض مل جاتا ہے اور اس کی
ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن نئے تاجر کو ہر ایک مال نقد قیمت ادا کرنے پر ملتا ہے اور اگر
وہ بڑے پیمانہ پر تجارت کرنا چاہتا ہے تو اُسے کثیر رقم تجارت میں لگانی پڑتی ہے اور
اگر اس کے پاس کافی روپیہ نہیں ہے تو اُسے اپنی جائداد کی ضمانت پر اُدھار مل سکتا ہے
لیکن دیانت داری اور معاملات کی صفائی سے جب کسی تاجر کی ساکھ دساور میں قائم
ہو جاتی ہے تو نقد روپیہ دینے کی ضرورت نہیں رہتی ہے اس کی ناموری اور نیک نامی
ہی دساور میں کافی ضمانت تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کے

کاروبار صرف ایک کاغذ کے پرزہ سے جس کو ہنڈی کہتے ہیں چلتے رہتے ہیں۔
لیکن نہ صرف تجارت میں بلکہ ہر ایک شعبۂ زندگی میں نیک نامی اور ناموری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ جو لڑکا ہمیشہ سچ بولتا ہے وہ راست گو مشہور ہو جاتا ہے ہر شخص اس کی بات کا یقین کرتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے۔ بڑی عمر والے بھی اس لڑکے کی عزت و توقیر کرتے ہیں اور بوقت ضرورت اس کی امداد اور دستگیری کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جھوٹ بولنے والے لڑکے کو ہر شخص نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی سچی بات کا بھی کسی کو یقین اور اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ جوان ہونے پر جب وہ کسی پیشہ کو اختیار کرتا ہے تو اس میں وہ ناکام ثابت ہوتا ہے۔ اگر وہ تجارت کرتا ہے تو کسی کو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کو سودا ادھار نہیں ملتا جس کی تجارت میں روزانہ ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بالآخر چند روز میں وہ دوالیہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی اسکول میں ٹیچر ہوتا ہے تو اس کے شاگرد اس سے نفرت کرتے ہیں اور اس کے افسران اسے اسکول سے برخاست کر دینے کے موقعہ کی تاک میں رہتے ہیں اور معمولی سا بہانہ ہاتھ آ جانے پر اسے برخاست کر دیتے ہیں۔

اس لئے دنیا میں ہر ایک شعبۂ زندگی کے لئے نیک نامی اور ناموری نہایت ضروری ہے اور یہ صرف اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے کہ انسان دیانت داری اور راست بازی سے کام کرے اور اپنے کو ہمیشہ صادق القول ثابت کرتا رہے۔

---

(۱۰۵) شیریں و تلخ کلام — Use and abuse of speech.

الفاظ میں بلا کا اثر ہوتا ہے۔ اچھے اور برے نتائج الفاظ ہی سے نکلتے ہیں۔ ہم اپنے ہمسایوں اور احباب کو اپنی شیریں کلامی سے اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں لیکن

اگر ہم اُن کے ساتھ تلخ کلامی سے پیش آتے ہیں تو وہ ہمارے جانی دشمن ہو جاتے ہیں۔

اگر آپ مصیبت زدہ سے ہمدردی کریں جاہل کو تعلیم دیں غیبت کرنے والے کو نصیحت کریں غصہ ور کو ٹھنڈا کریں اور مایوسوں کی ڈھارس بندھائیں تو یقیناً سب لوگ آپ کے ساتھ محبت کریں گے اور آپ کی عزت و توقیر کریں گے۔ اپنے کام میں حصول کامیابی کے لئے دوسروں کے اشتراک عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور دیگر حضرات صرف شیریں کلامی سے ہی گرویدہ ہو کر بطیب خاطر آپ کے کام میں پوری مستعدی سے مدد دے سکتے ہیں۔ روزمرہ کا یہ مشاہدہ ہے کہ فصیح البیان اور شیریں کلام مقرر اپنی خوش بیانی سے ہزاروں سامعین کو اپنا ہم خیال بنا لیتا ہے۔

الغرض شیریں کلامی انسان کے حق میں قادر ذوالجلال کی بڑی نعمت اور عطیہ ہے۔ اُس نے قوت گویائی ہم کو اس لئے عطا فرمائی ہے کہ ہم اس کو احسن طریقہ پر استعمال کریں لیکن اس کے بے جا استعمال سے ہم اس امانت الٰہی کے متعلق اپنا فرض ادا نہیں کرتے ہیں کیونکہ بدکلامی، یاوہ گوئی، ہرزہ سرائی اور جھوٹی بکواس سے ہم نفرت، حقارت، غصہ، رنج والم اور اسی قسم کی سینکڑوں برائیاں دنیا میں پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں اور یہ امور دنیا کی فارغ البالی اور امن و آسائش کی راہ میں حائل و مانع ہو جاتے ہیں۔ خداوند کریم نے ہم کو دنیا میں اس غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہم امن و راحت پھیلائیں۔

مثل مشہور ہے کہ زبان سے نکلا ہوا لفظ اور کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آ سکتا ہے۔ یاوہ گوئی سے انسان ہمیشہ کے لئے ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے اور پھر ہزار کوشش کی جائے مگر کسی کو ایسے شخص کی بات پر بھروسا اور اطمینان نہیں ہوتا ہے۔ بدکلامی سے سننے والے کا دل مجروح ہو جاتا ہے اور پھر وہ زخم مندمل نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ اُستاد داغ نے فرمایا ہے ؎

بات کا زخم تو تلوار کے زخموں سے سوا   کیجیے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

اس لیے کلام کرنے سے پہلے ہم کو بخوبی اندازہ کر لینا چاہیے کہ یہ بات کہنا مناسب ہے یا نہیں اور مخاطب کو اس کا سننا خوشگوار ہوگا۔

---

(۵۴) انجمن مکالمہ DEBATING SOCIETY.

انجمن مکالمہ میں کسی خاص مضمون یا مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے۔ انجمن فن تقریر سکھانے کی غرض سے قائم کی جاتی ہے جس سے غور و خوض کے مادوں کو ترقی حاصل ہوتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد ہماری قوت خیال میں اس قدر اضافہ ہو جائے گا کہ ہم نہایت پیچیدہ مسائل کے بارے میں آسانی اپنی رائے قائم کر لیں گے اور جلسہ عام میں فی البدیہہ تقریر کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ انجمن مکالمہ ہی کے ذریعہ سے ہم فن تقریر سیکھتے ہیں اور مہارت حاصل ہونے پر فصیح اور خوش بیان مقرر ہو جاتے ہیں۔ فصیح البیان مقرروں ہی نے دنیا میں اکثر موقعوں پر کایا پلٹ کر دی ہے اور فن تقریر سیکھنے کا بہترین وسیلہ انجمن مکالمہ ہی ثابت ہوئی ہے۔

اس انجمن ہی سے ہمارے علم اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ کسی مسئلہ پر تقریر کرنے میں نصاب تعلیم کے علاوہ دیگر کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے ہم کو بہت سی نئی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ علاوہ بریں انجمن مکالمہ میں کسی مسئلہ پر مختلف لوگوں کی تقریریں سننے میں بڑا لطف آتا ہے۔ انجمن مکالمہ صرف اسی صورت میں کارآمد اور سودمند ثابت ہو سکتی ہے کہ ہم ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں بلکہ اپنے مخالفین کی رائے کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور غور کریں کہ مخالفانہ تقریروں میں کس قدر صداقت ہے اور مخالفین کی رائے کس حد تک پسندیدہ اور تسلیم کرنے کے لائق ہے

کیونکہ جب تک کسی مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر غور نہ کیا جائے صحیح رائے قائم نہیں ہوسکتی ہے۔

(۱۰۷) اوہام پرستی SUREPSTITION.

اوہام پرستی جہالت سے پیدا ہوتی ہے۔ تمام دنیا میں غیر مہذب سوسائٹیاں اور جاہل لوگ کسی نہ کسی قسم کی اوہام پرستی میں مبتلا ہیں۔ اپنی جہالت کے باعث وہ کسی واقعہ کے وجوہ اور اسباب نہیں معلوم کرسکتے ہیں۔ اس لئے وہ بلا دلیل اس کے متعلق ایک باطل عقیدہ قائم کرلیتے ہیں۔ چنانچہ جاہل لوگوں میں ابتداء آفرینش سے اس وقت تک درختوں اور پتھروں کی پوجا ہوتی ہے۔ رعد، برق، چاند گرہن، اور سورج گرہن کو وہ کسی دیوتا یا شیطان کی کارگزاری تصور کرتے ہیں لیکن سائنس نے قدرت کے بہت سے راز منکشف کردیئے ہیں اور اب ہم چاند گرہن اور سورج گرہن کے وجوہ اور حقیقت بتا سکتے ہیں اور ہمارا وہ عقیدہ نہیں ہے جو زمانۂ قدیم کے جاہل لوگوں کا تھا۔

ہمارے ملک میں ہندو بھائی عام طور پر اور اُن کے ہم خیال بعض مسلمان بھی منگل اور بدھ کو سفر کے لئے نحس سمجھتے ہیں اور حتی الامکان ان دونوں روز سفر نہیں کرتے ہیں لیکن ضروریات زمانہ نے ثابت کردکھایا ہے کہ ایسی اوہام پرستی ہمارے کاموں میں بہت کچھ رخنہ اندازی پیدا کردیتی ہے بعض لوگ سفر کے وقت چھپکلی کا بولنا دروازہ سے باہر نکلنے پر تیلی یا کانے شخص کو دیکھنا سفر کے لئے منحوس جانتے ہیں اسی طرح بھوت پلیت اور ارواح خبیثہ سے ڈرنا اور اُن کو ایذا اور تکلیف دینے والا تصور کرنا بھی اوہام پرستی میں داخل ہے یہ ارواح خبیثہ صرف ہمارے اوہام ہی سے

پیدا ہوتی ہیں اور جو لوگ ان سے ڈرتے ہیں اُن ہی کو نظر آتی ہیں کیونکہ اُن کی قوت متخیلہ خود ڈراونی شکلیں بنا کر اُن کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔

سنسان مقام پر شام کے وقت سایہ آہستہ آہستہ درختوں کے نیچے آتا ہے اوہام پرست اس سایہ سے خائف ہو جاتے ہیں اور اُن کو خوفناک اور دہشتناک شکل نظر آنے لگتی ہے بعض باطل پرست تو ڈر کے مارے مر جاتے ہیں۔

لیکن اوہام پرستی ہماری ترقی کی مانع ہے کیونکہ اس کی بدولت اسباب و علل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی ہے اس لئے ہمیشہ اوہام پرستی سے احتراز کرنا چاہیے اور صرف تعلیم ہی ایک موثر وسیلہ اوہام کے استیصال کا ہو سکتی ہے۔

(۱۰۸) جانوروں کی ذہانت

INTELLEGENCE IN ANIMALS.

یہ مسئلہ بحث طلب ہے کہ آیا جانور اپنی سرشت کے بموجب کام کرتے ہیں یا وہ اپنی ذہانت سے کام لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جانور بعض معاملات میں دُور اندیشی سے کام لیتے ہیں۔ وہ ہر ایک کام اپنی سرشت کے بموجب انجام دیتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے بچوں کے لئے غذا تلاش کر کے لاتے یا اپنے واسطے خوراک جمع کر لیتے ہیں۔ چڑیاں انڈے سیتی ہیں اور بقدر ضرورت اپنے بچّوں کی پرورش کرتی ہیں اور پرورش کے بعد اُن کی مطلق پروا نہیں کرتی ہیں۔ سانپ، گھڑیال اور شتر مرغ انڈے دینے کے لئے خاص مقام تلاش کر لیتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے جانوروں کو حسب ضرورت اپنے بچّوں کی پرورش کے لئے مختلف درجہ کی محبت اور انسیت عطا کی ہے۔ اُس نے

ان جانوروں کو اسی طرح سمجھ عطا کی ہے جس طرح اُس نے پرندوں کو پرواز کے لئے پر وا بازو اور مچھلی کو تیرنے کے لئے پسنے عطا کئے ہیں۔ بعض پرندا اپنا گھونسلہ بڑی ترتیب اور قابلیت سے بناتے ہیں لیکن گھونسلہ بنانے کی سمجھ اُن کی سرشت میں ہوتی ہے وہ کسی دوسرے گھونسلہ کی نقل نہیں اُتارتے۔ چنانچہ کوّا اپنا ہی گھونسلہ بنا لیتا ہے وہ فاختہ کا گھونسلہ نہیں بنا سکتا ہے۔ مرغی کے نیچے اگر کوّے یا کبوتر کے انڈے رکھدیئے جائیں تو وہ اُن کو سیتی رہے گی اور بچے نکل آئیں گے۔ اگر ان جانوروں میں عقل یا ذہانت ہوتی تو وہ ایک ہی قسم کا گھونسلہ نہ بناتے بلکہ ہر ایک کا گھونسلہ مختلف شکل کا ہوتا۔

لیکن یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ کسی جانور میں عقل و ذہانت نہیں پائی جاتی ہے چنانچہ بندر افعال انسانی کی فوراً نقل اُتار لیتا ہے وہ گھر والوں کی موجودگی میں کھانے پینے کی چیزیں نہایت صفائی سے اُڑا لے جاتا ہے۔ بعض مرتبہ وہ کپڑے اُٹھالے جاتا ہے اور بہت منت سماجت کے بعد جب کھانے کی کوئی چیز اسے پیش کی جاتی ہے اس وقت وہ کپڑا واپس کردیتا ہے۔

بعض جانور نہایت دلچسپ تماشے کرتے ہیں۔ کتا چور کو شناخت کرلیتا ہے گھوڑا خطرہ کے وقت اپنے آقا کی جان بچا لیتا ہے۔ ہاتھی اچھی اور بری بات کو فوراً سمجھ لیتا ہے۔ سدھانے پر باز حیرت انگیز کارنامے دکھاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جانور اپنی سرشت کے موجب ہی کام نہیں کرتے ہیں بلکہ بعض جانور اپنی عقل سے بھی کام لیتے ہیں اور اُن میں فہم و فراست موجود ہوتی ہے۔ لیکن مختلف جانوروں میں ذہانت کا مادّہ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔

علاوہ بریں عقل انسانی اور جانور کی فہم میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

پیدا ہوجائے گا اور اگر ہم روپیہ پیسہ سے اُن کی امداد نہیں کر سکتے تو کم از کم اُن کے ساتھ
مہربانی اور ہمدردی کے ساتھ پیش آسکتے ہیں اور ہمارے شفقت آمیز الفاظ سے اُن کو
قدرے تسلی ہوجائے گی اور مقتضائے انسانیت تو یہی ہے کہ ؎

نیم نانے گر خورد مردِ خدا   بذلِ درویشاں کند نیم دگر

یعنی اگر ہمارے پاس صرف ایک روٹی ہو تو اُس کا نصف ٹکڑا کھالیں اور باقی
نصف کسی بھوکے کو کھلادیں۔

اگرچہ بعض بھکاریوں کا مفلس ہونا اُن ہی کی حماقت کے باعث ہوتا ہے لیکن ہم کو
اُن کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرنا مناسب ہے اور اگر اُن کی مصیبت حقیقتاً ہے تو
وہ ضرور واجب الرحم ہیں۔

فی الحقیقت افلاس ہی مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال کرکے کہ یہ شخص
اگر عقل سے کام لیتا تو ایسی مصیبت میں گرفتار نہ ہوجاتا ہم کو اُس کی جانب سے بے پروائی
نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن بسا اوقات افلاس اور مصیبت اپنے ہی اعمال کا نتیجہ
نہیں ہوتی ہے۔ مثلاً بعض لوگ پیدائشی نادار اندھے، لنگڑے لولے ہوتے ہیں اور
بعض آدمی ناگزیر واقعات کے رونما ہونے سے مفلس قلاش ہوجاتے ہیں۔ یہ بدنصیب
ضرور واجب الرحم اور امرا کی ہمدردی کے مستحق ہیں۔

زندگی میں بہت سے نشیب و فراز ہوتے رہتے ہیں کسی کو اپنے مستقبل کا علم نہیں ہوتا
بالفرض آج ہم امیر آدمی ہیں بہت ممکن ہے کہ کل ہم غریب اور مفلس ہوجائیں اور اُس وقت
ہم کو کسی متمول شخص کے روبرو ہاتھ پھیلانا پڑے اور اس وقت وہ امیر آدمی اگر ہماری
جانب سے بے رُخی اور بے التفاتی اختیار کرے تو ہم کو کس قدر تکلیف و افسوس محسوس ہوگا

ہندوستان میں غریبوں کو خیرات دینے کا ہمیشہ سے رواج ہے۔ ہندو اور مسلمان
اپنے دروازہ سے کسی بھکاری کو خالی ہاتھ نہیں پھیرتے ہیں بلکہ اُسے کچھ نہ کچھ ضرور

دے دیتے ہیں لیکن قابل افسوس یہ واقعہ ہے کہ بہت سے تندرست آدمیوں نے گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا ہے ایسے لوگوں کو خیرات دینا ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے کیونکہ اس خیرات سے ان تندرست آدمیوں کو کاہل بناتا ہے۔ دوسرے مستحقین کو ان کی امداد سے محروم رہتے ہیں۔

(۱۱۱) جانوروں سے ہمدردی

KINDNESS TO ANIMALS. :—

بعض لڑکے جانوروں کو ستانے اور دق کرنے کو کھیل تصور کرتے ہیں مثلاً کسی چڑیا کے پاؤں یا بلی کے گلے میں رسّی باندھ کر اُس کو گھسیٹتے ہیں اور وہ نہیں سوچتے کہ اُسے کس قدر تکلیف محسوس ہوتی ہے اگر لڑکوں کو ایسی حرکتوں سے منع کر دیا جائے اور سمجھا دیا جائے کہ یہ نہایت بُرا فعل ہے اور جانور کو اس سے تکلیف اور اذیت پہونچتی ہے تو یقیناً ایسی حرکتوں سے احتراز کرنے لگیں گے۔

لیکن بعض سمجھدار آدمی بھی جانوروں پر بہت ظلم کرتے ہیں۔ اُن کو یہ سوچنا چاہئے کہ آخر جانور بھی خدا کی مخلوق ہیں۔ جس طرح کہ تندرست آدمی کا کمزور شخص پر ظلم کرنا ناروا ہے اسی طرح جانور پر ظلم کرنا بھی نا درست ہے۔

اگر آپ کسی انسان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کریں گے تو وہ ضرور آپ کا ممنون احسان ہوگا۔ اسی طرح اگر جانور کے ساتھ شفقت آمیز سلوک کیا جائے تو وہ بھی شکر گزاری کے ساتھ اس احسان کو یاد رکھتا ہے۔ چنانچہ کتے اور گھوڑے کی وفاداری ضرب المثل ہے اور ہزاروں واقعات ایسے گزر چکے ہیں جن میں کتے اور گھوڑے نے اپنے آقا پر اپنی جان قربان کر دی ہے۔ طلبا نے بشرا در ابنڈرا کلیز کا

حسب ذیل قصہ ضرور پڑھا ہوگا جو احسان مندی اور شکر گزاری کی بین دلیل ہے۔
روایت ہے کہ اینڈرا کلیز سے ایک قصور سرزد ہو گیا اور وہ اپنے جابر اور ظالم آقا سے خوف زدہ ہو کر افریقہ کو بھاگ گیا۔
جنگل میں وہ آوارہ پھر رہا تھا کہ اُس نے ایک شیر کو اپنی جانب آتا ہوا دیکھا جب شیر قریب آگیا تو اس نے معلوم کیا کہ شیر کے پاؤں میں کچھ تکلیف ہے اور وہ لنگڑا کر چلتا ہے وہ شیر کے پاس جا پہونچا اور اُس کا پاؤں ہاتھ میں لے کر معائنہ کیا اور اُس کے تلوے میں سے کانٹا نکال لیا۔ شیر کے چہرے اور بشرے سے اظہار شکر گزاری کے آثار نظر آئے۔ چند سال بعد وہ اپنے وطن کو واپس آیا اُس کے ظالم آقا نے اُس کے بھاگ جانے کی یہ سزا تجویز کی کہ ایک شیر کو کٹہرے میں کئی روز تک بھوکا پیاسا بند رکھا اور پھر اُس شیر کو اینڈرا کلیز پر چھوڑ دیا۔ لیکن سب لوگ بے حد متحیر ہو گئے کہ شیر نے اُس پر حملہ نہیں کیا بلکہ اُس کے قریب آ کر اپنا سر اُس کے روبرو زمین پر رکھ دیا۔ پھر اینڈرا کلیز نے بیان کیا کہ یہ وہی شیر ہے جس کے تلوے میں سے کانٹا نکالا تھا۔ اُس کے آقا نے قصور معاف کر دیا۔
اس لئے مقتضائے انسانیت یہی ہے کہ ہم جانوروں کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کے ساتھ پیش آئیں اور اُن پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی کرنا ہرگز گوارا نہ کریں۔

(۱۱۴) اسکول میگزین SCHOOL MAGAZINE.

اکثر اسکول اور کالج اپنا میگزین شائع کرتے ہیں اور وہ طلبا کے واسطے نہایت کارآمد ہوتے ہیں۔ طلبا کو مضمون نویسی میں مشاق پیدا کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ اسکول میگزین کے انگریزی حصہ کا اڈیٹر ہیڈ ماسٹر اور اُردو حصہ کا اڈیٹر مدرس فارسی

ہوتا ہے۔ اسسٹنٹ اڈیٹر ہوشیار طالب علم ہوتے ہیں اور اس کا انتظام ایک کمیٹی کے
سپرد ہوتا ہے جس کے ممبران اسکول کے اساتذہ اور طلبا ہوتے ہیں۔ مضمون نویسی کے لئے
طلبا کو اپنے مقررہ نصاب کے علاوہ اور کتابوں اور اخبارات کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے جس سے
اُن کی استعداد میں ترقی ہوتی ہے۔ طلبا مضمون لکھکر اپنے اساتذہ کے روبرو پیش
کرتے ہیں اور وہ اُس میں مناسب اصلاح کر دیتے ہیں۔

میگزین میں اساتذہ بھی مضمون لکھتے ہیں اور درسی علوم کے متعلق جو بحث ان
مضامین میں کی جاتی ہے اُس سے طلبا کو بہت کچھ مفید معلومات حاصل ہو جاتی ہے۔
مضمون نویسی کا شوق پیدا ہو جانے سے طلبا کو کتب بینی کرنی پڑتی ہے اور
پھر کسی کتاب سے نقل کرنے یا کسی مصنف کے خیالات کو دُہرانے کے بجائے وہ
ایک مستقل رائے قائم کرنے لگتے ہیں اور مضامین کی شکل میں بعض مسائل کے متعلق وہ
اپنے ذاتی تخیلات پیش کرتے ہیں۔ اگر اسکول سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد
مضمون نویسی کا شوق باقی رہتا ہے تو چند سال بعد یہی طلبا اعلیٰ درجہ کے مضمون نگار
مصنف، مولف اور ادیب بن جاتے ہیں اور ملک میں ناموری اور شہرت پیدا کر لیتے ہیں
میگزین کے مصارف کے لئے ہر ایک طالب علم سے ماہوار چندہ لیا جاتا ہے اور اگر
یہ چندہ کافی نہیں ہوتا تو باقی اخراجات اسکول فنڈ ادا کر دیتا ہے۔

اسی طرح کالج میگزین کے انگریزی حصہ کا اڈیٹر پروفیسر انگریزی یا کوئی دوسرا
پروفیسر ہوتا ہے جس کو مضمون نویسی میں مہارت ہوتی ہے اور اسسٹنٹ اڈیٹر بی اے
یا ایم اے کلاس کا طالب علم ہوتا ہے جس کو مضمون نویسی کا دلی ذوق شوق ہوتا ہے
کالج میگزین سے کالج کے طلبا اسی طرح مستفید ہوتے ہیں جس طرح اسکول میگزین سے اسکول کے
طلبا ہوتے ہیں۔ کالج میگزین کا ایک مقررہ چندہ ہر ایک طالب علم سے لیا جاتا ہے اور اگر مصارف
کے لئے وہ ناکافی ثابت ہوتا ہے تو باقی مصارف کالج فنڈ سے ادا کئے جاتے ہیں

(۱۱۴) تلوّن مزاجی

A ROLLIG STONE GATHERS NO MOSS.

مثل مشہور ہے کہ جو شخص کسی ایک پیشہ یا کام کو مستقل طور پر نہیں کرتا وہ کبھی دولتمند نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایک پودا ایک جگہ سے اکھاڑ کر بار بار دوسری جگہ پر نصب کیا جائے گا تو خواہ اس کی کیسی ہی داشت کیوں نہ کی جائے وہ کبھی سرسبز و شاداب نہیں ہوگا۔ بلکہ خشک ہو کر مرجھا جائے گا۔ یہ واقعہ اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ اگر کوئی مسافر کسی ایک راستہ کو اختیار کر لیتا ہے اور خواہ وہ راستہ کیسا ہی ناہموار اور پیچیدہ کیوں نہ ہو وہ برابر چلتا رہتا ہے تو بہت جلد وہ اپنی منزل پر پہونچ جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس وہ صاف راستہ کی تلاش میں سمت کو تبدیل کرتا رہے گا تو اُسے اپنی منزل تک پہونچنے میں بہت عرصہ لگے گا۔ اسی طرح متلوّن مزاج شخص سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کی رائے ہر وقت تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہ شخص بادنما کی طرح ہمیشہ گردش میں رہتا ہے چونکہ ہوا اُس کا رُخ بدلتی رہتی ہے۔ ایسے شخص کا کوئی خاص مقصد نہیں ہوتا اُس کی رائے ہمیشہ تبدیل ہوتی ہے اور اسے اپنی کوشش میں ہمیشہ ناکامی اور مایوسی حاصل ہوتی ہے۔

مستقل مزاجی اور کامیابی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ دنیا کے جملہ کامیاب اشخاص اپنی مستقل مزاجی کے لئے مشہور ہیں اور متلوّن مزاج ہمیشہ ناکام و نامراد رہتا ہے جفاکشی، مقصد اور عزم کے فقدان کا نتیجہ نقصان تباہی اور بربادی ہوا کرتا ہے۔ جس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں اگر ہم اس کے متعلق اپنی رائے تبدیل کر دیں گے تو ہمارا مقصد ہرگز حاصل نہ ہو سکے گا۔

اس لئے ہم نوجوانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ جس پیشہ کو بھی اختیار کریں اس میں
دلی ذوق شوق کے ساتھ مصروف رہیں اور اپنے طرز عمل سے دنیا پر یہ ثابت کر دیں
کہ انہوں نے سوچ سمجھ کر فلاں پیشہ کو اختیار کیا ہے۔ زندگی چند روزہ ہے۔ اس لئے
اپنی زندگی کے شایان شان کسی کام کو انجام دینا چاہیئے اور ہمیشہ یہ بات ملحوظ خاطر
رہے کہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ہم جو کچھ جد وجہد کر رہے ہیں اس کے لئے
ہم اپنے مقصود سے قطع نہ کریں۔

(۱۱۴) کام کو بروقت انجام دینا

MAKE HAY WHILE THE SUN SHINES.

مثل مشہور ہے کہ دھوپ میں گھاس کو خشک کر لو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک
کام کو مناسب وقت پر انجام دینا چاہیئے کیونکہ مواقع بار بار نہیں ملتے ہیں اور موقع
میسر آنے پر اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے کیونکہ ؎

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اور مناسب مواقع بہت کم نصیب ہوتے ہیں۔ اگر آپ بے پروائی کی عادت
ترک نہ کریں تو ہمیشہ بے مصرف ثابت ہوں گے اور آپ اپنے فرائض منصبی کبھی
باحسن الوجوہ انجام نہ دے سکیں گے۔ محنت اور کامیابی خود بخود میسر نہیں آتی ہے
بلکہ موقع میسر آنے پر پوری جد وجہد سے کام کرنا چاہیئے تاکہ آپ اپنے مقصد میں
کامیابی حاصل کریں۔ ہمت و جرأت اور محنت سے کام کرنے پر اس کا صلہ ضرور ملتا
ہے کیونکہ کسی کی محنت رائگاں نہیں جاتی ہے۔

چنانچہ محاربۂ عظیم کے دوران میں امریکہ نے موقع سے خوب فائدہ اُٹھایا اور اپنی
دولت اور صناعی کا صحیح استعمال کر کے ایسی اشیاء کی تجارت پر قبضہ کر لیا جو اس سے پہلے
حریفوں کے ہاتھ میں تھی اور اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ اب امریکہ دنیا میں سب سے
زیادہ متمول ملک ہو گیا ہے۔

(۱۱۵) خدمتِ خلق

HE PRAYS THE BEST WHO LOVETH THE MOST.

بارگاہِ الٰہی میں اُس شخص کی دعا قبول ہوتی ہے جو اُس کی جملہ مخلوقات سے خواہ
وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ محبت اور ہمدردی کا برتاؤ اور سلوک کرتا ہے۔ اُس کا فراخ دل
نہایت شاندار اور اعلیٰ قسم کی نیکیوں اور اوصافِ حمیدہ کا مسکن ہوتا ہے۔

نکوکاری خدا کو پسند ہے۔ دعا کے وقت ہم خداوند کریم سے اُس کے رحم و کرم کے
خواستگار ہوتے ہیں۔ اگر ہم ہمدردی، ترحم، شفقت و محبت اور عفو تقصیر کا سلوک
اپنے بھائیوں کے ساتھ نہ کریں تو پھر ہم کو خداوند کریم سے اپنی دعاؤں کے مقبول
ہونے کی کم توقع کرنی چاہیئے۔ اگر تم دوسروں سے محبت اور ہمدردی کرو گے
اُس وقت تم کو یہ توقع کرنی چاہیئے کہ تمہارے ساتھ بھی محبت آمیز اور ہمدردانہ
برتاؤ کیا جا سکتا ہے۔

جس شخص کو اپنے بھائی سے محبت نہیں وہ خداوند کریم سے کیونکر محبت کرنے کا
مدعی ہو سکتا ہے؟

اگر ہم اپنے بھائیوں کی خوشی اور رنج میں شرکت کریں، اور اُن کے ساتھ شفقت آمیز

سلوک کریں تو اس طرح محبت اور ہمدردی کا مادہ پیدا ہو جانے سے ہم اپنے خالق
کے ساتھ بھی محبت کرنا سیکھ جائیں گے اور سوچنے و سمجھنے کی بات ہے کہ جب تک ہم محبت کا
ادنیٰ درجہ حاصل نہ ہو جائے ہم محبت کے اعلیٰ ترین درجہ کو کیونکر حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے
اوّلاً اپنے بھائیوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کیجئے تاکہ خدا کی محبت اپنے قلب میں
پیدا کرنے کا امکان ہو جائے۔

عبادت اور دعا کی مقبولیت کے واسطے قلب میں رقت اور خلوص کا پیدا ہونا
ضروری ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ سچی اور
خالص محبت اور ہمدردی کی جائے۔ اس لئے اگر ہم قادر ذوالجلال کے رحم و کرم کے
اور اپنی عبادت اور دعاؤں کے مقبول ہونے کے خواہشمند ہیں تو ہم کو سچے اور
خالص دل سے اپنے بھائیوں کے ساتھ محبت، شفقت اور ہمدردی کا برتاؤ اور
سلوک کرنا چاہیئے۔

---

(۱۱۷) ایجاد کی ماں ضرورت ہے

NECESSITY IS THE MOTHER OF IN-
-VENTION.

ضرورت ہم کو کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اس لئے اس ضرورت کو رفع
کرنے کے لئے ہم کسی کام کو انجام دیا کرتے ہیں۔ ضرورت کے مختلف مدارج ہوتے ہیں
وہ معمولی یا شدید ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص بھوکا ہے اب اس کی بابت ہم یہ نہیں
کہہ سکتے کہ اس کی ضرورت معمولی ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اسے کھانے کی شدید ضرورت
ہے اگر اسے کھانا نہیں ملے گا تو وہ فاقہ کشی سے ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے جب ہم کو

کسی چیز کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے تو جب تک کہ وہ میسر نہ آجائے ہم آسودہ اور مطمئن نہیں ہو سکتے ہیں اور ہم اُس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی امکانی کوشش صرف کر دیتے ہیں کیونکہ ایک اندرونی خواہش ہم کو کام کرنے پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔

جملہ اشیاء جو روزمرّہ ہمارے استعمال میں آتی ہیں یہ سب انسانی ضروریات کے پورا کرنے کی کوشش سے عالم وجود میں آئی ہیں۔ بغیر خواہش اور ضرورت کے کوئی چیز ضروری نہیں ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ سامان عیش و نشاط بھی کسی نہ کسی ضرورت یا خواہش کے پورا کرنے کی غرض سے ایجاد ہوا ہے۔ مثلاً: ہم کو آرام و آسائش ان کی بدولت میسّر آجاتا ہے۔

اگر روپیہ کی ضرورت لاحق نہ ہو تو کوئی متنفس دولت حاصل کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کرے گا۔ جب تک ہم کو سردی سے تکلیف محسوس نہ ہوگی ہم گرم کپڑے سے اپنے جسم کی حفاظت کرنے کی تدبیر نہیں کریں گے۔

ضرورت ہی انسان کو بہادر، جفاکش اور سیاحت کا شائق بناتی ہے۔ چنانچہ انگلستان ترقی کرکے موجودہ رتبہ پر اس وجہ سے پہونچ گیا ہے کہ انگلستان ایک وسیع سمندر کے قریب ویران جزیرہ تھا۔ یہاں کے باشندوں کی گزر باہر سے غلہ لانے پر ہوتی تھی اس وجہ سے انگریزوں کو غیر ممالک میں جانے کی ضرورت پیش آئی برطانیہ کی مختلف ضروریات ہی نے وہاں کے باشندوں کو اطراف عالم میں جانے پر آمادہ کیا اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج کرۂ ارض کے بڑے حصہ پر قابض اور اُس کے مالک ہیں۔

ہندوستان کی حالت اس کے برعکس ہے۔ ہندوستان ایک دولت مند ملک تھا یہاں کی صناعی کا دور دور شہرہ تھا اور ہر قسم کی پیداوار سے یہ ملک مالامال تھا۔ لیکن شومئ تقدیر سے اولوالعزمی اور سیاحت کا شوق جاتا رہا۔ جس کا یہ انجام ہوا کہ آج ہندوستان کی گردن میں طوق غلامی پڑا ہوا ہے اور بجائے صنعتی ملک کے

وہ ادنیٰ درجہ کا زراعتی ملک بن گیا ہے اور یہی ہر ایک ضرورت کے لئے دوسرے ملکوں کا دست نگر ہے جو یہاں کی ضرورت پورا کرنے کے لئے ہر قسم کا سامان تیار کرتے ہیں اور یہ اپنی کمائی کا جزو اعظم اپنی ضروریات کی چیزیں خرید کر غیر ملکوں کی نذر کر دیتے ہیں۔

گرین لینڈ ایک برفستانی ملک ہے جہاں پر بجز برف کے اور کچھ موجود نہیں۔ البتہ وہاں کے سمندر میں ایک قسم کی مچھلی پیدا ہوتی ہے۔ وہاں کے باشندے اپنی جملہ ضروریات برف اور اُس مچھلی سے پورا کرتے ہیں۔ وہ برف کی چٹانیں جمع کر کے اپنے رہنے کے واسطے مکان بناتے ہیں۔ مچھلی کا گوشت اُن کی غذا ہے۔ سمندر کی سطح پر سے کائی جمع کرکے بتی بناتے ہیں اور مچھلی کے تیل میں اُس بتی کو روشن کرتے ہیں۔

الغرض رہنے کے لئے مکان کی اور تاریکی رفع کرنے کے لئے روشنی کی ضرورت لاحق ہونے ہی سے انھوں نے مکان اور روشنی کا مرقومہ بالا اہتمام کر لیا ہے۔

---

(۱۱۷) حصول کامیابی NO RISK NO GAIN

جو شخص کہ مشکلات اور خطرات سے ڈرتا ہے اُسے کامیابی کی ہرگز توقع نہ کرنی چاہیئے۔ جو شخص کہ روزانہ معمولی سا کام کرتا رہتا ہے وہ بقدر بسر اوقات روپیہ پیدا کر لیتا ہے۔ ثروت اور تموّل ایسے لوگوں کے واسطے نہیں ہوتا۔ تموّل اور امارت تو صرف اُن معدودے چند حضرات کے واسطے ہوتی ہے جو عزم بالجزم رکھتے ہیں اور نہایت صبر و سکون و استقلال کے ساتھ پیش آنے والی جملہ مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سے

یہ دنیا ہے پھولوں کا بستر نہیں ہے

جملہ مراحل زندگی میں مشکلات اور خطرات پیش آتے ہیں اس لئے اگر ہم عروج

اور اقبال مندی کے خواہاں ہیں تو ہم کو مردانہ وار ان مشکلات اور خطرات کا مقابلہ کرکے انھیں رفع کردینا چاہیئے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کے واسطے ہم کو اپنی راحت، آرام و آسائش کو قربان کردینا مناسب ہے آرام طلب آدمی آرام و آسائش سے اپنے دن گزارنا پسند کرتا ہے اس لئے اُسے زیادہ پریشانیاں اور تردّدات بھی نہیں پیش آتے ہیں۔ لیکن اولوالعزم شخص اپنے موجودہ آرام و آسائش پر لات ماردیتا ہے اور آئندہ راحت میسر آنے کی توقع پر اُسے سخت ناکامیاں، مایوسیاں پیش آتی ہیں اور دوست احباب کے طعن و تشنیع سننا پڑتے ہیں مگر وہ ان کی مطلق پرواہ نہیں کرتا ہے۔ یہ بھی مدنظر رہے کہ خطرات اور مشکلات کا نتیجہ ناکامی ہے لیکن بسا اوقات یہی مشکلات رفع ہوجانے پر کامیابی کا وسیلہ اور موجب ثابت ہوتی ہیں اور فی الحقیقت وہی لوگ تعریف کے مستحق ہیں اور قابل مبارکباد ہیں جو بار بار ناکام رہنے پر بھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ مردانہ وار حصول مقصد کے واسطے اپنی امکانی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں اور بالآخر کامیاب ہوجاتے ہیں۔

لیکن کسی مشکل اور دقت طلب امر میں ہاتھ ڈالنے سے پیشتر اُس کے نشیب و فراز اور کامیابی و ناکامی الغرض ہر ایک پہلو پر ٹھنڈے دل سے غور کرلینا چاہیئے اور اُس کے بعد اُس کام کو ہاتھ میں لینا چاہیئے اور حصول کامیابی میں جو موانعات اور مشکلات حائل ہوں اُن کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے۔ انشاء اللہ جملہ موانعات جلد دور ہوجائیں گے اور بالآخر کامیابی کا روشن چہرہ نظر آجائے گا۔

(۱۱۸) نصیحت سے مثال بہتر ہوتی ہے

Example is better than precept.

کلام یا عمل یہی صرف دو ذریعے کسی بات کے دل نشین کرانے کے ہیں۔ مثلاً ہم کسی بچے کے دل نشین ہمت اور بہادری کرانا چاہتے ہیں تو ہم بہادری کی تعریف ایسے موثر الفاظ میں کریں گے کہ بچے کی سمجھ میں اچھی طرح آجائے کہ ہمت و بہادری کسے کہتے ہیں یا اس کے روبرو ہمت و بہادری کی کوئی عملی مثال پیش کریں گے جس کی اُسے تقلید کرنی چاہیئے۔ صرف نصیحت اور زبانی جمع خرچ کا اثر پڑنا یا نہ پڑنا حالات سے ہے۔ اگر ہمارے الفاظ موثر اور طرز بیان دلچسپ ہے تو بچے کے دل پر ہمارے الفاظ بہت اثر کر دیں گے لیکن اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ نصیحت کا اثر عارضی ہوتا ہے اور اس سے دائمی فائدہ نہیں پہونچتا ہے۔

اسکول میں لڑکوں کو بہت سی عمدہ باتیں پڑھائی جاتی ہیں۔ مثلاً نیک کام کا ہمیشہ بہتر نتیجہ نکلتا ہے۔ صادق القول سے ہر شخص محبت کرتا اور اس کی عزت کرتا ہے لیکن بہت کم ایسے طلبا ہوتے ہیں جو ایسی نیک باتوں کا اثر قبول کرتے ہیں اور صرف پند و نصائح ہی سے وہ نیک بن جاتے ہیں۔

تقلید یا نقل کرنا انسانی سرشت میں داخل ہے۔ ہر شخص پر اس کے ہمنشینوں کا اثر پڑتا ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند ٭ صحبت طالح ترا طالح کند

یعنی نیک آدمیوں کی صحبت میں رہنے سے تم نیک اور برے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے تم بدکار بن جاتے ہو۔

لیکن جب آپ تھیٹر میں واقعات کی عملی نمائش دیکھتے ہیں اُس وقت آپ کے دل پر اُن واقعات کا بے حد اثر پڑتا ہے اور اپنے مکان پر واپس آکر آپ یہی سوچتے ہیں کہ ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ اسی طرح مذہبی وعظ و پند کا عوام پر کچھ اثر نہیں پڑتا ہے مگر مقدس لوگوں کی نورانی زندگی ہزاروں دلوں کو مسخر کر لیتی ہے بہت سے گمراہ صراط مستقیم اختیار کر لیتے ہیں۔

مشاہیر عالم نے اپنی روشن اور شریف مثال چھوڑی ہے اور اگر ہم بھی دنیا میں عظمت و شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو اُن کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔

انبیاء مرسلین، صحابۂ کرام، اولیاء اللہ، علماء کرام نے خود اپنی روشن اور پاکیزہ مثال اپنی مقدس اور نورانی زندگی کی پیش کی جس کو دیکھکر لاکھوں کروڑوں گمراہ رہ راست پر آگئے اور اُن کے مقلد و پیرو بن گئے۔

اس لئے والدین کو اوّل خود نیک اعمال بننا چاہیئے اور اپنی اولاد کے روبرو اپنی نیک اعمالی کا نمونہ پیش کرنا چاہیئے۔ ورنہ صرف پند و نصیحت سے ہرگز یہ توقع نہ کیجئے کہ آپ کی اولاد نکوکار بن جائے گی۔

یہی حالت قومی ترقی کی ہے اگر کسی قوم کے سردار خود بہادر ہوں گے تو اُس کے افراد بھی شجاع اور بہادر ہو جانے کی کوشش کریں گے۔ اگر کسی قوم کے سردار مذہبی آدمی ہیں تو اس کے افراد میں بھی اتباع مذہب کا جذبہ پیدا ہوگا اور مذہبی فرائض کی پابندی اس کے افراد میں عام طور پر نظر آئے گی۔ اس لئے جو لوگ کہ اپنی قومی ترقی کے خواہاں ہیں اُن کو چاہیئے کہ خود ترقی کر کے اپنے کو بطور نمونہ اپنی قوم کے روبرو پیش کریں تاکہ اُن کی پیروی کر کے ساری قوم ترقی یافتہ ہو جائے۔

(۱۱۹) ہمّتِ مرداں مددِ خدا

Where there is a will there is a way.

یہ ایک زریں مقولہ ہے۔ اس کو جرأت اور اُمید کا پیغام سمجھنا چاہیئے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر ہم کسی کام کو انجام دینے کی ہمت یا ارادہ کریں اور استقلال کے ساتھ اُسے انجام دیتے رہیں تو بالآخر انشاء اللہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہزاروں واقعات موجود ہیں کہ استقلال کے ساتھ کسی کام میں مصروف رہنے سے بالآخر کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

مثلاً ڈیماستھنز کی آواز بہت کمزور تھی وہ ہکلا کر بات کرتا تھا اور اپنے مافی الضمیر کو زبان سے بخوبی ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ اشاروں سے اپنا مطلب ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن باوجود اس قدرتی نقص کے وہ دنیا میں لاثانی فصیح البیان مقرر بن گیا۔ اُس نے اپنے اس قدرتی نقص کو رفع کرنے کے لئے نہایت استقلال کے ساتھ مختلف تدابیر کیں۔ بالآخر اس کا یہ قدرتی نقص رفع ہو گیا اور پھر فن تقریر میں کمال حاصل کرنے کی سعی و کوشش سے وہ دنیا میں لاثانی فصیح البیان مقرر مان لیا گیا۔ اگر ہم کو بفرضِ محال اپنی کوشش میں چند بار ناکامی نصیب ہو تو ہم کو مایوس ہو کر اپنی کوشش سے دست بردار نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ استقلال کے ساتھ اپنی کوشش کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے انشاء اللہ جملہ مشکلات دور ہو جائیں گی اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گی دنیا میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں بعض لوگ نحیف الجثہ ہوتے ہیں اور اُن کی صحت بھی خراب ہوتی ہے۔ بعض آدمیوں کی قوت حافظہ کمزور ہوتی ہے لیکن اگر وہ استقلال کے ساتھ کوشاں رہیں تو ایک خاص حد تک اُن کو اپنے مقصد میں کامیابی ضرور حاصل

ہو جائے گی اور مجملہ موانعات خواہ وہ قدرتی نقائص ہوں، خواہ ناگہانی آفات سب دور ہو جائیں گے۔ اس لئے جو شخص کہ اس دنیا میں قطعی ناکام اور نامراد نظر آئے اُس کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اُسی کی کاہلی و بےپروائی کا نتیجہ ہے

(۱۳۰) علم کی قوّت

KNOWLEDGE IS POWER:-

جب ہم ابتدائی زمانہ کے انسانوں کا موجودہ زمانہ کے مہذب اور متمدن آدمی سے مقابلہ اور موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو اُس زمانہ کے لوگوں کے حالات صرف اقسام معلوم ہوسکتے ہیں۔

ہمارے اس موجودہ زمانہ ہی میں بہت سے ایسے انسان موجود ہیں جن کو ہم وحشی یا نیم وحشی کہتے ہیں۔ مثلاً: ہندوستان میں سرحدی آزاد قبائل کے پٹھان، بھیل، گونڈ، سنتھالی یا افریقہ میں حبشی لوگ

مہذب اور وحشی انسان میں یہ فرق ہے کہ مہذب آدمی قدرت کے ہزار اسرار سے واقفیت حاصل کرکے اُن سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور غیر مہذب یا وحشی آدمی ان اسرار قدرت سے ناواقف ہوتا ہے۔ وحشی آدمی اگرچہ مہذب انسان کے مقابلہ میں جسمانی قوّت زیادہ رکھتا ہے لیکن مہذب شخص اپنے علم و عقل کی قوت سے ہمیشہ وحشی پر غالب آتا ہے۔

قدیم زمانہ میں عرصہ دراز تک رعد و برق سے انسان ڈرتے رہے۔ لیکن تہذیب و تمدن کی ترقی سے ہم نے یہ راز معلوم کرلیا کہ رعد و برق کیا شے ہے اور

اب ہم نے برق کو پیشتر تابع کر کے اپنا غلام بنایا ہے-چنانچہ ہم نے برقی پنکھے
اور برقی لیمپ تیار کر لیے ہیں جو ہمارے حق میں نہایت کار آمد ہیں برقی تار
اور برقی ٹیلیفونوں سے ہزاروں میل کی خبریں چند منٹ میں ہم تک آجاتی ہیں
برقی قوت سے ہم اپنی کشتیوں کو چلاتے ہیں- اس لئے کہ ہمارے عزم
کی قوت جس کی بدولت ہم نے بجلی کو مسخر کیا ہے وہ اس سے اپنے
سیکڑوں کام لے رہے ہیں-

---

(۱۴۱) بداعمالی کی سزا

THE PUNISHMENT OF EVIL DEEDS.

بداعمال شخص کا دماغ ہمیشہ پریشان رہتا ہے- اُس کے قلب سے سکون و
اطمینان رخصت ہو جاتا ہے- ہر وقت ایک قلبی تکلیف محسوس ہوتی رہتی ہے
وہ اس تکلیف کو رفع کرنے کے لیے اپنے نفس کو ہزاروں قسم کا دھوکہ دیتا
ہے مگر اس کی اندرونی تکلیف رفع نہیں ہوتی ہے- جب تک کہ وہ اپنی بداعمالی کو
ترک کرنے کا مصمم ارادہ نہ کرے اور صدق دل سے تائب نہ ہو اس کی قلبی تکلیف
ہرگز دور نہیں ہو سکتی ہے-

ہمارے اخلاق پر بداعمالی کا جو اثر ہوتا ہے اُسے ملاحظہ فرمایئے جب ہم کسی
گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں تو ہمارا ضمیر ہماری اس حرکت پر لعنت بھیجتا ہے ہم اپنی
نظروں میں خود ذلیل اور خوار ہو جاتے ہیں- ہم کو ندامت اور شرمندگی محسوس
ہوتی ہے اور ہماری معصیت سے ہمارے خیالات و خصائل بگڑ جاتے ہیں علاوہ بریں

اوصاف حمیدہ مثلاً: زہد، اتقا، پرہیزگاری، سخاوت، فیاضی کا ہماری طبیعت پر زیادہ اثر نہیں رہتا ہے اور نکوکاری کی جانب طبیعت مائل نہیں ہوتی ہے اور ہم نکوکاری اور پرہیزگاری کی صراط مستقیم کو چھوڑ کر تاریکی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے پھرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہماری بداعمالی ہم کو دوزخ کے عمیق غار میں گرا دیتی ہے اور ہم مجسم شیطان اور مستقل سیہ کار بن جاتے ہیں اور ہم روزانہ نئی معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں جس کی بدولت ہم مصیبت و آلام میں گرفتار ہو جاتے ہیں سوسائٹی میں سیہ کار کی یہ پوزیشن ہو جاتی ہے کہ کسی شخص کو اُس کے ساتھ ہمدردی اور محبت نہیں رہتی ہے ہر شخص اُس سے نفرت اور کنارہ کشی کرتا ہے اور وہ ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے۔ مصیبت کے وقت بداعمال کی کوئی شخص امداد نہیں کرتا ہے وہ اپنی بداعمالیوں سے سوسائٹی میں اپنا وقار ضائع کر دیتا ہے۔

بدکار کو چونکہ اپنے ہی وسائل سے کام لینا پڑتا ہے اور کوئی شخص اُس کی اعانت اور دستگیری نہیں کرتا ہے اس لئے دنیا میں وہ کسی قسم کی ترقی اور عروج حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ ہر ایک قدم پر اُسے مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اور کامیابی اُس کے لئے ناممکن ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اور سبق حاصل ہوتا ہے کہ بداعمالی سے نہ صرف ہر وقت قلبی پریشانی رہتی ہے بلکہ ہماری مادی اور روحانی فلاح خطرہ میں پڑ جاتی ہے اور خواہ اُسے کوئی قانونی اور ظاہری سزا اس دنیا میں نہ ملے تاہم اُس کا نفس اُسے ہر وقت لعنت ملامت کرتا رہتا ہے اور اُسے اس قسم کی اندرونی تکلیف اور اذیت محسوس ہوتی رہتی ہے جو ہزاروں سزاؤں سے بدتر ہوتی ہے۔

(۱۴۳) نکوکاری کی جزا

VIRTUE IS ITS OWN REWARD.

صلہ ملنے کی توقع ہی سے سارے کام کئے جاتے ہیں۔ مثلاً: ایک لڑکا امتحان کی تیاری کے لئے شبانہ روز سخت محنت کرتا ہے اور پھر امتحان میں اوّل نمبر پاس ہوتا ہے اور اس کے صلہ میں اُسے کوئی انعام یا وظیفہ مل جاتا ہے۔ دوڑ میں وہ سب سے اوّل آتا ہے اور اُسے انعام ملتا ہے۔ لیکن نکوکاری کی حالت جداگانہ ہے۔ دیانت داری، ایمان داری اور جفاکشی سے ہم کو دُنیاوی معاملات میں اکثر کامیابی اور ترقی حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو بلا طمع کسی دنیاوی اور مالی فائدہ کے دیانت داری اور ایمان داری سے کام کرتے ہیں لیکن نکوکاری خود اپنا آپ صلہ ہے۔ کیونکہ نیک اعمال شخص کو اپنے چال و چلن پر پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ نکوکاری خود اپنا صلہ ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر ایک اُسے ایمان دار اور نیک جانتا ہے تو اُس کو اس قدر مسرت، راحت اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جو کسی مالی عطیہ سے نہیں ہو سکتا تھا۔

اس لئے ہر ایک لڑکے کو یہ سمجھا دینا ضروری ہے کہ نکوکاری خود اپنی جزا ہے۔ اگر اس دنیا میں ہم نیک عمل کریں گے تو ہمیشہ خوش اور مطمئن رہیں گے۔

(۱۳۴) ایمان داری

HONESTY IS THE BEST POLICY.

اُستاد داغ فرماتے ہیں :-

رند کہتے ہیں بھلائی کا زمانہ نہ رہا ۔۔۔ یہ بھی کہہ دیں کہ بُرائی کا مآل اچھا ہے

ہم کو اپنے معاملات میں ہرگز مکاری، عیاری اور دغا بازی سے کام نہ لینا چاہیئے - اگر ہم ایمان داری سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں تو کوئی مشکل درپیش نہ ہوگی - بظاہر یہ معلوم ہوا کرتا ہے کہ ناجائز وسائل راستہ کو ہموار کر دیتے ہیں لیکن اگر اس کا نتیجہ دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ایمان داری سے کام لینا ہی بہتر ہے - مثلاً : امتحان میں اگر ایک لڑکا کسی دوسرے لڑکے کی کاپی سے نقل کر لے - لیکن جب وہ پکڑا جائے گا تو نہ صرف امتحان سے نکال دیا جائے گا بلکہ اس حرکت کی اطلاع ملنے پر حکام بالا دست اُسے آیندہ کسی امتحان میں شرکت کرنے کی اجازت نہ دیں گے اور اُس کی نہ صرف بدنامی اور رسوائی ہوگی بلکہ اُس کی آیندہ زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی -

جب کوئی شخص جعلی سکہ بناتا ہے اُس وقت وہ سمجھتا ہے کہ کثیر دولت پیدا کرنے کا وسیلہ میرے ہاتھ آگیا - لیکن جب گرفتار ہو کر سزا پاتا ہے اور جیل پہنچ کر یہاں کی سختیاں اور مصیبتیں جھیلتا ہے اُس وقت اُسے اپنی ناجائز حرکت کا نتیجہ معلوم ہو جاتا ہے - کسی بے ایمان شخص کو سزا سے بچ جانے کی اُمید نہیں ہو سکتی جرائم کا انکشاف روزمرہ ایسے ذرائع سے ہو جاتا ہے جو مجرموں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے ہیں -

اب اس کے مقابل غور فرمائیے کہ ایمان داری کا کیا پھل ملتا ہے۔ اگر آپ ایمان دار ہیں تو آپ کو کسی قسم کا اندیشہ اور خوف کرنے کی حاجت نہ ہوگی اور اپنے ایام نہایت اطمینان اور مسرت کے ساتھ گزاریں گے۔ کیونکہ آپ کے قلب کو ہمیشہ یہ اطمینان اور تسلی رہے گی کہ میں نے ایمان داری اور دیانت داری سے کام کیا ہے۔ ایمان دار شخص کی خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو ہر ایک شخص عزت اور وقعت کرتا ہے اور ہر شخص اُس پر اعتماد اور بھروسا کرتا ہے۔ علاوہ بریں خود اُس کو ہر وقت بے انتہا مسرت اور اطمینان حاصل رہتا ہے۔

ایمان دار شخص کو بازار میں سودا اُدھار مل جاتا ہے اگر اُسے قرضہ لینے کی ضرورت پیش آئے تو ساہوکار بلا تامل اُسے قرضہ دے دیتے ہیں۔ اگر وہ تاجر ہے تو ہر ایک گاہک اس کی بات کا اعتبار کرتا ہے کہ اس نے فلاں چیز کی قیمت ٹھیک بتائی ہے اور اُس کا مال خوب فروخت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ کثیر منافع حاصل کر لیتا ہے۔

اس کے برعکس بے ایمانی سے کوئی فوری نفع حاصل کر لینا ممکن ہے لیکن بالآخر اس کا انجام تباہی اور بربادی ہوتا ہے۔

---

(۱۲۴) اپنا مقدر اپنے ہاتھ میں

EVEY MAN IS THE ARCHITECT OF HIS OWN FORTUNE

اس مثل کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے اعمال سے اپنی زندگی کو مسرت انگیز یا پُرالم بنا لیتے ہیں۔ مثلاً: ایک شخص میں ترقی کرنے کی فطرتاً ساری قوتیں اور اوصاف موجود ہیں۔ اب یہ اُس کا فعل ہے اور اُس کے اختیار میں ہے کہ اپنی قوتوں اور

اوصاف سے کام نہ لیا ہو ۔ خداوند کریم انسانوں کو اپنی نعمتیں عطا کرنے میں نا انصافی نہیں کرتا ہے ۔ پھر انسانوں کی حالت میں اس قدر فرق کیوں نظر آتا ہے کہ بعض لوگ تو دولت و ثروت سے مالا مال ہیں اور بعض لوگ نان شبینہ سے محتاج ۔ ہم اس اختلاف کے غور نہیں کرتے اور اسے تقدیر پر محمول کرتے ہیں اور اپنے کو کسی پر اسرار قدرت کے ہاتھ میں کھلونا تصور کرتے ہیں ۔

لیکن حوصلہ مند اپنا مقدر رسیدعا کرنے کی خود کوشش کرتا ہے وہ زندگی کی کشمکش میں نہایت دلیری اور دیانت داری سے مشغول رہتا ہے خواہ اس کی جد و جہد کا کچھ ہی نتیجہ کیوں نہ ہو ۔ اگر آپ اپنا فرض منصبی کرنے میں جفاکشی اور دیانت داری سے کام کرتے ہیں اس وقت آپ کو یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ کاہل لوگوں سے آپ کی حالت ضرور بہتر ہو جائے گی ۔

ہمت ، صبر ، استقلال اور جفاکشی کا انجام ہمیشہ بخیر ہوتا ہے لیکن کبھی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ باوجود سخت محنت اور کوشش کے ناکامی حاصل ہوتی ہے ۔ لیکن اگر ناکامی کے وجوہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے محنت اور کوشش ضرور کی لیکن کوئی ایسی تدبیر کرنے سے رہ گئی جس کا کرنا ضروری تھا اور اسی وجہ سے ہم کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی ۔

جب ہم سربرآوردہ اور مشہور آدمیوں کے کارنامے دیکھتے ہیں تو ہم کو معلوم کر کے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اللہ اکبر اُن کا عزم کس قدر پختہ اور اُن کا حوصلہ کس قدر بلند تھا ۔

بادی النظر میں بعض کام انسانی قوت سے باہر معلوم ہوتے ہیں لیکن کسی کام کو دشوار تصور کر کے ترک نہیں کرنا چاہیئے ۔ بلکہ ہمت اور استقلال کے ساتھ اُس کو مسلسل کرنا چاہیئے اور چند روز بعد وہی مشکل کام آپ کو آسان معلوم ہونے لگے گا

جو لوگ کہ اپنی بد دلی، کاہلی اور تلوّن مزاجی سے ناکام رہتے ہیں وہ ہمیشہ اپنی تقدیر کو الزام دیتے ہیں۔ اپنی ہر ایک ناکامی کو تقدیر سے موسوم کرنا پست ہمّت اور کمزوری میں داخل ہے۔ لیکن حوصلہ مند شخص کسی مشکل اور دشواری کی پرواہ نہیں کرتا ہے اور واقعات سے مجبور ہونے کی بجائے وہ واقعات پر خود قابو حاصل کر لیتا ہے۔

(۱۲۵) اشرفیاں لٹیں کوئلوں پر مُہر

PENNY WISE AND POUND FOOLISH.

یہ مثل اُن لوگوں کی بابت ہے جو پیسے صرف کرنے میں بے حد بخیل اور کنجوس ہوتے ہیں مگر وہ سیکڑوں روپیہ بے تامّل صرف کر ڈالتے ہیں اور یہ انتہا درجہ کی حماقت میں داخل ہے۔

وہ اپنی ضروریات زندگی پر روپیہ صرف کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتے ہیں وہ نہایت سستی چیزیں خریدتے ہیں اور اُن کی پائداری اور خوبی پر نظر نہیں کرتے اور اس کا انجام ہمیشہ مایوسی اور ناکامی ہوا کرتا ہے۔ ارزاں اور ناپائدار چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اور بار بار خریداری کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے نتیجہ میں فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔

یہ شخص جب کبھی بیمار پڑتا ہے وہ سستی دوائیں استعمال کرتا رہتا ہے اور بجائے فائدہ اور آرام ہونے کے اُس کا مرض ترقی پکڑ جاتا ہے اور اُس وقت اُسے اپنی حماقت محسوس ہوتی ہے۔

ہر شخص کو کفایت شعاری سے کام کرنا چاہیے۔ لیکن کفایت شعاری کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اصل مقصد ہی فوت ہو جائے۔ اس لئے ہر شخص کو دور اندیشی سے کام لینا چاہیے۔ لیکن وہ کفایت شعاری ضرور مذموم قرار دی جائے گی جو مفید اور سود مند ہونے کی بجائے خطرناک ثابت ہو گی۔

(۱۲۶) ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے یہی دنیا کا کارخانہ ہے

The old order changeth yielding place to new.

زندگی انقلاب ہی کا نام ہے۔ ہر شئے کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ یہ قانون انقلاب ضروریات سے ہے اور ہماری زندگی انقلابات ہی کے مجموعہ سے بنائی گئی ہے۔ اگر ہر شئے اپنی اصل حالت پر رہتی اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوتی تو وہ بہت جلد تباہ اور ضائع ہو جاتی ہے۔ اس وقت جو چیزیں کارآمد معلوم ہوتی ہیں چند سال بعد بہت ممکن ہے کہ بحالت موجودہ وہ بے مصرف ثابت ہوں اور رفتہ رفتہ ہماری ضروریات کے لحاظ سے اُن میں ترمیم اور تبدیلی کرنی پڑے۔ جو طرز معاشرت کہ ہندوستانیوں کے واسطے انگریزی عملداری سے پیشتر موزوں اور مناسب تھا وہ غائب ہو گیا اور اُس کی بجائے دوسرا طرز معاشرت رائج ہو گیا ہے موجودہ سوسائٹی کی پیچیدگی اور مراحل زندگی میں روز افزوں مقابلہ

پیش آنے سے ہم پرانی لکیر کے فقیر نہیں بن سکتے ہیں - یہ انقلاب بخوشی گوارا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے - اس قسم کا انقلاب امتداد زمانہ سے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اور جب وہ پورے طور پر ظاہر ہو جاتا ہے اُس وقت ہم کو بھی نظر آنے لگتا ہے -

قانون انقلاب ہی دنیا پر حاوی ہے - انقلاب کا متضاد جمود ہے اس لئے انقلاب نام ہے زندگی کا اور جمود نام ہے موت کا - انقلاب سے نیا نظام پیدا ہوتا ہے اور پرانا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے - ہم اکثر لوگوں کو یہ افسوس کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ "ہائے وہ اچھا قدیم زمانہ گزر گیا" لیکن ایسے نوحہ خواں آگاہ ہو جائیں کہ قدیم روش پر گامزن ہونے سے منزل مقصود پر پہونچنا دشوار بلکہ ناممکنات سے ہے - اس لئے زمانہ کی رفتار کا ساتھ دینا ضروری ہے -

(۱۲۷) حفظ ماتقدم

PREVENTION IS BETTER THAN CURE.

کسی بیماری میں مبتلا ہو کر اُس کے معالجہ کی فکر کرنے سے بہتر تو یہی ہے کہ حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کیا جائے اور بیماری سے محفوظ رہنے کی کوشش کی جائے - زندگی میں سیکڑوں مصیبتیں اور مشکلات رونما ہوتی ہیں لیکن دانشمند حضرات حتی الوسع ان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ آرام اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں - البتہ بعض مشکلات اور صعوبات ناگزیر ہوتی ہیں لیکن پیشتری انسدادی تدابیر کر لینے سے بڑی حد تک نجات مل جاتی ہے اور پیسہ اور وقت بھی

کم صرف ہوتا ہے اور بہت سی پریشانیاں رفع ہوجاتی ہیں۔
انسان اور حیوان میں صرف یہی امتیاز ہے کہ انسان کو جوہرِ عقل دیا گیا ہے۔ بحقیقت

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اس لئے ہر ایک سمجھدار آدمی کو پیش آنے والی مصیبت کا اندازہ کرنا چاہیئے اور اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر کرلینی چاہیئے مصیبتوں اور مشکلات کے پیش آنے کا انتظار کرنا اور پھر ان میں مبتلا ہوکر ان کے رفع کرنے کی کوشش کرنے سے بہتر اور مناسب تو یہی ہے کہ پیشتر ہی سے انسدادی تدابیر اختیار کرلے۔ اگر اس اصول پہ عملدرآمد کیا جائے گا تو بہت سی مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔

---

(۱۴۸) مایوسی

Tell me not in mournful numbers
Life is but an empty dream.

اکثر حضرات ہر بات کا صرف تاریک رُخ دیکھا کرتے ہیں اور وہ اس زندگی کو محض خواب و خیال تصور کرتے ہیں۔ انھیں کسی شئے میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی ہے اُن کے نزدیک دنیا افکار، ترددات اور آلام سے پُر ہے۔ زندہ رہنا یا کام کرنا فعل عبث ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف بالکل بے مصرف ہوتے ہیں بلکہ سوسائٹی کے واسطے ان کا وجود نہایت خطرناک ہوتا ہے اور وہ ایک ایسی وبا پھیلانے کا موجب ہوتے ہیں جو ترقی میں حائل اور مانع ہوتی ہے۔

جو لوگ کہ حیات بعد از ممات یا روح کے غیر فانی ہونے کے معتقد نہیں ہوتے وہی زندگی کو خواب و خیال مانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا کاہلوں اور مایوسوں کے

رہنے کا مقام نہیں ہے۔ مگر حوصلہ مند اور جو امروز خیالی دنیا میں نہیں رہتے ہیں وہ زندگی کو یکسر از امید جانتے ہیں وہ تنازع للبقا کے معتقد ہوتے ہیں اور ہمت مرداں مدد خدا پر عمل کرتے ہیں۔ مستعدی، جفاکشی، عزم و استقلال پر عامل ہونے سے بڑی بڑی توقعات پوری ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی حوصلہ مند اور مستعد حضرات نے علم و فن کے حیرت انگیز کارنامے پیش کئے ہیں۔ مستعدی نہ کہ تخیلات نے توالد و تناسل کے سلسلہ کو برقرار رکھا ہے۔

اگر آپ دلی خواہش کے ساتھ کام کریں گے تو یقیناً کامیاب ہوں گے۔ کوئی شخص بغیر کسی حقیقی عمل کے اپنا نام بطور یادگار کے نہیں چھوڑ سکتا ہے۔

اس لئے آپ کو ایسی زندگی بسر کرنی چاہیئے جو دوسروں میں کام کرنے کا شوق پیدا کرے اور آپ کی زندگی اُن کے لئے شمع ہدایت کا کام دے۔

عظیم الشان ہستیاں فنا نہیں ہوتی ہیں کیونکہ اُنھوں نے تہذیب و تمدن اور علم و ہنر کی ترقی کے واسطے ایسے کارنامے چھوڑے ہیں جو صفحۂ ہستی سے کبھی معدوم نہیں ہو سکتے ہیں۔ آنے والی نسلوں کے لئے وہ اپنا نام بطور یادگار چھوڑ گئے ہیں مگر اس کے برعکس خیالی دنیا میں رہنے والے کاہل آدمی گمنامی کی موت مر جاتے ہیں وہ نہ اپنے واسطے اور نہ اپنی سوسائٹی یا ملک کے واسطے کسی مصرف کے ہوتے ہیں اُن کی حالت بقول مرزا غالب یہ ہوتی ہے کہ ؎

پڑئیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

اس لئے زندگی واقعی ایک حقیقت ہے اور اس سے بہرہ ور ہونا چاہیئے۔ اپنے اپنے حلقہ میں ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کام کرکے مقتضائے آفرینش کو پورا کرنا چاہیئے۔

(۱۲۹) بچے کے پاؤں پالنے میں نظر آتے ہیں

The hand that rocks the cradle rules the nation.

اس مثل کے یہ معنی ہیں کہ ماں کی تربیت ہی ایسے سچے غازی بناتی ہے جو دنیا کے قلوب پر حکمرانی کرتے ہیں۔

بچے کی حقیقی رہبر اور معلم اُس کی ماں ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے بچے کی بہی خواہ رہتی ہے اور اپنے بہترین نصب العین کے مطابق نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ اُس کی پرورش کرتی ہے اور اُس کے ساتھ کبھی ظلم و سختی کا برتاؤ نہیں کرتی ہے۔ ماں سے زیادہ کوئی خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مثل مشہور ہے:-

"جو ماں سے زیادہ چاہے وہ پھا پا کٹنی کہلائے"

بچہ جب تعلیم و تربیت کے واسطے اسکول میں بھیجا جاتا ہے تو اساتذہ کی مشفقانہ تعلیم و لڑکوں کی صحبت اُسے میسر آتی ہے لیکن اُستاد کی مار کا خوف اور سبق کے روکھے پھیکے مضامین اُس کے حقیقی کیرکٹر کے شگفتہ ہونے میں مانع اور مزاحم ہوتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں بچوں کے نظام تعلیم میں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی ہو گئی ہے اور پرانا طریقہ بدل دیا گیا ہے۔ لیکن گھر پر ماں کی تربیت کا جو اثر کہ بچے کے کیرکٹر پر پڑتا ہے اُس کا بدل نہیں ہو سکتا ہے۔

ماں روزانہ بچے کے جزئیات تک پر غائر نظر رکھتی ہے اور اُس کی تربیت کا جو اثر مرتب ہوتا ہے اُسی سے بچے کا کیرکٹر بنتا ہے۔

اسی لئے ماں کے اندر جس قدر خوبیاں ہوں گی اُن کا کچھ نہ کچھ اثر بچے میں ضرور پایا جائے گا اور اسی طرح اگر عیوب مثلاً: بے رحمی، ظلم، دروغ گوئی

وغیرہ ہوں گے تو بچے بھی یہ عیوب پیدا ہو جائیں گے۔
چنانچہ دنیا کی عظیم الشان ہستیاں مثلاً سکندر اعظم، نپولین، شہنشاہ بابر، اکبر، سر سید احمد خاں، محسن الملک، وقار الملک، دویکا نند۔ گاندھی جی کی تربیت میں بڑا حصہ اُن کی شریف النفس اور نیک دل ماؤں کا ہے۔
اس لئے ضرورت ہے کہ مائیں بہترین تعلیم و تربیت حاصل کریں تاکہ اپنی اولاد کے روبرو وہ عمدہ مثال پیش کر سکیں اور بچوں کی ابتدائی تربیت ایسی خوبی کے ساتھ کر سکیں جس سے کہ اُن کے بچے دنیا میں نام و نمود پیدا کر سکیں۔

---

(۱۳۰) کامیابی وسیلۂ شہرت ہے

NOTHING SUCCEEDS LIKE SUCCESS :-

اس مثل کے یہ معنی ہیں کہ جب کسی کام میں ایک شخص کو کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی بدولت اُس کی ناموری اور شہرت ہو جاتی ہے اور پھر اس ناموری کی بدولت وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں بآسانی کامیاب ہو جاتا ہے۔
اب ایک مثال دے کر ہم اس کے مطالب کی توضیح کرتے ہیں۔
مثلاً: ایک طبیب نہایت سمجھدار اور اپنے فن میں بے حد ہوشیار ہے مگر اُس کا نام مشہور نہیں ہے اور بہت کم تعداد میں اُس کے یہاں مریض آتے ہیں۔ اب یہ اتفاق پیش آتا ہے کہ ایک ایسا مریض اُس کے مطب میں آتا ہے جو اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ بہت سے قابل اور مشہور ڈاکٹروں کے زیر علاج رہ چکا ہے یہ ڈاکٹر اپریشن کرتا ہے اور مریض بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ اس حیرت انگیز

علاج کی دُور دور تک شہرت ہو جاتی ہے دوسرے روز ہی سے اُس کے یہاں جوق جوق مریض آنے لگتے ہیں اور وہ مشہور ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ایک معالجہ میں اُسے زبردست کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اس کی شہرت اُس کی آئندہ مرفہ الحالی کا موجب بن گئی ہے۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کامیابی محض اتفاق وقت پر منحصر ہے بلکہ اس کے برعکس کامیابی کی راہ میں ہزاروں مشکلات پیش آتی ہیں مگر ان مشکلات کو وہی لوگ رفع کرتے ہیں جو تندرست، ارادہ کے پختہ، جفاکش اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ہم کو استقلال اور جفاکشی سے کام کرنا چاہیئے اور پیش آنے والی مشکلات اور موانعات کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔

(۱۳۱) ہتھیلی پر سرسوں جمانا

ROME WAS NOT BUILT IN A DAY. :—

مثل مشہور ہے کہ "شہر روم ایک دن میں نہیں بنا ہے اور ہمارے یہاں اس طرح بولتے ہیں "ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمتی ہے"

شہر روم کسی زمانہ میں دنیا کا نہایت عظیم الشان شہر تھا۔ چند روز میں وہ تعمیر نہیں ہوا تھا بلکہ کئی صدیوں تک اُس کی تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا اور ہزاروں آدمیوں نے سخت محنت اور کوشش کی بالآخر وہ درجۂ تکمیل کو پہونچکر ایک عظیم الشان شہر بن گیا۔ شہر کی عظمت، شان و شوکت، کاروبار اور سر بفلک عمارات و محلات کو دیکھکر ہرگز یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ الہ دین کے چراغ کے موکلوں نے یہ شہر ایک

شب میں تیار کردیا ہے۔
اس مثل سے جلدباز لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ لوگ آج ایک کام شروع کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ کل ہی یہ کام درجہ تکمیل تک پہونچ جائے اور جب انھیں معلوم ہوجاتا ہے کہ کام پورا نہیں ہوا تو وہ مایوس ہوکر اس سے دست کش ہوجاتے ہیں
اس مثل سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے سب سے اول صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم ایک زقند مار کر کسی پہاڑ کی بلند چوٹی پر نہیں پہونچ سکتے ہیں بلکہ پہاڑ کی اونچی چوٹی تک پہونچنے کے لئے ہم کو نہایت احتیاط کے ساتھ بہت سے پیچیدہ راستے طے کرنے پڑتے ہیں اور اس میں کافی وقت صرف ہوجاتا ہے۔ علاوہ بریں شاہراہ کامیابی ہموار اور صاف نہیں ہوتی ہے قدم قدم پر مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس لئے صرف وہی لوگ منزل مقصود تک پہونچ جاتے ہیں جو کسی مشکل اور ناکامی کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ پامردی اور استقلال کے ساتھ گام زن رہتے ہیں۔

(۱۳۹) دولت جواں مردکی لونڈی ہے

FORTUNE FAVOURS THE BRAVE.

دولت کی دیوی اندھی بتائی جاتی ہے کیونکہ دولت کی تقسیم میں وہ ناانصافی سے کام لیتی ہے لیکن اگر حالات اور واقعات کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ دولت کا کوئی محبوب نہیں ہے۔ وہ مستحقین ہی پر اپنے خزانہ کی بارش کرتی ہے اور فی الحقیقت جواں مرد اور حوصلہ مند اشخاص ہی مستفید ہونے کے مستحق ہیں۔

کمزور، پست ہمت اور بزدل شخص ہر قدم پر پس و پیش کرتا ہے اس لئے وہ اپنے
مقصد میں کس طرح کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ناکامی سے وہ حواس باختہ ہو جاتا ہے
اور اس کے کمزور دماغ کو خیالی خطرات نظر آتے ہیں لیکن جواں مرد کے دل میں
ایسے وسوسے نہیں گزرتے۔ اسی لئے بزدل آدمی خیالی وسوسوں اور اندیشوں
سے اپنے کام کو ترک کر دیتا ہے۔ یہ شخص اپنے خیالی اور وہمی وسواس سے ایسے
کاموں کے انجام دینے میں بھی ناکام رہتا ہے جن کو وہ بآسانی کر سکتا ہے۔
ڈر کے مارے وہ نیم مردہ ہو جاتا ہے اور جب کسی کام کو وہ شروع کرتا ہے اور اگر
اس میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ بالکل مایوس ہو جاتا ہے۔ اس کو چونکہ اپنے پر بھروسا
نہیں ہوتا اس وجہ سے ناکامی کے بعد اس کام کو دوبارہ شروع کرنے کی اسے
جرأت نہیں ہوتی ہے۔

مگر جواں مرد اور حوصلہ مند شخص کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ وہ بخوبی
سمجھتا ہے کہ قسمت آزمائی میں خطرات پیش آتے ہیں۔ لیکن وہ ہمت کر کے ان خطرات کے
مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے وہ مشکلات کا اندازہ کر کے ان سے بچنے کی کوشش
کرتا ہے۔ اس قسم کے آدمی کبھی پست ہمت اور بزدل نہیں ہوتے ہیں وہ اپنی قوتوں
کا صحیح استعمال کرتے ہیں اور ہر ایک کام کو مناسب طور پر انجام دیتے ہیں، ایسے
لوگوں کو شاذونادر ہی ناکامی ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے مقصد میں ناکام بھی
رہتے ہیں تو وہ نہایت دلیری سے مشکلات اور صعوبات کو برداشت کر لیتے ہیں، وہ
کبھی آزردہ اور مایوس نہیں ہوتے اور ان کی قلبی قوت بدستور قائم رہتی ہے وہ
اپنے کام کو تازہ جوش اور مستعدی سے پھر شروع کرتے ہیں اور استقلال اور
پامردی سے اپنے کام میں مصروف رہ کر بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں
زندگی کے ہر ایک شعبہ میں جواں مرد ہی کامیاب نظر آتے ہیں میدان جنگ میں

جوانمردی فتحیاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح تجارت میں صرف اولوالعزم سوداگر ہی بے شمار دولت پیدا کر لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جواں مردی سے انسان کو اپنے وسائل پر اعتماد اور بھروسا ہو جاتا ہے اور یہ خود اعتمادی اور فہم و فراست ہی بہادری اور جواں مردی کا جوہر ہے۔

(۱۴۳) فرائض زندگی

LIFE IS DUTY.

دنیا میں مختلف مدارج کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض امیر خاندان میں اور بعض غریب گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں۔ ساری دنیا میں انسانوں کے تین طبقے ہیں۔ امرا، متوسط، غربا۔ یہ فرق کسی انسان نے مقرر نہیں کیا ہے۔ اگر ہر طبقہ کے آدمیوں کے ذمہ فرائض نہ ہوتے تو ہر شخص کی زندگی وبال ہو جاتی۔ بادشاہ کو اگرچہ افلاس کی تکلیف سے سابقہ نہیں پڑتا۔ لیکن بادشاہت کے فرائض کے ادا کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ہے۔ اگرچہ اپنی لاکھوں رعایا کی طرح اس کو فکر معیشت نہیں کرنی پڑتی اور اس فکر سے وہ آزاد ہے۔ لیکن اُسے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا ہر وقت خیال لگا رہتا ہے۔ مزدور کو اپنی شکم پری کے لئے دن بھر محنت مزدوری کرنا پڑتی ہے مگر بادشاہ شبانہ روز اپنی رعایا کی فلاح اور ترقی کی تدابیر سوچتا ہے۔ فی الحقیقت غریب رعیت کو بادشاہ سے کہیں زیادہ راحت و آرام میسر ہوتا ہے اور اُسے بادشاہ جیسی پریشانی۔ تردد اور تفکر نہیں پیش آتا ہے۔ یہ مقولہ بالکل سچا ہے کہ "تاج دار ہمیشہ بے چین رہتا ہے"۔

ضائع نہیں کر سکتا ہے۔
اسی طرح جو لڑکے لکھنے پڑھنے میں جی نہیں لگاتے ہیں وہ اپنا وقت کھیل کود یا آوارہ گردی میں ضائع کرتے رہتے ہیں۔
اس بیان سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ لڑکوں اور نوجوانوں کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھنا چاہیئے اور اُن کو تضیع اوقات کی ہرگز اجازت اور موقع نہ دینا چاہیے ورنہ اس عمر میں کاہل رہنے سے وہ مجسم شیطان بن جاتے ہیں۔

(۱۴۱) داشتہ آید بکار

A stit ch in time saves nine.

اس ضرب المثل کے لغوی معنی یہ ہیں کہ "رکھی ہوئی چیز کام آجاتی ہے" اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ جو تدبیر پیشتر سے یا بروقت کی جاتی ہے وہ نہایت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔
یہ مثل زندگی کے ہر شعبہ پر صادق آتی ہے۔ مثلاً چیچک، کالرہ اور طاعون کی وبائی بیماری کے نمودار ہونے پر جو لوگ کہ ٹیکہ لگوا لیتے ہیں وہ زیادہ تر ان موذی امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ کسی مرض کے آثار ظاہر ہونے پر اگر فوراً ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے تو روپیہ بھی کم صرف ہوتا ہے اور اس مرض کے شدائد اور تکالیف سے جلد نجات مل جاتی ہے۔ لیکن اگر بے پروائی کی جاتی ہے تو مرض خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ بے حد صرف ہوتا ہے اور اس مرض سے سخت تکالیف اور پریشانیاں اٹھانا پڑتی ہیں۔

ہوتے ہیں پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ یعنی نہایت معمولی تعلیم پاکر اپنے کو عالم فاضل ظاہر کرتے ہیں اُن کا شخص مذاق اُڑتا ہے اور وہ سوسائٹی کے لئے سخت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص کو علم طب کے متعلق نہایت معمولی سی واقفیت حاصل ہے لیکن اپنے کو طبیب حاذق بتاتا ہے وہ ایک مریض کے علاج کے لئے جاتا ہے تشخیص مرض تو کر سکتا نہیں اٹکل پچو نسخہ لکھ دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو اُس کے مرض کو اور طوالت ہو جاتی ہے یا مریض مع اپنے مرض کے ہمیشہ کے لئے اس دار فانی سے کوچ کر جاتا ہے۔

اس لئے فی الحقیقت یہ نتیجہ اُس کی ناکافی معلومات کا نہیں بلکہ اُس کے غرور اور حماقت کا ہے اور اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ نیم خواندہ شیخی باز اور مغرور ہوتا ہے بعض مستورات کچھ شد بد حاصل کر کے اس قدر مغرور ہو جاتی ہیں کہ وہ دیگر مستورات کو جاہل، حقیر، ذلیل تصور کر کے اُن سے بات کرنا اپنی کسرِ شان سمجھتی ہیں وہ گھر کے کام دھندے کو ہاتھ نہیں لگاتی ہیں اور اپنا وقت ناول پڑھنے یا بناؤ سنگار میں صرف کرتی ہیں۔ اس لئے وہ اپنی ادھوری اور ناقص تعلیم کی بدولت اپنی آئندہ راحت واپنے خاندان اور سوسائٹی کے لئے خطرہ کا موجب بن جاتی ہیں ورنہ جو مستورات معقول تعلیم حاصل کرتی ہیں وہ تعلیم کی برکات اور خوبیوں سے بہرہ ور ہو کر اُن پر عملدرآمد کرتی ہیں۔

اب تعلیم کی توسیع اور اشاعت سے مزدوری پیشہ بھی ابتدائی تعلیم حاصل کر لیتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اُن کو اپنے آبائی پیشہ سے عار اور نفرت ہو جاتی ہے اور وہ اپنی اس ابتدائی تعلیم کو اپنی روزی کا وسیلہ بناتے ہیں جس سے وہ ہزاروں مصیبتوں اور آلام میں گرفتار ہو جاتے ہیں لیکن اگر اس معمولی تعلیم سے

وہ مغرور اور متکبر نہ بن جاتے بلکہ اپنا آبائی پیشہ اختیار کر لیتے تو اپنے اجداد کے مقابلہ میں وہ اپنے پیشہ کو زیادہ سلیقہ سے انجام دیتے اور یہ معمولی تعلیم بھی اُن کو بہت کچھ مدد دیتی۔

فلسفہ اور سائنس کی تھوڑی سی تعلیم دہریہ بنا دیتی ہے لیکن اگر پوری اور مکمل تعلیم حاصل کی جائے اُس وقت اسرار الٰہی خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں اور قادر ذوالجلال کی عظمت اور شان کبریائی نظر آنے لگتی ہے۔

(۱۳۵) نمائشی صورت

ALL THAT GLITTERS IS NOT GOLD.:-

سونے کی چمک دمک سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نہایت بیش قیمت ہوتا ہے۔ لیکن سونے کی قدر و قیمت اُس کی چمک دمک کے باعث نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ نہایت کار آمد دھات ہے۔ سونے سے نہایت نفیس زیور بنائے جاتے ہیں۔ لیکن سونے کی مانند اور بھی چمکدار چیزیں ہیں مگر وہ سونے کے برابر بیش قیمت نہیں ہوتی ہیں۔ ملمع کا زیور بھی سونا جیسا چمکدار بن جاتا ہے لیکن کسوٹی پر کسنے سے اُس کی اصلی صفت معلوم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہر ایک شے کو اُس کی ظاہری اور نمائشی صورت سے نہیں جانچنا چاہیئے۔

نوجوانوں کو اس مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ دنیا میں ہزاروں چیزیں نمائشی ہوتی ہیں اور اُن کی ظاہری صورت سے بہت جلد دھوکہ ہو جاتا ہے اور نا تجربہ کار لوگ جو حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتے بہت جلد دھوکہ میں آجاتے ہیں

بہت سے بدمعاش اور عیار آدمی اپنی ظاہری صورت ایسی بنا لیتے ہیں کہ وہ مقدس معلوم ہوتے ہیں اور شیخی باز، چرب زبان شخص شریف آدمی سمجھا جا سکتا ہے۔ دنیا میں عیاری کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ بدکار اکثر نکوکاروں کا جامہ پہن لیتے ہیں اور دغا باز اپنے کو راست باز ظاہر کرتے ہیں۔ بہت سے انسان ان مکاروں کے دام فریب میں پھنس جاتے ہیں اور بعض لوگوں کی زندگی ایسے دام تزویر میں پھنس جانے سے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

اس لئے ہم لڑکوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ایسے مکاروں سے بچنے کی کوشش کریں اور احتیاط سے کام لیں۔ اس لئے کسی شخص کے متعلق رائے قائم کرنے میں ہم کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور صرف ظاہری صورت اور ظاہری حالت سے دھوکہ میں نہ آنا چاہیئے جیسا کہ مولانائے رومؒ نے فرمایا ہے:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ٭ پس بہر دستے نہ باید داد دست

(۱۳۶) آج ہے لڑکا کل ہوگا باپ

THE CHILD IS FATHER OF THE MAN.

اس ضرب المثل کے یہ معنی ہیں کہ لڑکے کا چال چلن دیکھکر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ جوان ہونے پر اُس کی کیا کیفیت ہوگی۔ کیونکہ بچپن ہی میں جو عادتیں پڑ جاتی ہیں اُن ہی سے جوانی میں کیرکٹر بنتا ہے۔ مثلاً جو لڑکا کہ بچپن میں جھوٹ بولتا یا چوری کرتا ہو وہ جوان ہونے پر پکا چور اور دروغ گو ہو جائے گا۔ لیکن جب بچہ کو ہمیشہ

سچ بولنے اور پسند کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ جوان ہونے پر راست گفتار اور شریف النفس شخص ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ مقولہ بالکل درست ہے کہ نقش اوّل نہایت پائدار ہوتا ہے۔ بچوّں کے دل پر اچھی اور بری نصیحتیں بہت جلد نقش کالحجر ہو جاتی ہیں اور اُن کا اثر مدت العمر باقی رہتا ہے۔ اس لئے بچوّں کی تعلیم و تربیت اس طرح کرنی چاہیئے کہ اُن کا کیرکٹر ہماری خواہش کے بموجب بن جائے احتیاط ضروری ہے کہ بچّہ میں خراب عادتیں پیدا نہ ہونے پائیں ہمیشہ اُس کی نگرانی کرنی چاہیئے اور اس کا ضرور خیال رکھا جائے کہ وہ بری صحبت میں نہ رہنے پائے۔ کیونکہ بچپن میں جو خراب عادتیں پڑ جاتی ہیں پھر اُن کا ترک ہونا بہت دشوار ہوجاتا ہے۔ اگرچہ بعض وقت جسمانی سزا دینا ضروری ہوتی ہے لیکن جسمانی سزا ہمیشہ مفید اور کارآمد ثابت نہیں ہوتی ہے اور اکثر صرف سمجھانے اور شائستہ الفاظ میں نصیحت کر دینے سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم پھر یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ اس بات کی نگرانی کی جائے کہ بچّہ میں خراب عادتیں پیدا نہ ہونے پائیں۔

---

(۱۳۷) مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

LOOK BEFOR YOU LEAP :—

اس ضرب المثل کا یہ مطلب ہے کہ کسی کام کو شروع کرنے سے پیشتر اُس کے انجام کا اندازہ کرلیا جائے۔ اوّل یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا اس کام کو انجام دینے کی ہم میں قابلیت موجود ہے یا نہیں اور کیا اس کام کو کرنا ہمارے لئے زیبا اور مناسب ہے۔ اگر ہم اس کو انجام دیں تو کیا نتیجہ حاصل ہوگا۔ کیونکہ دنیا

ہزاروں پوشیدہ خطرات سے پر ہے۔ اس لئے کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پیشتر اس کے ہر پہلو اور انجام پر ٹھنڈے دل سے غور کر لینا چاہیئے۔

جب ہم کسی لڑکے کو بری صحبت میں آتے جاتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم فوراً یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ اس لڑکے نے یہ غور نہیں کیا کہ جن لڑکوں کی صحبت میں نے اختیار کی ہے ان کا چال چلن کیسا ہے۔ اگر یہ بدچلن ہیں تو ان کی صحبت سے میری ساری زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔

ہم کو ایسی ہزاروں مثالیں اور واقعات معلوم ہیں کہ نہایت ہونہار اور ہوشیار لڑکے بری صحبت اختیار کرنے سے آوارہ اور بدمعاش ہو گئے اور پھر بجز کف افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اسی طرح کوئی پیشہ اختیار کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اکثر والدین اپنے بچوں کے پیشہ کا غلط انتخاب کرتے ہیں جس سے ان کی زندگی خراب اور برباد ہو جاتی ہے مثلاً ایک لڑکے کو سائنس سے دلچسپی ہے اور اسے وکیل بنا دیا جائے یا لڑکے کو علمی ذوق و شوق ہے اور اسے انجنیر بنا دیا جائے یا کسی لڑکے کو علمی ذوق شوق تو ہے نہیں اور اسے امتحان پاس کرنے پر مجبور کیا جائے تو ان سب کا نتیجہ ہمیشہ مایوس کن برآمد ہوگا۔ اسی طرح بعض لڑکے فارغ التحصیل ہو کر کسی مشہور اور منفعت بخش پیشہ کو اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ اس پیشہ سے ان کی طبیعت کو کچھ مناسبت نہیں ہوتی ہے اور اسی کو اندھیرے میں زقند بھرنا کہتے ہیں۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ناکام ثابت ہوتے ہیں۔

لڑکے چونکہ تجربہ کار نہیں ہوتے اس لئے وہ اپنے بزرگوں کی طرح کسی کام کے متعلق صحیح رائے نہیں قائم کر سکتے ہیں۔ لہذا دیگر لڑکوں کی صحبت اختیار کرنے اور اپنے لئے پیشہ کے انتخاب میں اسے اپنے بزرگوں سے مشورہ کرنا چاہیئے۔

اور اُن کی رائے پر عمل کرنا چاہئے۔

(۱۳۸) کچھوہ خرگوش سے بازی لے جاتا ہے

SLOW AND STEADY WINS THE RACE.

اس ضرب المثل کے یہ معنی ہیں کہ کچھوہ اگرچہ سست رفتار ہوتا ہے مگر وہ استقلال کے ساتھ برابر چلتا رہتا ہے اور خرگوش اگرچہ نہایت تیز رفتار ہوتا ہے لیکن چند قدم چلنے کے بعد اسے نیند آجاتی ہے۔ اس لئے دوڑ میں ہمیشہ کچھوہ خرگوش سے بازی لے جاتا ہے۔

بعض لڑکے نہایت ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں اور اُن کے متعلق بڑی بڑی توقعات ہوتی ہیں لیکن مراحل زندگی میں وہ ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ کامیابی کے راستہ میں اکثر مشکلات درپیش ہوتی ہیں اور اگر کوئی ہونہار اور سمجھدار شخص اس میں ناکام رہتا ہے تو اس کا خاص سبب استقلال کا فقدان ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ذہین لڑکا امتحان کے لئے تیاری کر رہا ہے اور اپنی ذہانت کے زعم میں یہ سمجھتا ہے کہ میں امتحان میں اول نمبر پاس ہو جاؤنگا اس زعم باطل سے وہ پڑھنے کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ امتحان میں یا تو فیل ہو جاتا ہے اور اگر پاس بھی ہوتا ہے تو اُسے بہت کم نمبر ملتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس دوسرا معمولی سمجھ کا لڑکا چونکہ اپنی ذہانت اور تیزی پر بھروسا نہیں کرتا وہ شبانہ روز محنت کرکے اپنا سبق یاد کرتا رہتا ہے اور امتحان میں بہت اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتا ہے۔

خرگوش اور کچھوے کی دوڑ کے متعلق یہ روایت ہے کہ ایک خرگوش اور کچھوے میں بڑی دوستی تھی ایک روز انھوں نے دوڑ کی شرط باندھی اور یہ قرار پایا کہ فلاں مقام تک جو اوّل پہونچ جائے وہی بازی جیت جائیگا یہ بات تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ خرگوش نہایت تیز رفتار ہوتا ہے اور کچھوہ نہایت آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ چنانچہ دوڑ شروع ہوئی اور ذرا دیر میں خرگوش اپنے دوست کچھوے سے بہت آگے نکل گیا۔ خرگوش نے دیکھا کہ میرا دوست ابھی بہت پیچھے ہے اس لئے اُس نے اپنے دل میں سوچا کہ کچھوہ ابھی بہت دور ہے۔ جب وہ قریب آجائے گا میں پھر ایک دوڑ لگاؤں گا اور شرط جیت جاؤں گا۔ اس لئے وہ لیٹ کر سو رہا۔ کچھوہ آہستہ آہستہ وہاں آپہونچا اُس نے دوست کو خواب میں مصروف دیکھا اور بدستور آہستہ آہستہ چلتا رہا اور مقررہ مقام پر جا پہونچا۔ اس کے بعد خرگوش اپنے خواب سے بیدار ہوا اور اُس نے دوڑنے میں اپنی پوری قوّت صرف کر ڈالی مگر کچھوہ پیشتر ہی مقام مقررہ پر جا پہونچا تھا۔ اس نے کچھوہ بازی جیت گیا۔

اس لئے دنیا میں کامیابی کے لئے صرف ذہانت اور تیز فہمی ہی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جاکشی زیادہ تر کامیابی کا موجب ثابت ہوتی ہے اگرچہ قابلیت اور ذہانت وجودت سے انسان بہت کچھ ترقی حاصل کر سکتا ہے لیکن محنت اور استقلال کی بدولت کامیابی بآسانی حاصل ہو جاتی ہے۔ البتہ ذہانت اور مستقل مزاجی اگر دونوں سے ساتھ ساتھ کام لیا جائے تو حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱۳۹) گندم از گندم بروید جو ز جو

AS YOU SOW SO YOU REAP.

اس ضرب المثل کے یہ معنی ہیں کہ گیہوں کا بیج بونے سے گیہوں اور جو بونے سے جو پیدا ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کاشتکار زمین کو اچھی طرح جوتے گا اس میں عمدہ کھاد ڈالے گا اور اعلیٰ درجہ کا بیج بوئے گا تو فصل بھی اچھی پیدا ہوگی۔ لیکن اگر زمین کو اچھی طرح نہ جوتا جائے، کھاد کم دیا جائے یا خراب قسم کا بیج بویا جائے تو پیداوار بھی نہایت معمولی اور ادنیٰ قسم کی ہوگی۔

اسی طرح بچپن میں جو لڑکا کہ پڑھنے میں جی نہیں لگاتا وہ جاہل رہتا ہے اور مدت العمر مفلس اور پریشان رہتا ہے۔ اگر بچپن میں جھوٹ بولنے یا چوری کرنے لگتا ہے تو بڑا ہو کر وہ جھوٹا اور چور سمجھا جاتا ہے اور بہت جلد وہ جیل کی ہوا کھاتا ہے۔ اس لئے لڑکپن میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ اے لڑکو! اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں تمھاری عزت و احترام پاکباز، راست باز اور دیانت دار لوگوں جیسا کیا جائے تو تم لڑکپن ہی میں راست گوئی، جفاکشی اور دیانت داری کی عادت اختیار کرو۔

دنیا کے مشہور لوگوں کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عظمت کا تخم لڑکپن ہی میں بو دیا گیا تھا وہ بچپن ہی میں نہایت مستعد، جفاکش، مستقل مزاج، نیک نہاد اور صادق القول تھے۔

اسی طرح ہم کو اپنی جسمانی صحت کا بچپن ہی سے خیال رکھنا چاہیئے

اگر تم صاف ستھرے نہیں رہتے - سردی و گرمی کی پروا نہیں کرتے اور ورزش سے جی چراتے ہیں تو یقیناً ہماری صحت خراب ہو جائے گی اور ہم مختلف امراض میں مبتلا ہو جائیں گے - چونکہ اپنی صحت کی جانب سے بے پروائی کرنے سے ہم نے بیماری کا بیج بو دیا ہے اس لئے اس کا ثمر یعنی بیماری ہی وہ کرے گی -

---

(۱۴۲) کاہل شخص کا دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے

AN IDLE'S BRAIN IS THE DEVIL'S WORKSHOP.

یہ مثل بالکل سچ ہے کہ کاہل شخص کا دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے چونکہ ہمارا نفس ہم کو ہمیشہ بری حرکات پر آمادہ کرتا اور بدکاریوں کی ترغیب دیتا ہے اور جب ہم کاہل بن جاتے ہیں تو ہمارے نفس کو کافی وقت اور موقع مل جاتا ہے کہ وہ ہم کو گمراہ کر سکے -

لیکن اس عالم میں ہمارا ایک ایسا بھی خیر خواہ دوست ہے جو ہم کو بدی سے محفوظ رکھتا ہے - وہ دوست محنت ہے کیونکہ کام میں مصروف اور مشغول رہنے سے ہمارے نفس کو یہ موقع ہی نہیں ملتا ہے کہ وہ بدکاری کی جانب ہم کو توجہ دلائے چنانچہ دیہاتی بہت زیادہ جھگڑالو اور حاسد ہوتے ہیں - اس کی وجہ ظاہر ہے - اگرچہ دیہاتی نہایت سادہ لوح اور معصوم صفت ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس بہت کم کام ہوتا ہے اس وجہ سے وہ اپنی فرصت کا وقت گپ شپ یا دوسروں کی غیبت کرنے میں گزارتے ہیں - لیکن جب کسی شخص کے پاس مصروفیت کے لئے کافی کام موجود ہوتا ہے تو وہ اپنا وقت فضول باتوں میں

ضائع نہیں کرسکتا ہے۔

اسی طرح جو لڑکے لکھنے پڑھنے میں جی نہیں لگاتے ہیں وہ اپنا وقت کھیل کود یا آوارہ گردی میں ضائع کرتے رہتے ہیں۔

اس بیان سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ لڑکوں اور نوجوانوں کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھنا چاہیئے اور اُن کو تضیع اوقات کی ہرگز اجازت اور موقع نہ دینا چاہیے ورنہ اس عمر میں کاہل رہنے سے وہ مجسم شیطان بن جاتے ہیں۔

(۱۴۱) داشتہ آید بکار

A stitch in time saves nine.

اس ضرب المثل کے لغوی معنی یہ ہیں کہ "رکھی ہوئی چیز کام آجاتی ہے" اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ جو تدبیر پیشتر سے یا بروقت کی جاتی ہے وہ نہایت کارآمد ثابت ہوتی ہے۔

یہ مثل زندگی کے ہر شعبہ پر صادق آتی ہے۔ مثلاً چیچک، کالرہ اور طاعون کی وبائی بیماری کے نمودار ہونے پر جو لوگ کہ ٹیکہ لگوا لیتے ہیں وہ زیادہ تر ان موذی امراض سے محفوظ رہتے ہیں۔ کسی مرض کے آثار ظاہر ہونے پر اگر فوراً ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے تو روپیہ بھی کم صرف ہوتا ہے اور اس مرض کے شدائد اور تکالیف سے جلد نجات مل جاتی ہے۔ لیکن اگر بے پروائی کی جاتی ہے تو مرض خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ بے حد صرف ہوتا ہے اور اس مرض سے سخت تکالیف اور پریشانیاں اٹھانا پڑتی ہیں۔

اسی طرح روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جن لڑکوں کے والدین بچپن ہی میں اُن کے عادات وخصائل کی نگرانی کرتے ہیں وہ جوان ہوکر نہایت نیک نہاد اور دیانت دار نکلتے ہیں اور جن لڑکوں کی جانب سے والدین بے پروائی اختیار کرتے ہیں وہ جوان ہونے پر آوارہ اور بدمعاش بن جاتے ہیں۔
اگر کوئی لڑکا نادانی سے بچپن میں کوئی چیز چرالے تو والدین کو چاہیے کہ لڑکے کو سخت تنبیہ کریں اور چوری کے نقصانات اور بُرائیں اور اس کے خراب نتائج اُس کے ذہن نشین کردیں۔ تاکہ دوبارہ وہ اس مذموم حرکت کا ارتکاب نہ کرنے پائے۔ لیکن اگر بچپن ہی میں اُسے تنبیہ نہ کی جائے گی تو وہ چوری کو بُرا فعل نہیں سمجھے گا اور اس کا عادی ہوجائے گا اور جوان ہونے پر وہ اوّل نمبر کا چور بن جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گرفتار ہوکر سزا پائے گا اور جیل جائے گا۔

یہی کیفیت لڑکوں کے لکھنے پڑھنے کی ہوتی ہے۔ فطرتاً لڑکوں کی طبیعت کھیل کود کی جانب زیادہ مائل ہوتی ہے اور وہ لکھنے پڑھنے کی جانب رغبت نہیں کرتے ہیں۔ لیکن جو والدین اُن کو ہمیشہ نصیحت کرتے رہتے ہیں اور کھیل کود کے نقصانات اور لکھنے پڑھنے کے فائدے سمجھاتے رہتے ہیں اور اُن کے ذہن نشین کردیتے ہیں کہ ؎

پڑھوگے، لکھوگے تو ہوگے نواب جو کھیلوگے کودوگے ہوگے خراب

پھر وہ لڑکے لکھنے پڑھنے کی جانب توجہ کرنے لگتے ہیں اور اُن کے دل میں پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہوجاتا ہے اور وہ مراحل زندگی کو طے کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔

(۱۴۲) درِ توبہ بند نہیں ہے

REPENTANCE IS NEVER UNWELCOME

اس ضرب المثل کے یہ معنی ہیں کہ مذموم اور قبیح عادتیں ہر وقت ترک کی جا سکتی ہیں۔ لیکن جب کوئی قبیح عادت راسخ ہو جاتی ہے اس وقت اس کا ترک کرنا ممکن تو ضرور ہے لیکن نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ صبر اور استقلال سے بڑی بڑی مشکلات اور موانعات دور ہو جاتے ہیں لیکن اس کے لئے ہمت اور عزم بالجزم کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ جس فعل کے کہ ہم عادی نہیں ہوئے ہیں اُسے بآسانی ترک کر سکتے ہیں۔ مگر جو شخص کہ ابتدا میں اپنی اصلاح نہیں کرلیتا ہے اُسے اپنی قبیح عادتوں کا ترک کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے لیکن اُسے مایوس ہرگز نہ ہونا چاہیئے اصلاح اس وقت بھی ممکن ہے۔

چنانچہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگوں نے مے نوشی، افیون خوری وغیرہ کو بڑھاپے میں ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ سالہاسال تک وہ اُن کے استعمال کے عادی رہے۔

لیکن بعض مے نوش اور افیون خور یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ ہم ان منشیات کو ترک کرنا چاہتے تو ہیں لیکن اگر ہم ان کا استعمال چھوڑ دیں گے تو ہماری تندرستی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ لیکن یہ عذر بے معنی ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ اپنی عادت بدلنا ہی نہیں چاہتے۔ حالانکہ اکثر ڈاکٹروں اور اطبا نے منشیات کے متعلق اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ان میں ایک قسم کا زہر ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ اپنا اثر کرتا رہتا ہے اور وہ بالآخر تندرستی کو برباد کر دیتا ہے

البتہ ہم اس قدر تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ کسی عادت کو ترک کرنے سے عارضی طور پر چند روز تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس کی پروا نہ کی جائے تو جس وقت ارادہ کیا جائے ہر ایک عادت تبدیل کی جا سکتی ہے۔ اصلاح ہر وقت ممکن ہے۔

(۱۴۴) مشاہیر کا اثر

Influence of great men.

مشاہیر قوموں کا کیرکٹر سانچے میں ڈھالتے ہیں وہ اپنے کیرکٹر کی قوت سے اپنی قوم اور ملک کے افراد کو ترقی کرنے پر مائل کرکے ہر طرح کی اعانت اور مدد دیتے ہیں۔

انسان فطرتاً نقال واقع ہوا ہے وہ اپنے پاس دوسروں کو جو کچھ کرتے دیکھتا ہے وہی خود کرنے لگتا ہے۔ کامیاب لوگ دوسروں کے لئے مشعل ہدایت ہوتے ہیں۔ پاکبازوں کی مثال ہم کو نیک نہاد اور بدکاروں کی مثال ہم کو سیہ کار بن جانے کی ترغیب دیتی ہے۔ ہمارے اوّل معلم والدین اور پھر ہم سبق طلبا، اور اس کے بعد اساتذہ ہوتے ہیں۔

لیکن بعض انسان مامور من اللہ ہوتے ہیں ان کا مرتبہ نہایت بلند ہوتا ہے وہ بنی نوع انسان کو حق و صداقت کی تلقین کرتے ہیں اور تمام خرابیوں کی اصلاح کرکے انھیں نیک نہاد اور پاکباز بناتے ہیں۔ ان کو نبی۔ رسول اور اوتار کہتے ہیں۔ مثلاً: حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ

آنحضرت صلعم - گوتم بودھ، سری کرشن، رام چندر جی وغیرہ - وہ اپنی روحانی قوت اور ربانی امداد سے قوموں کی زندگی کی کایا پلٹ کر دیتے ہیں۔

مشاہیر اپنے ملک کے لئے مایۂ ناز ہوتے ہیں وہ اپنی قوم کو بام عروج پر پہونچا دیتے ہیں۔ ہر ایک قوم کی مرفہ الحالی اس کے مشاہیر کی تعداد پر منحصر ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم کی صرف اصلاح ہی نہیں کرتے بلکہ اُسے غیر ممالک کے باشندوں کی نظر میں معزز اور ممتاز بنا دیتے ہیں۔ سرسید، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، رام موہن رائے، ودیا ساگر، مسٹر تلک، مسٹر گوکھلے، گاندھی جی، پنڈت مدہن مالوی نے اپنی قوم اور ملک کی فلاح اور ترقی کے لئے بڑے بڑے کارنمایاں انجام دیئے ہیں۔

ان مشاہیر کی زندگی سے ان کی حیات میں لوگ سبق حاصل کرتے ہیں اور ان کے انتقال کے بعد اُن کے روشن کارنامے صدیوں تک دوسروں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتے ہیں۔

---

(۱۴۴) مشقی مضامین

OUTLINE OF ESSAYS.

اس مضمون کو چار حصّوں میں تقسیم کرو: (قرض)

(۱) تمہید (۲) فوائد (۳) نقصانات (۴) نتیجہ

۱ - تجارت اور کاروبار میں بعض اوقات قرض لینا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن قرض لینے کے نتائج اکثر تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔

۲- بعض اوقات قرض لینے سے جان بچ جاتی ہے۔ جو روپیہ کہ قرض لیا جاتا ہے اُسے تجارت میں لگا کر نفع اُٹھایا جا سکتا ہے۔

۳- قرض لینے سے سود کا بارِ گراں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ قرض کی فکر کے باعث سکونِ قلب اور خودداری جاتی رہتی ہے۔ قرض محبت کو منقطع کر دیتا ہے۔ قرض کی بدولت مقدمہ بازی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس کی بدولت بعض اوقات بالکل تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔

۴- اگر حکومت کی جانب سے شرحِ سود معین کر دی جائے تو قرض کی مصیبتوں اور خرابیوں میں بہت کچھ کمی ہو سکتی ہے۔

---

(۱۴۵) تہذیب CIVILIZATION.

اس مضمون کو پانچ حصوں میں تقسیم کرو:

(۱) تمہید (۲) قدیم اور جدید تہذیب (۳) علامات ترقی

(۴) تہذیب کی خرابیاں (۵) نتیجہ

۱- تہذیب کے کیا معنی ہیں؟ اپنی سمجھ اور کوشش سے انسان کی حالت اور طرزِ زندگی میں جو تبدیلیاں مستقل طور پر پیدا ہوتی ہیں اسے تہذیب کہتے ہیں۔

۲- اسلامی، ہندو، یونانی اور مصری تہذیب، موجودہ یورپین تہذیب

۳- ایجادات، اختراعات، فنونِ لطیفہ، عمدہ حکومت، انسانیت، ادبیات، فلسفہ، روحانیات۔

۴- خود غرضی، سرمایہ داری، خوں ریز لڑائیاں۔

۵- تہذیب میں ترقی اور تنزل ہوتا رہتا ہے۔ عمدہ حکومت اور امن و سکون سے تہذیب پیدا ہوتی ہے۔

(۱۴۶) سورج گرہن و چندر گرہن
ECLIPSES.

اس مضمون کو پانچ حصّوں میں تقسیم کرو:

(۱) تمہید (۲) عام خیال (۳) علمی رائے
(۴) گرہن کے وقت ہندو کیا کرتے ہیں (۵) نتیجہ

۱- ایک قدرتی سبب سے جب چاند یا سورج کی روشنی منقطع ہو جاتی ہے تو اسی کو چندر گرہن یا سورج گرہن کہتے ہیں۔

۲- ہندو اس روایت کے معتقد ہیں کہ راہو دیو سورج یا چاند کو جب نگل جاتا ہے تو اس سے سورج گرہن یا چندر گرہن پڑتا ہے۔

۳- سورج اور چاند اپنے اپنے مقررہ دائرہ میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے سورج یا چاند گرہن پڑتا ہے۔ جب سورج اور زمین کے درمیان چاند آجاتا ہے تو سورج گرہن پڑتا ہے۔ زمین کا عکس چاند پر پڑنے سے چاند گرہن ہوتا ہے۔ ہندو جوتشی اور نجومی سورج گرہن اور چاند گرہن کا وقت معین کر کے بتا دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم الافلاک سے واقف ہیں۔

۴- گرہن پڑنے کے وقت ہندو منتر پڑھتے ہیں۔ دریا میں اشنان کرتے ہیں۔ برہمنوں، چھتروں اور غربا کو دان دیتے ہیں، برت رکھتے ہیں اور دنیاوی کام ترک کر دیتے ہیں۔ عبادت کرتے ہیں۔ سات دن تک طویل سفر نہیں کرتے ہیں۔

۵- کواکب کی رفتار سے اس دنیا پر اثرات پڑتے ہیں۔ گرہن پڑنے کے بعد دنیا میں اکثر وبائیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

---

(۱۷۶) زلزلہ EARTH QUAKE.

اس مضمون کو ۳ حصوں میں تقسیم کرو۔

(۱) زلزلہ کسے کہتے ہیں (۲) زلزلہ آنے کے وجوہ

(۳) زلزلہ کا نتیجہ۔ (۴) زلزلہ کے بعد کیا اثرات رونما ہوتے ہیں

۱- کسی کوہ آتش فشاں کی اندرونی خرابی کے باعث زمین کے لرز جانے کو زلزلہ کہتے ہیں۔

۲- ہندوؤں کے یہاں یہ روایت ہے کہ اننتا ناگ جو ہا کرہ ارض کو اپنے پھن پر اٹھائے ہوئے ہے۔ جب وہ کرۂ ارض کو اپنے ایک پھن سے بدل کر دوسرے پھن پر رکھتا ہے اس وقت زمین ہل جاتی ہے اور اسی کو زلزلہ آنا کہتے ہیں زلزلہ کی بابت علمی نظریئے مختلف ہیں۔ بعض سائنس داں زلزلہ کو آتش فشاں پہاڑ سے منسوب کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ زمین کے اندر آتش گیر مادہ کے سرد ہو جانے سے خلا ہو جاتا ہے اور اس کے باعث اوپر کی سطح سکڑ جاتی ہے اور اسی سے زلزلہ آجاتا ہے

۳- زمین کے اندر ایک سناٹا سا ہونے لگتا ہے۔ عمارتیں منہدم ہو جاتی ہیں۔ شہر اور قصبے تباہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جنوری ۱۹۳۴ء میں جو زلزلہ آیا اس سے ہندوستان میں صوبہ بہار کے کئی اضلاع مثلاً مظفرپور، دربھنگہ، پٹنہ اور مونگیر میں سخت نقصانات ہوئے ہیں۔ سیکڑوں آدمی ضائع ہوئے۔

ہزاروں مکانات منہدم ہوگئے۔ صوبۂ بہار کے علاوہ یو۔پی اور دہلی میں بھی مکانات کو بہت صدمے پہونچے۔

زلزلہ سے نقصانات کا تم کو جو علم ہو اُس کو مفصل تحریر کرو۔

۴۔ زلزلے سے زمین شق ہو جاتی ہے۔ گندھک کے اُبلتے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ دریاؤں کے بہاؤ کا رُخ بدل جاتا ہے۔ کنوؤں کا پانی خشک ہو جاتا ہے۔

(۱۴۸) صغرسنی کی شادی

CHILD MARRIAGE.

اس مضمون کو ۴ حصّوں میں تقسیم کرو:۔

(۱) تمہید (۲) نقصانات (۳) فائدے (۴) نتیجہ

۱۔ صغرسنی کی شادی کا ہندوستان میں قدیم رواج ہے۔

۲۔ زن و شو کی رائے کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے۔ بعض اوقات اولاد کی پرورش کے لئے کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہوتا۔ نوعمر ماں کو بڑی مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ نوعمر باپ کی تعلیم میں خلل پڑ جاتا ہے۔ نوعمر لڑکی تعلیم سے محروم رہ جاتی ہے۔

۳۔ صغرسنی میں شادی ہو جانے سے لڑکی سُسرال کے طور و طریقے سیکھ جاتی ہے۔ زن و شو میں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ صغرسنی کی شادی کا قدیم رواج ہے۔ لیکن ہمارے بزرگ ہم سے کہیں زیادہ توانا اور تندرست

ہوتے تھے۔

۴۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا عام رواج ہوجانے سے صغرسنی کی شادی ترک ہوتی جاتی ہے اور قانوناً ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ اب ذکور و اناث کے سن بلوغ کو پہونچ جانے پر شادی ہوتی ہے اور والدین لڑکے لڑکی سے مشورہ کرلیتے ہیں اور اُن کی رضامندی حاصل کرلینے پر شادی کا پیام دیتے ہیں۔ جو لڑکے یا لڑکیاں بلا مشورہ والدین اپنی خودمختاری سے خود شادی کرلیتے ہیں اُس کا انجام اکثر خراب ہوتا ہے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ والدین اور اولاد دونوں کے باہمی مشورہ سے شادی کی جائے۔

---

(۴۹) ناکامی FAILURES.

اس مضمون کو ۴ حصوں میں تقسیم کرو:-

(۱) تمہید (۲) استقلال کی ضرورت (۳) ناکامی سے متنبہ ہونا (۴) نتیجہ۔

۱۔ کامیابی کے دشوار گزار راستہ کو ناکامی کہتے ہیں۔ ہماری شاہراہ زندگی ہموار نہیں ہوتی ہے۔

۲۔ ناکامی سے ہم کو مایوس اور افسردہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے۔ کامیابی کی کنجی یہ ہے کہ مشکلات اور مایوسی کے عالم میں ہم صبر و استقلال کے ساتھ کام کرتے رہیں دنیا کے کامیاب لوگوں کی مثالیں مع مختصر حالات کے تحریر کرو۔

۳۔ صرف کمزور طبیعت کے انسان مایوس اور افسردہ خاطر ہوجاتے ہیں لیکن باہمت اور حوصلہ مند شخص ناکامی کے بعد نئے جوش سے کام شروع

کر دیتا ہے۔ ناکامی سے ہم کو اپنی کوتاہیاں اور کمزوریاں معلوم ہو جاتی ہیں اور ہم اپنی غلطیاں درست کر لیتے ہیں۔

۴ - مستعد آدمی ناکامی سے سبق لیتے ہیں وہ تازہ جوش سے از سر نو کام شروع کرتے ہیں اپنی ساری قوتوں سے کام لیتے ہیں۔ ناکامی سے اپنی کمزوریاں اور غلطیاں معلوم کر کے اُن کو رفع کر دیتے ہیں۔ عزت و احترام کبھی ناکام نہ ہونے سے نہیں ہوتا ہے بلکہ گر گر کر سنبھلنے سے ہوتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں ۔ وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

---

(۱۵) مچھلی کا شکار The fishing.

اس مضمون کو ۵ حصوں میں تقسیم کرو:-

(۱) تمہید (۲) بیان (۳) تفریحی مشغلہ
(۴) شغل بے کاری (۵) نتیجہ

۱ - مچھلی کا شکار کئی طرح پر ہوتا ہے مثلاً: بندوق سے، جال سے اور بنسی سے مگر اس مضمون میں ہم صرف بنسی سے شکار کرنے کا حال درج کریں گے۔

۲ - ایک بانس کی چھڑ کے سرے پر ایک پہیہ لگاتے ہیں جس پر ڈور لپٹی ہوتی ہے اور بانس کے آخر میں ایک کانٹا باندھ دیتے ہیں۔ اس کو بنسی سے مچھلی کا شکار کرنا کہتے ہیں۔ مچھلی کا شکار کس طرح پر کرتے ہیں اس کو تحریر کرو۔

۳ - اکثر لوگ ایام تعطیل میں مچھلی کے شکار کو جاتے ہیں۔ مچھلی کے شکار میں صبر و استقلال اور بڑی ہوشیاری سے کام کیا جاتا ہے یہ ایک تفریحی مشغلہ ہے۔

۴ - مچھلی کے شکار میں بعض اوقات بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے اور اگرچہ

مچھلیاں پکڑ بھی لی جاتی ہیں تاہم وہ شکاری کی محنت کا معاوضہ نہیں ہوتی ہیں
یہ بے کاروں کا مشغلہ ہے۔

۵ - بعض مقامات پر تالابوں میں مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے اور کچھ فیس ادا کرنے پر مچھلی کے شکار کی اجازت دی جاتی ہے۔

---

(۱۵۱) اُمید HOPE

اس مضمون کو تین حصوں میں تقسیم کرو:-

(۱) اُمید کے معنی (۲) اُمید کے کہتے ہیں (۳) اُمید کے فوائد

۱ - کسی منفعت کی خواہش اور اس کے حصول کی توقع کو اُمید کہتے ہیں۔

۲ - کام کرنے کی ترغیب اور جفاکشی پر آمادہ کرنے کی قوت کا نام اُمید ہے۔

۳ - مشکلات کم ہو جاتی ہیں۔ جوشِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ دنیا اُمید پر قائم ہے یعنی دنیا کے سارے کام اُمید ہی سے چلتے ہیں۔

---

(۱۵۲) شفاخانہ HOSPITAL

اس مضمون کو ۴ حصوں میں تقسیم کرو:-

(۱) شفاخانہ کے معنی (۲) عام حالت (۳) فوائد (۴) نتیجہ

۱ - شفاخانہ خیراتی انسٹی ٹیوشن ہوتا ہے۔ اس میں مختلف امراض کے یا حادثات کے مجروحین بغرض معالجہ آتے ہیں۔ کسی شفاخانہ میں مفت اور کسی میں فیس لے کر علاج ہوتا ہے۔

۲ - انفرادی فیاضی یا چندہ سے یا میونسپلٹی کی جانب سے یا پرائیویٹ طور پر شفا خانہ قائم کیا جاتا ہے۔ مختلف امراض کے مریضوں کے معالجات اور رہائش کے لئے مختلف وارڈ بنائے جاتے ہیں۔ شفا خانہ میں دو قسم کے مریض آتے ہیں اوّل باہر کے مریض جو دوا لے کر اپنے مکان کو چلے جاتے ہیں' دوسرے اندرونی مریض جو شفا خانہ کے اندر قیام کر کے علاج کراتے ہیں۔ مقیم مریضوں کے لئے شفا خانہ کی جانب سے مکان اور چارپائی و بستر دیا جاتا ہے اور تربیت یافتہ نرسیں اُن کی تیمارداری کرتی ہیں۔

۳ - جو لوگ اس قدر غریب ہوتے ہیں کہ ڈاکٹر کی فیس۔ دوا اور پرہیزی غذا کے مصارف ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ اُن کے حق میں شفا خانہ بڑی نعمت اور رحمت ہے۔ ہندوستان میں شفا خانوں میں عمل جرّاحی اور قابلانہ تیمارداری نے ہزاروں کی جان بچائی ہے۔

۴ - بعض لوگ شفا خانہ میں جا کر علاج کرانا پسند نہیں کرتے ہیں۔ مفصلات میں ابھی اور بہت سے شفا خانے قائم کرنے اور مقیم مریضوں کے لئے ضروری انتظامات کرنے کی شدید ضرورت ہے تا کہ ان کے فیض سے عام طور پر فائدہ پہونچ سکے۔

INDIAN BAZAR. (۱۵۳) بازار

اس مضمون کو ۴ حصّوں میں تقسیم کرو:-

(۱) بازار کے اقسام (۲) بازار کہاں لگتا ہے۔

(۳) عام حالات (۴) خصوصیات

۱ - بازار روزانہ یا ہفتہ وار یا ہفتہ میں دو بار لگتا ہے۔

۲ - بازار کسی کشادہ مقام یا چوک میں لگتا ہے۔

۳ - بازار تین مقام پر لگتا ہے۔ کسی کشادہ مقام پر عارضی دکانوں میں مستقل دکانوں میں۔ بازار کے دکانوں کی ترتیب اس طور پر ہوتی ہے کہ ایک ایک قسم کی دکانیں ایک سلسلہ سے کشادہ مقام پر لگائی جاتی ہیں مچھلیاں، پھل، پان، ترکاریاں، ساگ، مولی، شلغم، گاجر، کدو، بینگن، آلو، گوبھی، کرم کلا وغیرہ کے زمین یا ٹوکروں میں ڈھیر لگا دیئے جاتے ہیں۔ عارضی دکانوں میں پنساری بیٹھتے ہیں جو نمک، مرچ، ہلدی، گرم مصالحہ، کاغذ، قلم، سوئی، پیچک، بٹن، سرمہ، مستی وغیرہ بیچتے ہیں مستقل دکانوں میں بزاز، سنار، لوہے، صراف وغیرہ بیٹھتے ہیں۔ الغرض دیہاتیوں کی جملہ ضروریات کی چیزیں بازاروں میں مل جاتی ہیں۔

۴ - بازار میں بے حد غل غپاڑہ ہوتا ہے۔ کسی چیز کا نرخ مقرر نہیں ہوتا قیمت طے کرنے میں بہت جھگڑا ہوتا ہے۔ بازار دیہاتی زندگی کا آئینہ ہوتا ہے دیہاتیوں کی سادہ لوحی اور بنیوں کی عیاری صاف نظر آجاتی ہے۔ بازار میں قوم کی اندرونی زندگی صاف طور پر نمایاں ہوتی ہے۔

(۱۵۴) روپیہ کا جا و بے جا استعمال

Money, it's use and abuse:—

اس مضمون کو ۵ حصّوں میں تقسیم کرو:—

(۱) تمہید (۲) روپیہ کا جائز استعمال (۳) روپیہ کا ناجائز استعمال (۴) روپیہ پیدا کرنے اور جمع کرنے کے طریقے (۵) نتیجہ

۱— روپیہ نہایت ضروری شے ہے۔ دنیا کے سارے کام روپیہ ہی سے چلتے ہیں۔

۲— روپیہ سے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی بسر اوقات ہوتی ہے صحت اور سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ روپیہ کارہائے خیر میں صرف کیا جاتا ہے۔

۳— حرص، لالچ، فریب، نااتفاقی، عیش پرستی، عیاشی وغیرہ ہیں۔ فوج کے لئے جس طرح ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نیک کام کرنے کے لئے بھی روپیہ کی حاجت ہے۔ وہ چھوڑا بھی نہیں جا سکتا اور بعض وقت اس کی حفاظت سے نیند بھی میں خلل پڑ جاتا ہے۔

۴— تجارت، صنعت و حرفت، زراعت اور ملازمت وغیرہ روپیہ پیدا کرنے کے ذرائع ہیں۔ کفایت شعاری اور بخیلی سے روپیہ جمع ہوتا ہے۔

۵— دنیا کے موجودہ حاتم راک فلر کا مقولہ ہے "جس قدر ہو سکے روپیہ پیدا کرو، جس قدر ممکن ہو دوسروں کو عطا کرو، جس قدر ممکن ہو پس انداز کرو"۔ ہندوستانیوں کا یہ قول ہے کہ "اپنی خواہشات اور ضروریات حتی الامکان کم کر دو اور پاکیزہ و مطمئن زندگی بسر کرو"۔

(۱۵۵) کہیں تو ہے امرت کہیں تو ہے زہر

one man's meat another man's poison.

اس مضمون کو تین حصوں میں تقسیم کرو (۱) تمہید (۲) اس مثل کا استعمال (۳) نتیجہ

(۱) جو شے کسی ایک شخص کے لئے مفید ہوتی ہے وہی دوسرے شخص کے حق میں سخت مضرت ناک ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال دے کر مطلب سمجھاؤ

(۲) جو بات کہ ہمارے لئے موزوں اور ہمارے حق میں مفید و کارآمد ہے اُسے کرنا چاہیئے۔ آنکھ بند کر کے دوسروں کی نقالی کرنے سے نہایت مضر نتائج نکلتے ہیں۔

(۳) یورپین طرز معاشرت اور فیشن کے متعلق اپنی رائے اور اُس کے رواج کے تباہ کن نتائج بیان کرو۔

---

(۱۵۶) روزنامچہ Diary keeping.

اس مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کرو:

(۱) روزنامچہ کے معنی (۲) اُس کا استعمال

۱۔ اپنے روزانہ کام اور روزمرہ کے ضروری واقعات کی یادداشت تحریر کرنے کو روزنامچہ کہتے ہیں۔

۲۔ تاجروں کے لئے روزنامچہ رکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس میں

روزانہ لین دین کے حالات درج ہوتے ہیں۔ مقدمہ میں اس روزنامچہ کا عدالت اعتبار کرلیتی ہے۔ بستر استراحت پر دراز ہونے سے قبل ہم روزنامچہ پر ایک سرسری نظر ڈال کر اندازہ کرسکتے ہیں کہ آج کا دن کیسے گزرا۔ ہم کو اپنی کمزوریاں اور ناکامیاں معلوم ہوجاتی ہیں اور اُن کا انسداد کیا جاسکتا ہے۔ طلبار کے حق میں روزنامچہ نہایت کارآمد ہوتا ہے کیونکہ اپنے اسباق کی یادداشت کے علاوہ اُس میں مصنفین کے کارنامے اور اُن کی خامیاں اور ناکامیاں لکھی جاتی ہیں۔ روزنامچہ کے مطالعہ سے سوانح عمری مرتب کرنے میں بڑی سہولت ہوجاتی ہے۔

(۱۵۷) پردہ سسٹم PURDAH SYSTEM.

اس مضمون کو ۴ حصوں میں تقسیم کرو:

(۱) تمہید (۲) ہندو مسلمانوں میں پردہ کا رواج (۳) پردہ کے فائدے (۴) پردہ کے نقصانات

۱۔ مسلمانوں کی ہندوستان میں عملداری ہونے کے وقت سے ہندو اور مسلمانوں میں پردہ کا رواج ہوگیا ہے۔ اس سے قبل ہندوؤں میں پردہ کا رواج نہیں تھا۔

۲۔ پردہ کا رواج مسلمانوں میں بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ ہے۔ ہندو مستورات گھونگھٹ سے اور مسلمان عورتیں برقعہ پہن کر پردہ کرتی ہیں

۳۔ پردہ کی بدولت اوباش اور بدمعاش لوگوں کی نظر بد سے عورتیں محفوظ رہتی ہیں۔ پردہ کی وجہ سے ایک بڑی حد تک بدچلنی کا انسداد ہوجاتا ہے

۴ - پردہ کی وجہ سے عورتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ وہ ہر کام کے لئے مردوں کی دست نگر ہو جاتی ہیں۔ پردہ اکثر موقعوں پر تعلیم میں مانع اور جابع ہوتا ہے۔

---

(۱۵۸) چاول Rice.

اس مضمون کو ۶ حصوں میں تقسیم کرو:

(۱) چاول کی تعریف (۲) آب وہوا و اراضی۔
(۳) کاشت (۴) کہاں کہاں پیدا ہوتا ہے (۵) کون کون چیزیں چاول سے تیار ہوتی ہیں (۶) نتیجہ

۱ - دھان کے اوپر کی بھوسی علیحدہ کر کے اندر کے تخم کو چاول کہتے ہیں چاول کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً۔ باسمتی، ہنسراج، سیلا، لشیرا، مچھیرا، ناجھی، رنگونی، اوس، امان وغیرہ وغیرہ۔

۲ - گرم ملک کی تر زمین میں پیدا ہوتا ہے۔

۳ - جوت کر تخم ریزی کی جاتی ہے اور فصل پکنے پر کاٹی جاتی ہے۔

۴ - دیرہ دون، سہارن پور، پیلی بھیت، ریاست رام پور، باریسال، رنگون وغیرہ میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔

۵ - چاول سے مختلف لذیذ اور خوش ذائقہ کھانے تیار ہوتے ہیں مثلاً پلاؤ، چلاؤ، زردہ، متنجن، بریانی، کھچڑی، طاہری، کھیر فیرنی، خشکہ وغیرہ۔

بنگال، دکن، مدراس اور برہما کی خاص خوراک ہے۔

SELF SACRIFICE. (۱۵۹) ایثار نفسی

اس مضمون کو ۵ حصّوں میں تقسیم کرو: (۱) تمہید (۲) اس کی ضرورت (۳) نفس پر قابو نہ ہونے کے نتائج (۴) نفس پر قابو پانا (۵) نتیجہ

(۱) خواہشات نفسانی پر قابو پا جانے کو ضبط نفس یا ایثار نفس کہتے ہیں۔

(۲) انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو پا سکتا ہے انسان میں بھی حیوانی صفات موجود ہیں لیکن اس کی برتری کا یہی سبب ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے۔ ہم ہرگز خوش نہیں ہو سکتے اگر ہمارا نفس ہمارے قابو میں نہ ہو۔

(۳) اپنے نفس پر قابو حاصل نہ ہونے سے انسان مدت العمر مصیبتوں میں گرفتار رہتا ہے۔ سزائیں اور ذلتیں برداشت کرتا ہے اور بعض وقت اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

(۴) پختہ ارادہ اور مسلسل کوشش سے ہم اپنی نفسانی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

(۵) ہر مذہب ملت میں نفس پر قدرت حاصل کرنے کے احکام موجود ہیں۔ اسی کی بدولت انسان فرشتہ صفت بن جاتا ہے۔

SWIMMING. (۱۶۰) شناوری

اس مضمون کو ۶ حصّوں میں تقسیم کرو (۱) تمہید (۲) مختلف طریقے (۳) کس طرح سیکھا جاتا ہے (۴) اس کے فوائد (۵) دوڑ تیراکی (نتیجہ)

(۱) تیرنا ایک کارآمد اور صحت بخش مشغلہ ہے۔
(۲) تیرنے کے مختلف طریقے بیان کرو۔
(۳) کم نشیب کے تالاب میں بلکا کی مدد سے یا کسی مشاق تیراک کی شاگردی میں تیرنا سیکھا جاتا ہے۔
(۴) تیرنا ایک نہایت مفید ورزش ہے۔ پانی میں ڈوبنے کے حادثات سے تیرنے والا بچ جاتا ہے۔
(۵) پانی میں ڈوبنے کی خبریں۔ انگلستان کے یونیورسٹی میں جو شخص شناوری بنایا گیا ہے اور اس فن کے ایک ماہر جناب میر ماہی صاحب کی زیر نگرانی طلباء تیرنا سیکھتے ہیں۔
بعض مشہور تیراکوں کے کارنامے بطور مثال کے تحریر کرو۔
(۶) آگرہ، بنارس، کلکتہ وغیرہ میں تیراکی کے میلے ہوتے ہیں اس میں تیرنے کی دوڑ ہوتی ہے۔ اس کے متعلق تم کو جو کچھ معلوم ہو تحریر کرو۔
(۷) تیرنے کا فن اس نیت سے ضرور سیکھنا چاہیے کہ ڈوبنے والوں کی جان بچائی جائے۔

SMOKING. (۱۶۱) تمباکو نوشی

اس مضمون کو ۵ حصوں میں تقسیم کرو (۱) تمہید (۲) تمباکو نوشی کے طریقے (۳) مفید ہے یا مضر (۴) تمباکو نوشی کا قانون (۵) نتیجہ
(۱) تمباکو کسی نہ کسی ترکیب سے پینے کو تمباکو نوشی کہتے ہیں۔
(۲) حقہ، چرٹ، سگرٹ، سگار، بیڑی۔ مسلمان تمباکو نوشی میں بڑا تکلف

کرتے ہیں۔ مختلف اقسام کی خوشبوئیں اور عطریات ملاکر خمیرہ تمباکو تیار کیا جاتا ہے جسے حقہ میں پیتے ہیں۔ خوشبودار خمیرہ تمباکو کے دھوئیں سے سارا کمرہ معطر ہو جاتا ہے اور طبیعت کو بے حد فرحت حاصل ہوتی ہے۔

(۳) اس کے بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ بعض لوگ اس کو امراض حلق اور امراض معدہ کے لئے مفید بتاتے ہیں۔ بعض لوگ تمباکو کو مضر صحت کہتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ لڑکپن میں تمباکو نوشی سے بچوں کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔

(۴) تمباکو نوشی کا ایک قانون بنایا گیا تھا مگر وہ بالکل بے معنی اور قطعی بے سود ثابت ہوا۔

(۵) گاہے ماہے تمباکو نوشی مفید ثابت ہوتی ہے البتہ کثرت استعمال سے صحت پر مضر اثر پڑتا ہے۔ دیگر عادات کی طرح تمباکو نوشی کا عادی ہو جانے سے اس کو چھوڑنا دشوار ہو جاتا ہے۔

---

(۱۶۲) عیب جوئی

TO FIND FAULTS OF OTHERS.

اس مضمون کو ۴ حصوں میں تقسیم کرو: (۱) تمہید (۲) معنی (۳) اس سے نفرت کرنے کی وجہ (۴) نتیجہ

(۱) عیب جوئی نہایت بری عادت ہے۔

(۲) اپنی قابلیت کے غرور میں اپنی کمزوریاں اور عیوب نظر نہیں آتے ہیں

صرف دوسروں کی برائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ رواداری اور دوسروں کے جذبات کے احترام کے فقدان سے صرف دوسروں کے عیوب کی تلاش ہوتی ہے۔

(۳) جس شخص کی عیب جوئی کرتے ہیں ہم اس کو بدنام کرنے کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر وہ ہمارا دوست ہو تو اس کی عیب جوئی سے دوستانہ تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور ہم اسے ناراض کر دیتے ہیں۔ اور اگر وہ ہمارا دشمن ہو تو اس کی عیب جوئی سے وہ ہم سے بہت زیادہ متنفر ہو جائے گا۔ اس قبیح عادت کی بدولت ہم خود پسند اور مغرور ہو جاتے ہیں اور اس طرح پر ہم اپنی عزت و توقیر کو خود ضائع کر دیتے ہیں۔

(۴) کاہل اور بے کار لوگوں کا مشغلہ دوسروں کی عیب جوئی ہوتا ہے۔ مستعد اور کام والے اس میں کبھی حصہ نہیں لیتے۔

دوسروں کی خوبیاں معلوم کرنے کی کوشش کرو تاکہ تم بھی ان سے کچھ سبق حاصل کر سکو۔

---

(۱۶۳) صنعتی تعلیم

TECHNICAL EDUCATION.

اس مضمون کو ۴ حصوں میں تقسیم کرو: (۱) تمہید (۲) فوائد (۳) حصول کے طریقے (۴) مختلف شعبے۔

(۱) مثلاً کسی فن یا ہنر یا دستکاری کو سیکھنا۔

(۲) کوئی تعلیم اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ علمی اصولوں پر مبنی نہ ہو۔ چونکہ دیگر ممالک سے آمد و رفت کے وسائل میں سہولتیں پیدا ہو گئی ہیں اس وجہ سے مقابلہ نہایت سخت ہے۔ اس لئے ہم کو مختلف مصنوعات اس طور پر تیار کرنا چاہئیں کہ تیاری میں کم لاگت آئے تاکہ بازار میں ہم ارزاں نرخ پر فروخت کر سکیں۔

(۳) سائنس کی ابتدائی تعلیم پانے کے بعد کسی صنعتی درس گاہ، عمل یا فیکٹری میں صنعتی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔

(۴) انجنیری، کان کنی، پارچہ بافی، دباغت، رنگ سازی، نجاری، ملمع سازی، صابون سازی، طباعت، جلد سازی، مصوری، بلاک سازی وغیرہ وغیرہ۔

(۱۲۴) ملازمت و تجارت

Service and trade :—

اس مضمون کو ۳ حصوں میں تقسیم کرو: (۱) تجارت کے فائدے (۲) تجارت کے نقصانات (۳) نتیجہ

(۱) تجارت سے لوگ کثیر دولت پیدا کر لیتے ہیں۔ دولت مند ہو جانے کی بے شمار توقعات ہیں۔ تجارت سے انسان جفاکش، کفایت شعار اور خوش اخلاق بن جاتا ہے۔

اس کے بعد ملازمت کے نقصانات اور ترقی کی محدود توقع بیان کرو

(۳) تجارت سے روپیہ کی ہوس اور مادہ پرستی پیدا ہو جاتی ہے۔ تجارت سے معدودے چند امیر ہو جاتے ہیں اور ہزاروں غریب ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ غربا کی گاڑھی کمائی کا خون تاجر چوس لیتے ہیں۔

اس کے بعد ملازمت سے فراغت سے زندگی بسر کرنے اور ایک معینہ تنخواہ مل جانے کے فائدے بیان کرو۔

(۴) نوع انسان کی فلاح کے لئے ملازمت اور تجارت دونوں کی ضرورت ہے۔

---

(۱۶۵) میرا اسکول

MY SCHOOL.

اس مضمون کو ۴ حصوں میں تقسیم کرو:

(۱) مقام (۲) حالت (۳) خصوصیت (۴) نتیجہ

(۱) یہ بتاؤ کہ تمہارا اسکول کس شہر یا قصبہ میں اور کس جگہ پر واقع ہے یعنی وہ آبادی سے باہر یا ایک سرے پر یا وسط شہر میں ہے۔

(۲) اسکول کا بیرونی منظر، باغ، تالاب، کھیل کا میدان، کمرے وغیرہ کو تفصیل کے ساتھ ظاہر کرو۔ اسکول کے کمروں کی تصاویر، نقشہ جات

وغیرہ اور عمارت کی خصوصیت بتاؤ۔

(۳) علاوہ بریں اسکول کی جو خصوصیات ہوں اُن کو تفصیل کے ساتھ تحریر کرو۔

(۴) تم کو وہ مقام وہاں کا منظر وہاں کی سوسائٹی پسند ہے یا نہیں ؟

خطوط نویسی

۹۶

خطوط نویسی
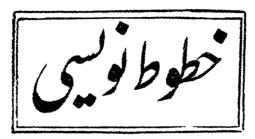
LETTER WRITING

خطوط نویسی ایک خاص فن ہے جس میں دوسرے شخص پر اپنا دلی منشا بذریعہ تحریر ظاہر کیا جاتا ہے۔ خط لکھنے والے کو کاتب۔ جو عبارت لکھی جائے اُسے مکتوب یا خط یا چٹھی اور جس کے نام خط لکھا جائے اُسے مکتوب الیہ کہتے ہیں۔

خط لکھنے میں شستہ اور موزوں الفاظ، دلچسپ عبارت، مختصر مضمون اور حفظ مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

خط کے حصے

خط کے ۶ حصے ہوتے ہیں (۱) نام و پتہ کاتب و تاریخ تحریر (۲) القاب (۳) آداب (۴) مطلب یا مضمون خط (۵) خاتمہ (۶) نام و پتہ مکتوب الیہ۔

(۱) خط کے دائیں گوشہ پر کاتب کو اپنا پتہ و تاریخ لکھنا چاہئے۔ خاتمہ کے بعد بائیں گوشہ کی جانب اپنا نام لکھنا چاہئے اور نام سے قبل تہذیباً و اخلاقاً کوئی عاجزانہ یا دعائیہ لفظ لکھنا مناسب ہے۔

مثلاً

(۱) حفیظ منزل - میرس روڈ
علی گڑھ - ۱۶ر مئی ۱۹۳۲ء

(۲) ولایت منزل مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ ۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء

(۳) حمایت نگر روڈ، حیدرآباد دکن
۲۵ر محرم الحرام ۱۳۵۲ھ

(۴) اسٹیشن روڈ - رائے پور
۲۰ر اپریل ۱۹۳۴ء

احقر	خاکسار	تابعدار	نیازمند	نیازکیش
نسیم الٰہی	عبداللہ	چندر موہن	نعمت الٰہی	قدرت الٰہی

خیر طلب	خیراندیش	دعاگو	راقم	خیریت کا طالب
عظمت علی	حبیب الٰہی	مقبول احمد	محمد محسن	غالب

۲- مکتوب الیہ کا رتبہ ظاہر کرنے کے لئے جن الفاظ سے اُس کو مخاطب کیا جاتا ہے اُسے **القاب** کہتے ہیں۔
مکتوب الیہ کے ۴ درجے ہوتے ہیں اور ہر درجہ کا القاب جداگانہ ہوتا ہے
(۱) اپنے سے بڑا یا اپنا بزرگ (۲) دوست یا برابر والا - (۳) اپنے سے چھوٹا (۴) حاکم۔

(۱) بڑوں اور بزرگوں کے القاب

قبلہ کونین وکعبہ دارین جناب دادا صاحب مدظلہ العالی
〃 〃 〃 جناب نانا صاحب 〃

قبلۂ حاجات و کعبۂ مرادات جناب والد صاحب دام ظلہ

" " " جناب ماموں صاحب "

حضرت ماموں جان صاحب قبلہ - مخدوم و مکرم تائے جان صاحب

" خالو جان صاحب " - مخدوم بندہ ، مکرم بندہ

مخدومی و مکرمی ، مکرمی و محترمی - مکرمی و معظمی - وغیرہ

نانی ، دادی ، اّمی وغیرہ کے لیے :

مخدومہ مکرمہ ، مخدومہ محترمہ ، مشفقہ مکرمہ

(۲) دوستوں اور برابر والوں کے القاب

کرم فرمائے بندہ - مشفق و مہربان ، عنایت فرمائے من ،

مصدر لطف و کرم ، محب قلبی وغیرہ

(۳) چھوٹوں کے القاب

برخوردار سعادت آثار ، برخوردار نورِ چشم ، لختِ جگر نورِ بصر

فرزند دلبند ، عزیز از جاں ، عزیز وا فر تمیز ، عزیز دلم ، عزیزم

عزیز من ، عزیزی وغیرہ وغیرہ

(۴) حاکموں کے القاب

غریب پرور ، حضور والا ، عالی جناب ، جناب عالی ،

بندہ نواز ، بندہ پرور -

(۳) آداب

القاب کے بعد تعظیم۔ شوق ملاقات یا دعا ظاہر کرنے کے لئے چند الفاظ لکھے جاتے ہیں اُسے **آداب** کہتے ہیں۔

السلام علیکم، بعد سلام مسنون، تسلیم، آداب، تسلیم بصد تعظیم آداب نیاز مندانہ، بعد اشتیاق ملاقات، نمستے، رام رام، جے گوپال، پالاگن وغیرہ وغیرہ

(۴) مضمون خط

القاب و آداب کے بعد وہ ضروری باتیں جن کی وجہ سے خط لکھا جاتا ہے خواہ اُس میں کسی بات کی اطلاع دی گئی ہو یا کوئی بات دریافت کی گئی یا کسی چیز کے روانہ کرنے کی خبر ہو، یا کسی چیز کے پہونچنے کی اطلاع ہو یا کچھ اور ضروری باتیں درج ہوں اس کو **مضمون خط** کہتے ہیں۔

(۵) خاتمہ

مضمون خط کے اختتام پر کوئی کلمہ یا جملہ جس کا مفہوم سلام، دعا، شوق ملاقات ہو اُسے خاتمہ کہتے ہیں جیسے زیادہ نیاز مند، زیادہ حد ادب والسلام۔ زیادہ دعا وغیرہ

(۶) پتہ مکتوب الیہ

کارڈ یا لفافہ پر اول سطر میں مکتوب الیہ کا پتہ یعنی محلہ، شہر اور دوسری

سطر میں مکتوب الیہ کا نام لکھنا چاہیے یا اول سطر میں مکتوب الیہ کا نام اور دوسری سطر میں محلہ، شہر، نمبر، پتہ درج کرنا چاہیے۔

ٹکٹ

محلہ مدرسہ۔ پٹنہ شہر

مکرمی بابو سندر لعل صاحب کھتری

ٹکٹ

خیر نگر دروازہ۔ شہر میرٹھ

عزیزی منشی افتخار حسن صاحب عرف پیارے میاں

ٹکٹ

محلہ کنبوہان۔ مارہرہ ضلع ایٹہ

برادرم چودھری عبد الصبور صاحب

ٹکٹ

مکرمی و محترمی جناب خان بہادر سید مسعود الحسن صاحب

جوڈیشل منسٹر

کوٹھی خاص باغ - ریاست رامپور

ٹکٹ

حمایت نگر روڈ - حیدرآباد دکن

عزیز دلم ڈاکٹر ابن حسن صاحب زبیری ایم اے پی ایچ ڈی

پروفیسر شعبہ تاریخ ہند - عثمانیہ یونیورسٹی

ٹکٹ

ولایت منزل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مکرم و معظم جناب مولانا سید طفیل احمد صاحب

مختلف خطوط کے نمونے

خطوط نویسی کے متعلق ہدایتیں

ایک بزرگ کا قول ہے کہ بولتے ہوئے خط سب سے عمدہ ہوتے ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح روزمرہ بات چیت کی جاتی ہے ایسی ہی سادگی اور بے تکلفی خط کی عبارت میں ہونی چاہیئے۔ ہمیشہ شستہ اور شایستہ الفاظ استعمال کئے جائیں اور جو خیال تمہارے دل میں آئے اُسے مناسب اور موزوں الفاظ میں لکھ دو۔ خط کی عبارت کو دلچسپ بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

بیٹے کا خط باپ کے نام بابت ترسیل عریضہ

(۱) نمبر۲ پارک روڈ۔ الہ آباد
مورخہ ۱۷ر فروری ۳۲ء

جناب والد صاحب قبلہ دام ظلکم۔ بعد آداب نیاز مندانہ کے گزارش ہے نوازش نامہ صادر ہوا۔ ابھی میں خط لکھنے میں بہت کچا ہوں اس وجہ سے ہمت نہیں پڑتی اور یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر غلطی ہو گی تو آپ خفا ہوں گے لیکن اب چونکہ آپ نے ہدایت فرمائی ہے اس لئے بہ تعمیل ارشاد اتوار کے دن ضرور ایک عریضہ تحریر کرکے آپ کی خدمت میں ارسال کرتا رہوں گا

میرے عریضہ میں املا، انشا یا محاورہ کی جو غلطیاں ہوں اُن کو درست کر کے مطلع فرمائیے گا تاکہ میری خامیاں رفع ہو جائیں۔

ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب ضابطہ کے سخت پابند ہیں جو ہم لوگوں کے لئے نہایت مفید ہے۔ میں لکھنے پڑھنے میں پوری محنت اور توجہ سے مصروف رہتا ہوں۔ بفضلہ میں بخیریت ہوں۔ بخدمت جناب آپا صاحبہ سلام عرض ہے۔ زیادہ نیاز فقط

آپ کا فرمان بردار

محمد حسن طالب علم مڈل کلاس

خط بڑے بھائی کے نام بابت ترسیل عریضہ

(۴) ضلع اسکول، مرزاپور

۲ مئی ۱۹۳۳ء

برادر مکرم۔ نمستے۔ آپ نے ہفتہ وار خط بھیجنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ چونکہ خطوط نویسی میں ابھی مجھکو کافی مہارت حاصل نہیں ہوئی ہے اس وجہ سے غلط سلط خط لکھنے کی ہمت نہیں پڑتی ہے۔ اب میں نے خطوط نویسی کی کتاب خرید لی ہے۔ ایشور کی کرپا سے اُمید ہے کہ ایک ماہ بعد میں خط لکھنے کے لائق ہو جاؤں گا اور پھر ہر ہفتہ میں ایک عریضہ آپ کی خدمت میں ضرور روانہ کرتا رہوں گا۔

میں لغات فیروزی اپنے ساتھ لانا بھول آیا ہوں براہ کرم رجسٹری شدہ پیکٹ میں یہ لغت جلد روانہ کر دیجئے۔ زیادہ حد ادب۔

تابعدار

موہن لعل متعلم درجہ ششم

(۳) بیٹے کا خط باپ کے نام بابت نتیجہ امتحان

بانس منڈی۔ کانپور
۵ار جولائی سنہ۳۲ء

جناب قبلہ کونین و کعبہ دارین مد ظلکم۔ آداب نیاز کے بعد
عرض ہے کہ مجھکو خوش نویسی کا اول نمبر ملا ہے۔ نعیم الدین دوم نمبر رہا۔
امید کرتا ہے کہ انشاء اللہ میں بہت جلد اس قابل ہو جاؤں گا کہ تحریر کے کام میں
آپ کا ہاتھ بٹا سکوں گا۔

آپ کا فرماں بردار
نعیم الدین طالب علم درجہ ہفتم

---

(۴) بیٹے کا خط باپ کے نام بابت حالت تعلیمی

محلہ مرزا دیوری۔ پٹنہ
۲۰ر جولائی سنہ۳۲ء

جناب والد ماجد صاحب قبلہ۔ بعد تسلیم بصد تعظیم التماس ہے کہ
آپ یہ سنکر خوش ہوں گے کہ میں درجہ ہشتم میں پاس ہو گیا اور درجہ نہم میں مجھکو
ترقی مل گئی۔ میرے درجہ میں ۵۰ طلبا تھے ان میں سے ۲۰ پاس ہو گئے۔
پاس ہونے والوں میں میرا نمبر پانچواں ہے۔ نتیجے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون نویسی
میں مجھکو کم نمبر ملے ہیں۔ لیکن یہ کمزوری جلد رفع ہو جائے گی چونکہ درجہ نہم میں
مضمون نویسی کی زیادہ مشق کرائی جائے گی۔ کسی جدید کتاب کے خریدنے کی
ضرورت نہ ہو گی۔ چونکہ درجہ دہم میں وہی کتابیں پڑھائی جائیں گی جو درجہ
نہم میں تھیں۔ جغرافیہ اور تاریخ بہت آسان ہیں۔ ریاضی کے سوالات حل

کرنے میں میرا بہت جی لگتا ہے۔ اقلیدس کا چوتھا مقالہ اب شروع کروں گا فارسی میں میرے نمبر سب سے زیادہ آئے ہیں۔ مکان پر فارسی پڑھ لینے سے مجھکو بہت مدد ملی۔ البتہ سائنس مشکل معلوم ہوتی ہے۔ بڑی وقت یہ ہے کہ ہمارے کالج میں ابھی سائنس کا سامان بہت کم ہے اور بغیر آلات و اوزاروں کی مدد کے سائنس کے مسائل کا سمجھنا نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

بڑے دن کی تعطیل میں گھر آنے کا ارادہ ہے۔ زیادہ نیاز

آپ کا تابعدار

محمد حسین۔ طالب علم درجہ دوم انٹرمیڈیٹ کالج

(۵) باپ کا خط بیٹے کے نام مشعر سرزنش

محلہ کٹرہ، الہ آباد

۱۰ مارچ سنہ۳۲ء

برخوردار نور چشم سلمہٗ

تمہارے استاد نے شکایت کی ہے کہ تمہارے عادات و اطوار پسندیدہ نہیں رہے تم نے بری صحبت اختیار کر لی ہے۔ تمہارے متعلق ایسی شکایت کا پیدا ہونا نہایت شرم اور افسوس کی بات ہے۔ میں نے چلتے وقت تم کو بہت سی نصیحتیں اور ہدایتیں کی تھیں اور خاص طور پر سمجھا دیا تھا کہ برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا مگر تم نے اس قدر جلد میری ہدایت کو فراموش کر دیا۔

بے چون و چرا اپنے استاد سے معافی مانگو اور اپنے اطوار درست کرو میں تم سے سخت ناراض ہوں۔ تمہاری سعادت مندی سے امید ہے کہ تم آئندہ ایسا موقع نہ آنے دو گے کہ تمہارے متعلق کسی کو شکایت پیدا ہو۔

زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

راقم۔ الٰہی بخش

(۶) بیٹے کا خط باپ کے نام خواستگار معافی

بھاگل پور

۵ مارچ [illegible]ء

جناب قبلہ و کعبہ دام مجدکم۔ بعد ادائے آداب فدویانہ
التماس ہے۔ میں سخت نادم اور شرمندہ ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر
خدمت عالی میں عریضہ ارسال کروں۔ میں اپنے قصور سے واقف ہوں اور
نہایت سچے دل سے دست بستہ معافی چاہتا ہوں، اور اقرار کرتا ہوں کہ آئندہ
مجھ سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد نہ ہوگی۔ اس مرتبہ اور میرے قصور سے
چشم پوشی فرما دیجئے۔ جناب ماسٹر صاحب سے میں نے بے چون و چرا معافی
مانگ لی اور جناب موصوف نے میرا قصور معاف کر دیا۔ امید ہے کہ آپ بھی
میرا قصور معاف فرمائیں گے۔ انشاء اللہ میں مدۃ العمر آپ کی اطاعت اور
فرماں برداری سے کبھی روگردانی نہیں کروں گا۔ والسلام مع الاکرام

آپ کا قصوروار بیٹا

سلیم احمد

(۷) خط دادا کے نام بموقع سالگرہ

کھیری

۵ اپریل ۳۶ء

جناب دادا جان صاحب قبلہ۔ بعد آداب نیاز مندانہ کے

التماس ہے۔ بحمد اللہ آج آپ کی پچھترویں سال گرہ کا دن ہے۔ میں سارے دن اس کی خوشی میں جشن مناؤں گا۔ خدا آپ کا سایۂ عاطفت ہمارے سر پر قائم رکھے اور آپ کی بہت سی سال گرہ ہم کو دیکھنا نصیب کرے۔ بزرگوں کا سایہ جب تک قائم رہے بسا غنیمت ہے۔

تہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اے قادر قیوم دادا جان کا سایہ ہمارے سر پہ قائم رکھ سہ
اس دعا از من و ز جملہ جہاں آمین باد۔

آپ کا پیارا پوتا
امجد علی

---

(۸) چچا کا خط بشکایت فضول خرچی

برہمن پورہ علی گڑھ۔
۲۰ جنوری ۳۴ء

عزیزی ماتا دین! یہ معلوم کر کے دلی صدمہ ہوا کہ تم نے میری ہدایتوں اور نصیحتوں کو فراموش کر دیا اور تم فضول خرچی سے باز نہیں آتے ہو۔ میں [illegible] تمہارے خرچ کے لئے ہر ماہ کی دوسری تاریخ کو بھیج دیتا ہوں۔ مگر تمہارے لئے یہ رقم بھی کافی نہیں ہوتی اور تم مجھ سے تقریباً ہر مہینے میں اور روپیہ طلب کرتے ہو۔ کیا تم کو میری مالی حالت اور آمدنی کی خبر نہیں۔ مجھکو صرف [illegible] ماہوار ملتا ہے جس میں سے [illegible] تم کو بھیج کر صرف [illegible] باقی رہ جاتے ہیں گھر میں ایشور کی کرپا سے ۹ آدمی ہیں اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے ہم سب [illegible] میں گزر کر لیتے ہیں۔

امید کہ تم اپنی مسرفانہ عادتیں تبدیل کرو گے اور خرچ کے لئے مجھکو

بار بار دق نہ کرو گے۔

تمہارا شفیق چچا
دین دیال

---

(۹) بیٹے کا خط باپ کے نام طلب روپیہ

اردلی بازار بنارس
۱۰ر جولائی ۵۳ء

جناب قبلہ و کعبہ مد ظلکم۔ بعد آداب نیازمندانہ التماس ہے کہ غالباً آپ کو یہ خوش خبری سن کر مسرت ہوگی کہ میں سالانہ امتحان میں پاس ہو کر درجہ مڈل میں آ گیا ہوں۔ مجھ کو کتابیں خریدنے کے لئے ۱۰ روپے کی شدید ضرورت ہے۔ براہ کرم ایک ہفتہ کے اندر رقم مذکور بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیجئے۔ کتابیں خریدنے کے بعد میں ان کی فہرست اور قیمت کا حساب ارسال خدمت کروں گا۔ زیادہ حد ادب

آپ کا فرماں بردار
کریم اللہ

(۱۰) نصیحت آمیز خط بیٹے کے نام

محلہ گلاب خانہ آگرہ
۱۰ر ستمبر ۴۳ء

نورِ چشم راحت جاں طول عمرہٗ بعد دعا کے واضح ہو کہ ہم نے تمہاری آئندہ زندگی کے بنانے اور سنوارنے کی غرض سے تمہیں اپنے سے جدا کر کے باہر بھیجا اور اسکول میں داخل کر دیا۔ چونکہ تم ابھی نو عمر اور ناتجربہ کار ہو اس لئے چند ضروری ہدایتیں اور نصیحتیں کرنا ہم

اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور تمہاری سعادت مندی اور نیک دلی سے اُمید ہو کہ تم ہماری ان نصائح کو اپنی تعلیمی زندگی کا دستور العمل بناؤ گے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کروگے۔

عزیز من سب سے اول تم کو بُری صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے جن لڑکوں کی بابت تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ آوارہ بدچلن ہیں اور اپنا کام وقت پر نہیں کرتے، مخرب الاخلاق ناول اور لایعنی قصے کہانیوں میں اوقات عزیز کو رائگاں و برباد کرتے ہیں۔ ایسے لڑکوں سے ہرگز میل جول نہ رکھو۔ بلکہ نیک چلن لڑکوں کی صحبت اختیار کرو کیونکہ

صحبت صالح ترا صالح کند ۔ صحبت طالح ترا طالح کند

نورچشم من اسی طرح جن قصص و حکایات کی کتابوں سے جذبات میں ہیجان اور بدی کی طرف میلان ہو انھیں اٹھا کر پھینک دو ان کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھو سخت تاکید جانو۔ فرصت میں تواریخ سوانح عمریاں اور اخلاق کی کتابیں دیکھو جن سے تمہاری معلومات میں اضافہ ہو تمہارے مطالعہ میں وسعت اور بلند نظری پیدا ہو۔ تمہارے اخلاق و عادات پر عمدہ اچھا اثر ہو۔

علاوہ ازیں ورزشی کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال، ہاکی وغیرہ روزانہ کھیلا کرو تاکہ تمہاری تندرستی عمدہ رہے۔ سردست یہی چند نصیحتیں کافی ہیں خدا تم کو توفیق دے کہ تم ان پر عمل کرو۔

عاقل اندر نصیحت گیرد اندر گوش ⁂ ور نوشت ست پند بر دیوار

تمہارا شفیق باپ

احمد علی

(۱۱) درخواست رخصت بوجہ علالت

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب ... ہائی اسکول میرٹھ

جناب عالی گزارش ہے کہ آج میں بخار میں مبتلا ہوں اس وجہ سے اسکول میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں ۔ براہ نوازش میری غیر حاضری معاف فرمائے گا

آپ کا خادم

رفیع الدین طالب علم درجہ چہارم

مورخہ ۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء

---

(۱۲) درخواست رخصت بوجہ تیمارداری

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب مسلم ہائی اسکول علی گڑھ

جناب من! میں تین چار روز سے بخار میں مبتلا ہوں اور میری تیمارداری کے لئے میرے لڑکے ناصر الدین کا مکان پر رہنا ضروری ہے اس لئے متمنی ہوں کہ براہ کرم ناصر الدین متعلم درجہ پنجم کو ۳ روز کی رخصت مرحمت فرمائی جائے

خاکسار ۔ عبد السلام میرین روڈ

مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۳ء

---

(۱۳) خط برائے داخلہ

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب وکٹوریہ ہائی اسکول غازی پور

مکرم بندہ ۔ التماس ہے کہ براہ نوازش آپ میرے لڑکے جبیبی دھر کو اپنے اسکول میں داخل کر لیجئے ۔ اس سے پیشتر اس نے کسی اسکول میں

تعلیم نہیں پائی ہے۔ اس کی عمر ۹ سال کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کو فرماں بردار، محنتی اور حاضر باش پائیں گے۔ مبلغ للعہ بابت فیس داخلہ اور فیس ماہ حال روانہ کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ گاہے گاہے آپ اُس کی تعلیمی و اخلاقی حالت سے مجھکو مطلع فرماتے رہیں گے۔

خاکسار۔ ہریش چندر

مورخہ ۸ جولائی سنہ ۳۰ء

(۱۴) خط بابت اخراج نام

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب سٹی ہائی اسکول، علی گڑھ

جناب من۔ چونکہ مجھکو ریاست مالیر کوٹلہ میں ملازمت مل گئی ہے اور میں اپنے اہل وعیال کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتا ہوں اس لئے التماس ہے کہ براہ نوازش نور چشم سعید الدین متعلم درجہ پنجم کو سارٹیفکٹ تبادلہ مرحمت فرما دیجئے۔ آپ نے اور دیگر اساتذہ نے جس توجہ اور ہمدردی سے میرے لڑکے کو تعلیم دی ہے اُس کا دلی شکریہ پیش کرتا ہوں۔ فیس سارٹیفکٹ تبادلہ مبلغ عہ بھیجا جاتا ہے۔

آپ کا نیازمند

رشید الدین، انجنیر مالیر کوٹلہ

مورخہ ۷ جولائی سنہ ۳۲ء

(۱۵) درخواست براے اندراج نام

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب رزیڈنسی ہائی اسکول حیدر آباد دکن

جناب عالی۔ براہ کرم میرا نام درجۂ چہارم میں درج فرما لیجئے سند تبادلہ

گورنمنٹ ہائی اسکول علی گڑھ جہاں پر اس سے پیشتر میں نے تعلیم حاصل کی ہے [illegible] سال خدمت کی ہے۔

آپ کا تابعدار
شفقت نعیم
مورخہ ۱۰ جون [illegible]

---

(۱۱۶) درخواست رخصت

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب مسلم ہائی اسکول اٹاوہ

جناب عالی۔ گزارش ہے کہ میرے بڑے بھائی کی شادی آیندہ منگل کو میں بمقام میرٹھ ہونے والی ہے۔ اور اس میں میری شرکت ضروری ہے۔ لہذا درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم آیندہ سہ شنبہ سے ایک ہفتہ کی رخصت مرحمت فرما دیجئے۔

آپ کا فرماں بردار
شمس الحق۔ طالب علم درجہ نہم

---

(۱۱۷) درخواست برائے سارٹیفکٹ

بخدمت جناب پرنسپل صاحب مدرسۃ العلوم علی گڑھ۔

جناب عالی۔ میں نے آپ کے کالج میں ۱۰ سال تک تعلیم پائی ہے۔ میں امسال انٹرمیڈیٹ کے سالانہ امتحان میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میرے والد صاحب کے انتقال کے باعث اپنی تعلیم کا سلسلہ آیندہ نہیں جاری رکھ سکتا ہوں اس لئے گزارش ہے کہ مجھکو سارٹیفکٹ مرحمت فرما دیجئے تاکہ کسی ملازمت کی فکر کروں۔

مورخہ ۲ اگست سنہ ۱۹[illegible]ء
آپ کا تابعدار۔ گنپت رائے

(۱۸) درخواست برائے سارٹیفکیٹ تبادلہ

بخدمت جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب البرٹ کالج کلکتہ

جناب من- میرا ارادہ ہے کہ میں آئندہ ششماہی سے اپنے لڑکے موہن لال کو جو آپ کے اسکول میں درجہ چہارم میں پڑھتا ہے آریہ مشن اسکول میں داخل کرا دوں- براہ نوازش سارٹیفکٹ تبادلہ مرحمت فرما دیجئے-
ایک روپیہ ہمراہ درخواست ہذا بابت فیس سارٹیفکٹ روانہ کرتا ہوں

نیازمند
گنگولی کمار بکرجی
مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء

---

(۱۹) درخواست رخصت

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب سینٹ جوزف ہائی اسکول دہلی

جناب عالی میرا چھوٹا بھائی دو روز سے بعارضہ کالرا مبتلا ہے اس وجہ سے میں کل اسکول میں حاضر نہ ہو سکا اور آج بھی میرا آنا نہیں ہو سکتا ہے اس لئے گزارش ہے کہ براہ نوازش ۲ یوم کی رخصت مرحمت فرما دیجئے بفضل میرے بھائی کو اب قدرے آرام ہے اور مجھکو امید ہے کہ غالباً کل اسکول میں حاضر ہو سکوں گا-

آپ کا
بانکے بہاری لعل ماتھر متعلم درجہ ہفتم

---

(۲۰) درخواست اضافہ رخصت

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب مشن ہائی اسکول لکھنؤ۔

جناب عالی گزارش ہے کہ میں ملیریا بخار میں مبتلا ہوں۔ بخار کی وجہ سے بہت کمزور ہوگیا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے کہ مجھکو کم از کم ایک ہفتہ ابھی اور معالجہ کرانا اور آرام کرنا چاہئے۔ اس لئے گزارش ہے کہ مجھکو ایک ہفتہ کی اور رخصت عطا فرمائی جائے۔ ڈاکٹر صاحب کا سارٹیفکیٹ درخواست ہذا میں منسلک ہے۔

آپ کا فرمان بردار

ہرکشن لعل۔ طالب علم درجہ چہارم

---

(۲۱) درخواست معافی فیس

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب کالجیٹ اسکول علی گڑھ

جناب عالی۔ گزارش ہے کہ میں گورنمنٹ ہائی اسکول میں پڑھتا تھا والد صاحب کے انتقال کے باعث میں اسکول فیس ادا نہ کرسکا۔ اس وجہ سے میرا نام خارج کردیا گیا۔ اس لئے درخواست ہذا پیش کرکے استدعا کرتا ہوں کہ میری فیس معاف کردی جائے تاکہ میں اپنی خواندگی کا سلسلہ جاری رکھ سکوں اگر آپ اس قدر ہمدردی اور غربا پروری فرمادیں تو مجھ جیسا غریب اور ناچار لڑکا بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہوسکتا ہے۔ ورنہ مجھکو اپنی تعلیم چھوڑنا پڑے گی اور یہ حسرت دل ہی میں رہ جائے گی کہ ہماری کسی نے

مدد نہ کی اور ہماری بے کسی اور بے بسی پر ترس نہ آیا۔
سارٹیفکٹ تبادلہ پیش کرتا ہوں۔

آپ کا تابعدار
مرلی منوہر طالب علم درجہ سوم

(۲۲) درخواست بابت پیش کرنے ایڈریس

بخدمت جناب سرکل انسپکٹر صاحب الہ آباد

جناب عالی گزارش ہے کہ ہم اپنے سچے محسن اور شفیق ہیڈ ماسٹر جناب بی ٹی گارڈن صاحب کی خدمت میں بطور اظہار شکر گزاری ایک ایڈریس پیش کرنا چاہتے ہیں چونکہ ممدوح عنقریب اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو کر جانے والے ہیں۔ اس لئے آپ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرکے امیدوار ہیں کہ آپ ہم کو ایڈریس پیش کرنے اجازت مرحمت فرما دیں گے

آپ کے فرماں بردار
طلبائے گورنمنٹ ہائی اسکول الہ آباد

(۲۳) نمونہ ایڈریس

بخدمت جناب بی، ڈی گارڈن صاحب، ایٹ، ایس، سی، ایم، آر، سی، پی ریٹائرنگ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول الہ آباد دام اقبالہ

جناب عالی!
ہم طلبائے ہائی اسکول الہ آباد۔ آپ کی خدمت میں یہ ایڈریس

پیش کرنے کی غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ چونکہ آپ سرکاری ملازمت سے
پنشن یاب ہو کر عنقریب ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ آپ کی پنشن کی خبر
سنکر ہم کو اور آپ کے بیشتر دوستوں کو سخت تعجب ہوا۔ کیونکہ آپ اگرچہ
۵۵ سال کی عمر کو پہونچ گئے ہیں لیکن بفضلہ آپ کی تندرستی بھی ایسی
عمدہ ہے کہ آپ ۳۰ یا ۳۵ سال کے جوان معلوم ہوتے ہیں اور ضعیفی کے
آثار آپ میں بالکل نہیں پائے جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک گورنمنٹ نے
آپ کو ابھی پنشن دینے میں کسی قدر سختی سے کام لیا ہے۔ انشاء اللہ آپ
پوری تندہی اور مستعدی کے ساتھ کم از کم ۵ سال ابھی اور کام
کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ سختی شاید اس وجہ سے کی گئی ہے کہ نوعمر امیدواروں کو
ترقی کا موقع دیا جائے۔

ہم لوگوں کو آپ کی مفارقت کا سخت صدمہ ہے۔ کیونکہ آپ نے ہمارے ساتھ
پدرانہ شفقت کا برتاؤ کیا ہے۔ آپ کے نصائح برمحل اور آپ کی ہدایات
قابل عمل ہوتی تھیں اور آپ کی زجر و توبیخ بھی ہمدردی پر مبنی تھی کیونکہ
اس سے ہماری فلاح و بہبودی منظور ہوتی تھی۔ آپ ہم لوگوں کے لئے
مجسمہ اخلاق اور نیکی تھے۔ ع

بصورتے کہ توئی کمتر آفرید خدا
ترا کشیدہ و دست از قلم کشید خدا

حضور والا! آپ کے زمانۂ ہیڈ ماسٹری میں اسکول نے بہت زیادہ
ہر دل عزیزی اور ناموری حاصل کی اور آپ سے بیشتر جو چند اساتذہ کے
باہمی مناقشات سے اسکول کی بدنامی ہو رہی تھی وہ آپ کی حسن تدبیر سے
رفع ہو گئی۔ الہ آباد کے ہر طبقہ کے لوگ آپ کے مداح اور ثنا خواں ہیں

آپ کا ملازمت سے سبکدوش ہونا ایک شفیق اور ناصح اُستاد کا گویا ہم سے جدا ہونا ہے۔ ہماری استدعا ہے کہ آپ اگر مناسب تصور کریں تو الہ آباد کو اپنا وطن بنالیں تاکہ ہم کو شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملتا رہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ قادر مطلق آپ کی عمر میں برکت دے اور آپ ہمیشہ تندرست اور خوش رہیں ؎

این دعا از من و ز جملہ جہاں آمین باد

معروضہ ۲۸ر جولائی ۱۸۹۶ء

ہم ہیں آپکے فرماں بردار شاگرد
طلباء گورنمنٹ ہائی اسکول الہ آباد

---

(۴۴) درخواست معافی فیس

بخدمت جناب پرنسپل صاحب مہاراجہ کالج بردوان۔

جناب عالی۔ گزارش ہے کہ میں نے کلکتہ مدرسہ سے امسال انٹرنس کا امتحان پاس کیا ہے اور اب آپ کے کالج کے فرسٹ ایر کلاس میں داخل ہونا چاہتا ہوں اور آپ کی اس نوازش کا خواستگار ہوں کہ میری فیس معاف کردی جائے۔ میرے سارٹیفکٹ تبادلہ کو ملاحظہ فرمانے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ میری فیس کلکتہ مدرسہ میں بھی معاف تھی۔ امید کہ میری درخواست منظور فرمائی جائے۔

میرے چند محسنوں نے چندہ جمع کرکے میرے لئے کتابوں کا انتظام کردیا ہے دو معزز شرفا کی تحریر پیش کرتا ہوں جس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ میں غریب

اور نادار ہوں اور اس سے آپ کی امداد اور دستگیری کا خواستگار ہوں

آپ کا تابعدار

برج موہن لعل

---

(۲۵) درخواست تعطیل تیوہار

بخدمت جناب ہیڈ ماسٹر صاحب سٹی ہائی اسکول علی گڑھ

جناب عالی - گزارش ہے کہ کل رتھ جاترا ہے اور گورنمنٹ ہائی اسکول اور سرکاری دفاتر میں تعطیل رہے گی - یہ ہمارا مذہبی تیوہار ہے اور اس میں شرکت ضروری ہے - اس لئے استدعا کی جاتی ہے کہ آپ بھی کل رتھ جاترا کی تعطیل ہم ہندو طلبا کو مرحمت فرمائیں -

۱۰ر اکتوبر سنہ ۲۸ء

آپ کے فرماں بردار شاگرد

ہندو طلبا سٹی ہائی اسکول علی گڑھ

---

(۲۶) درخواست عدم شرکت امتحان

بخدمت جناب پرنسپل صاحب کایستھ پاٹھشالہ الہ آباد

جناب عالی - گزارش ہے کہ یکایک بخار میں مبتلا ہو جانے کے باعث میں امتحان جانچ میں جو کل ہونے والا ہے شریک نہ ہو سکوں گا - میرے معالج ڈاکٹر کی رائے ہے کہ تندرست ہونے میں دو ہفتے لگیں گے -

ماہواری امتحان میں جو نمبر میں نے حاصل کئے ہیں اُن کو ملاحظہ فرمانے سے

آپ کو میری تعلیمی حالت کی جانب سے اطمینان ہو سکتا ہے۔ آپ کی نوازش سے امید ہے کہ میرے نتیجہ امتحان ماہواری کو مد نظر رکھکر اور اس وقت بوجہ علالت امتحان جانچ میں شرکت سے معذوری کا خیال فرماکر آپ مجھکو انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں شریک ہونے کی اجازت دے دیں گے۔

چونکہ اس وقت بخار تیز ہے اور میں درخواست اپنے ہاتھ سے نہیں لکھ سکتا ہوں اس وجہ سے ایک مہربان سے لکھوا کر ارسال خدمت کرتا ہوں۔

جناب کی بندہ نوازی سے امید ہے کہ میری درخواست منظور فرماکر آپ میری غیر حاضری معاف فرمائیں گے۔

آپ کا مودب شاگرد

چندر موہن مکرجی

مورخہ ۴ نومبر ۱۸۹۹ء

---

(۲۷) درخواست تبدیل اوقات مدرسہ

بخدمت جناب پرنسپل صاحب مدرستہ العلوم علی گڑھ

جناب عالی - گزارش ہے کہ اب گرمی زیادہ پڑنے لگی ہے اور ۱۰ بجے کے بعد موسمی حدت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے جس سے طلبا اور اساتذہ دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اور کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے التماس ہے کہ وقت تبدیل کر دیا جائے اور صبح کے ۶ بجے سے کالج شروع ہونے کا حکم نافذ فرما دیا جائے۔

اس درخواست کے منظور ہو جانے کی توقع پر ہم آپ کی نوازش کا

شکریہ ادا کرتے ہیں۔

آپ کے فرزند -
طلباء مدرسہ ...
...

دوستوں کے نام خطوط

ہدایت:- خط لکھنے کے وقت یہ تصور کرو کہ تمہارا دوست تمہارے پاس بیٹھا ہے اور تم اس سے بات کر رہے ہو۔ جو کچھ تم اپنے دوست سے کہنا چاہتے ہو اسے خط میں تحریر کرو۔ مضمون خط تمہارے خیال کا خاکہ ہونا چاہیے۔

(۲۸) خط بغرض شرکت سیر وکٹوریہ پارک

مکرمی آغا صاحب - کل صبح کو میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ وکٹوریہ پارک کی سیر کو جانے والا ہوں۔ آج کل صبح کو وہاں پر بڑا لطف رہتا ہے۔ موسم نہایت خوشگوار ہے اور شہر کے اکثر تعلیم یافتہ اور شوقین مزاج جن کو اپنی تندرستی عزیز ہے پارک میں بغرض سیر و تفریح تشریف لاتے ہیں اور آج کل پارک میں خرگوش بھی بکثرت ہیں جن کے شکار کا موقع مل سکتا ہے۔ اس لئے آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ علی الصباح بوقت ۶ بجے پارک میں تشریف لے آئیے۔

آپ کے تشریف لانے پر میں اپنے دوست مسٹر سعید الرحمن سے آپ کا

تعارف کراؤں گا۔ آپ اُن سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

آپ کا نیاز مند

فضل الرحمٰن

مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء

---

(۲۹) خط بشرکت جلسہ تفریح

مشفقی لالہ ہربنس لعل صاحب۔ میں آپ کے دعوت نامہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے والد صاحب قبلہ سے بھی اجازت حاصل کر لی ہے فی الحقیقت دریا پار کی سیر میں بڑا لطف آئے گا۔ آج مطلع صاف ہے۔ ایشور کرے پرسوں بھی موسم ایسا ہی خوش گوار ہو جیسا کہ آج ہے۔ اور مطلع صاف رہے۔ آپ اطمینان فرمائیے میں ٹھیک ۸ بجے تک روانگی کے لئے تیار ہو جاؤں گا۔

آپ کا مخلص

برج بھوشن

مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۲۵ء

---

(۳۰) خط بابت شرکت جلسہ سیر و تفریح

محبی مسٹر بشیر۔ ۱۵ ماہ حال کو ہم لوگوں کا ارادہ نزو دیا بغرض سیر و تفریح جانے کا ہے۔ صبح کے ۵ بجے کی ٹرین سے روانگی ہوگی۔ اپنا ہارمونیم ضرور لائیے گا۔ مسٹر فیض اللہ نے اپنا طبلہ لانے کا وعدہ کیا ہے۔ بڑا لطف رہے گا۔ میں اس امر کا آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ ہمارے ساتھ صرف

[illegible] تشریف لائیں گے۔ امید ہے کہ آپ ضرور شرکت فرمائیں گے۔
میرے بھائی نے [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۴۱) خط بابت منظوری دعوت

محب قلبی مسٹر عزیز۔ آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا۔ میں آپ کی دعوت کو بخوشی منظور کرتا ہوں۔ ہمارا امتحان ماہ رواں ۲۰ اپریل کو ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد تعطیل کے ایام بے فکری سے گزار سکتا ہوں۔ ۳ سال بعد آپ سے ملاقات ہونا دلی مسرت کا موجب ہوگا۔ سیر و تفریح اور تبدیل آب و ہوا سے غالباً میری تندرستی پر بھی عمدہ اثر پڑے گا۔

میں ۲۵ اپریل کو مالدہ ایکسپریس سے روانہ ہوں گا۔ اسٹیشن پر اپنی موٹر کار بھیج دیجئے گا۔

نیاز کیش

عماد الدین

مورخہ ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء

(۴۲) خط نامنظوری دعوت

محب قلبی مسٹر عزیز۔ آپ نے درگا پوجا کی تعطیل میں آنے کی دعوت دی ہے۔ کلکتہ کی تنگ گلیوں سے نکل کر کشادہ مقامات پر رہنا میرے

لئے بسا غنیمت ہے لیکن میں نہایت افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ اس تعطیل کے بعد میرا ششماہی امتحان ہونے والا ہے اور اس کے لئے تیاری کرنا ضروری ہے۔ مجھکو اپنی کمزوری کا پورا علم اور احساس ہے اگر میں اس تعطیل میں محنت کروں گا اور اپنا سارا وقت لکھنے پڑھنے میں صرف کروں گا تو بہت ممکن ہے کہ میں امتحان میں پاس ہونے کے لائق نمبر حاصل کرسکوں۔ اس مجبوری کے باعث میں حاضر ہونے سے معذور رہونگا امید کہ آپ میری مجبوری اور معذوری کا لحاظ فرماکر میری معذرت کو قبول فرمائیں گے۔

اخلاص کیش

عماد الدین

---

(۴۳) کامیابی امتحان انٹرنس پر مبارک باد

مکرمی مسٹر نذیر۔ کل گزٹ میں انٹرنس کا نتیجہ شائع ہوگیا اور یہ معلوم کرکے دلی مسرت ہوئی کہ آپ ناموری کے ساتھ کامیاب ہوئے اور وظیفہ پانے کے مستحق ہو گئے۔ میں تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھئے اور یہاں مدرسۃ العلوم میں فرسٹ ایر میں داخل ہو جائیے۔ ہمارا کالج ہندوستان میں مسلمانوں کی واحد مرکزی درس گاہ ہے۔ ہمارے پروفیسر صاحبان نہایت قابل اور ہمدرد ہیں۔ علاوہ تعلیم کے یہ درس گاہ مذہبی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے لئے کافی شہرت حاصل کرچکی ہے۔ ہندوستان کے ہر حصے سے

مسلمان طلبہ یہاں آتے ہیں اور آپ چند سال سے ایران، مصر، بغداد اور
افغانستان سے بھی مسلمان طلبا آ کر داخل ہونے لگے ہیں۔ امید ہے کہ
میری اس تجویز کو آپ کے والدین بھی پسند فرمائیں گے۔ اپنے ارادے سے
مطلع فرمائیے گا۔

نیاز مند

ظہور احمد

۲۵ جنوری سنہ ء

(۴۳) خط میں ایک خاص واقعہ کا بیان

مہربانِ من۔ آپ مجھ سے ہر ایک خط میں اصرار کیا کرتے ہیں کہ اسکول کے
خاص خاص واقعات سے آپ کو اطلاع دیا کروں۔ کل کا واقعہ ضرور قابل
تذکرہ ہے اور دو دوستوں کے درمیان شریفانہ برتاؤ کی ایک قابل قدر مثال
ہے۔ ہمارے اسکول کے درجہ نہم میں نذیر اور بشیر دو طالب علم ہیں۔ دونوں
میں بے حد دوستی ہے اور دونوں بلا کے تیز اور ذہین ہیں۔ کل تقسیم انعام کا
جلسہ تھا۔ جناب ڈاکٹر جہا صاحب وائس چانسلر الہ آباد یونیورسٹی نے صدارت
قبول فرما کر اپنے دست مبارک سے انعام تقسیم کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ
جلسہ منعقد ہوا اور ڈاکٹر جہا صاحب نے کرسی صدارت کو زینت بخشی۔ درجہ نہم کا
یہ نتیجہ تھا کہ نذیر اور بشیر دونوں کو ۴۸۹ نمبر ملے تھے اور ہیڈ ماسٹر صاحب
یہ طے نہ کر سکے کہ اول کس کو قرار دیا جائے۔

صاحب صدر نے فرمایا کہ دونوں کے نمبر برابر ہیں اس لئے میں ۳-۴
زبانی سوالات کروں گا اور ان کے جوابات سے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ نمبر
اول کا انعام کس کو دیا جائے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ دونوں طلبا سے بھی دریافت فرمالیجے کہ وہ اس تجویز پر رضامند ہیں۔

بشیر تو ایک متحمل فراخ لڑکا تھا وہ رضامند ہوگیا لیکن نذیر کے چہرہ سے گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے مگر بادل ناخواستہ اس نے بھی رضامندی ظاہر کردی۔

صاحب صدر نے بشیر سے دریافت کیا کہ تم South Sea کی تاریخ بتا سکتے ہو۔

بشیر نے عرض کیا ۱۶۲۰ء

پھر نذیر سے دریافت کیا گیا اس نے ۱۸۲۰ء بتایا۔

صاحب صدر نے دوسرا سوال کیا کہ لندن کی بڑی وبا کی تاریخ کیا ہے

نذیر۔ ۱۵۵۵ء

بشیر۔ ۱۴۴۴ء

اس کے بعد ہیڈ ماسٹر صاحب نے صدر صاحب کے کان میں کچھ کہدیا اور وہ سمجھ گئے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔

صاحب صدر نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھکو ایسے سوالات نہیں کرنا چاہیئے تھے۔ اب معلوم ہوگیا۔ اصل شرافت یہی ہے کہ ناجائز فائدہ اٹھانے سے باز رہے اور حق دوستی اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے دوست کو کسی عنوان سے نقصان نہ پہونچنے دے۔ یہ دونوں لڑکے اول نمبر کا انعام پانے کے مستحق ہیں۔ انعام کے دوسرے سیٹ کی قیمت میں اپنی جیب سے ادا کروں گا چنانچہ دونوں لڑکوں کو اول نمبر کا انعام عطا فرمایا۔

۱۰ ار نومبر ۱۹۲۸ء   آپ کا صادق ۔ فہیم الدین

(۵) خط بابت انتخاب پیشہ

شفیق من - چند مہینوں کے بعد آپ کی تحریر شریف موصول ہو کر باعث شادمانی ہوئی تھی۔ میں امتحان میں مصروف تھا۔ اب فرصت ملی ہے تو آج جواب تحریر کرتا ہوں تاخیر کو معاف فرمائیے گا۔ آپ کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ مجھ کو ابھی سے پیشے کا تعین کر لینا چاہیئے۔ اب یہ بات کہ کون سا پیشہ اختیار کیا جائے۔ اس خط میں اپنا خیال ظاہر کرتا ہوں۔ آج کل تعلیم دن بدن ارزاں ہو گئی ہے اگر ہر ایک گریجویٹ وکیل بن جائے پھر موکل کہاں سے آئیں۔ سرکاری ملازمت کا دروازہ بھی بند ہو گیا ہے اور ایک انار صد بیمار کا معاملہ ہے۔ ہر سال ہزاروں گریجویٹ نکلتے ہیں اور نوکریاں محدود ہیں۔ اس لئے اب دو معزز پیشے اور رہ جاتے ہیں۔ اوّل انجنیری۔ دوسرے ڈاکٹری۔ میں ریاضی میں کمزور ہوں اس لئے انجنیری کا امتحان پاس کرنا سخت دشوار ہے۔ اب میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ گریجویٹ ہو کر میں کسی میڈیکل کالج میں داخل ہو جاؤں۔

ڈاکٹری کا پیشہ نہایت معزز ہے اور سند یافتہ ڈاکٹر ابھی بہت کم ہیں۔ آمدنی بھی معقول ہوتی ہے۔ علاوہ بریں خلق اللہ کی خدمت کرنے کا بھی اس پیشہ میں بہت موقع ملتا ہے۔ میں نے ذاتی رائے ظاہر کر دی۔ اب بطور مشورہ آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا میرا خیال درست ہے اور میری اس تجویز کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

امید کہ جواب باصواب جلد مرحمت ہوگا۔

نیازمند
محسن علی

۱۴ر دسمبر سنہ ۳۰ء

(۳۶) خط ماتم پرسی

محب قلبی - اس خط کے ترسیل میں قصداً میں نے تاخیر کی ہے ایک ہفتہ ہوا کہ میں نے آپ کے فرزند کے ارتحال کی خبر سنی تھی لیکن اس وقت عریضہ ارسال اس وجہ سے نہیں کیا کہ آپ کے تازہ زخم کو ادر ٹھیس لگتی حقیقت یہ ہے کہ ؎

یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

اس حادثہ کی اطلاع سے کیا عرض کروں کہ نہ صرف مجھکو بلکہ سارے گھر کو کس درجہ ملال اور افسوس ہے - آپ کا بچہ نہ صرف صورت شکل میں پیارا بلکہ نہایت ہوشیار اور تیز تھا - لیکن مرضی مولا از ہمہ اولی - مالک کی یہی مرضی تھی - غور کیجئے کہ آپ کا کیا تھا - وہ ایک امانت خداوندی تھی جو ایک میعاد معینہ تک آپ کے پاس رکھی گئی تھی مشیت ایزدی میں مجال دم زدن نہیں - بھائی صبر کیجئے کیونکہ ان اللہ مع الصابرین - میں قادر ذوالجلال کے حضور میں دست بدعا ہوں کہ مرحوم کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے - آمین

نیاز مند - ہاشم علی

۴ر جنوری ۲۵ء

---

(۳۷) دعوت نامہ شرکت تقسیم انعامات

مکرم بندہ - تسلیم - ہمارے اسکول میں ۱۲ر نومبر ۳۳ء کو تقسیم انعامات کا سالانہ جلسہ بوقت ۱۰ بجے دن منعقد ہوگا - امید کہ آپ اس جلسہ میں شرکت

فرمائیں گے کہ ہم کو ممنون فرمائیں گے۔

آنریبل سر نواب محمد مزمل اللہ خاں صاحب بہادر نے اپنے دست مبارک سے انعامات تقسیم کرنا منظور فرمایا ہے۔

خاکسار

محمد زبیر
ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی اسکول علی گڑھ
مورخہ ۴ نومبر ۳۲ء

---

(۳۸) درخواست ملازمت

بخدمت جناب لالہ ہربنس رائے صاحب رئیس مظفرپور

غریب پرور سلامت

اخبار انگلشمین مورخہ ۲۰ اکتوبر میں دیکھا کہ آپ کو اپنے دفتر کے لئے ایک کلرک کی ضرورت ہے۔ اس لئے درخواست ہذا آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

میں نے انٹرنس پاس کیا ہے اور ۲ سال تک کلکتہ کے دیگر دفاتر میں کام کیا ہے۔ نقول اسناد منسلک کرتا ہوں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں دفتر کے کام سے بخوبی واقف ہوں اور میں نے ہمیشہ اپنا کام نہایت دیانت داری اور جفاکشی سے انجام دیا ہے۔

الملتمس

مدن گوپال، مورخہ ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء

(۳۹) درخواست ملازمت

بخدمت جناب ٹریفک سپرنٹنڈنٹ صاحب ای۔ آئی۔ آر۔ الہ آباد

جناب عالی۔ گزارش ہے کہ:

اخبار لیڈر مورخہ ۲۰ مارچ سے معلوم ہوا کہ آپ کے دفتر میں کئی کلرکوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں اپنے کو بطور امیدوار کے پیش کرتا ہوں۔

میری عمر ۲۱ سال کی ہے۔ میں نے امسال انگریزی مڈل کا امتحان پاس کیا ہے۔ اگرچہ مجھکو کلرکی کے کام کا تجربہ نہیں ہے۔ لیکن میری درخواست سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں خوش خط ہوں اور حساب کتاب کے کام سے بخوبی واقف ہوں۔

اپنے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کا سارٹیفکٹ منسلک کرتا ہوں جس سے میرے چال وچلن کا حال آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

فدوی

گوپال نراین

مورخہ ۲۴ مارچ ۳۲ء

(۴۰) درخواست برائے عہدہ نائب تحصیلداری

بحضور جناب سکرٹری صاحب بہادر بورڈ مال

الہ آباد

جناب عالی۔ گزارش ہے کہ فدوی کو معلوم ہوا کہ قحط سالی کے انتظام کے لئے آپ کو چند نائب تحصیلداروں کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں اپنے کو

عہدۂ نائب تحصیلداری کے واسطے بطور اُمیدوار کے پیش کرتا ہوں۔
اپنی قابلیت کے متعلق عرض ہے کہ میں نے [illegible] میں امتحان انٹرمیڈیٹ
الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیا ہے اور چند روز سے کچہری ہذا میں بطور امیدوار
کے کام کر رہا ہوں۔ میرے والد الٰہ آباد کے ایک موروثی زمیندار ہیں
نقول اسناد درخواست ہذا میں منسلک کرتا ہوں۔

حضور کا فرمانبردار۔
لال بہادر
مورخہ ۱۵ مئی ۱۸۹۵ء

(۴۱) استعفا بوجہ علالت

جناب عالی۔ گزارش ہے کہ میں عرصہ ۸ ماہ سے مسلسل بیمار ہوں اور
زیست سے مایوس ہوگیا ہوں۔ اس لئے نہایت افسوس کے ساتھ مجبوراً
اپنی جگہ سے مستعفی ہوتا ہوں۔ اُمید کہ آپ میرا استعفا منظور فرما کر مجھکو سند
کارگزاری و نیک چلنی عطا فرمادیں گے۔

آپ کا تابعدار
ماتا دین - محرر اول کچہری تحصیل آنولہ
مورخہ ۱۰ جون ۱۸۹۷ء

خطوط کاروبار تجارت

تجارتی خطوط کا مضمون مختصر، عبارت صاف اور خوش خط ہو تاکہ مکتوب الیہ کو اُس کے پڑھنے اور سمجھنے میں وقت نہ ہو۔ علاوہ بریں اشیاء مطلوبہ کے متعلق ضروری ہدایتیں درج کر دی جائیں۔

(۴۳) بطلب کتب

بخدمت جناب منیجر صاحب ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

جناب من۔ مہربانی فرما کر خزینہ معلومات ۴ جلد، مرقع ادب ۲ جلد، مخزن ادب ۲ جلد بذریعہ وی پی پیکٹ جلد روانہ کر دیجئے۔ وی پی موصول ہونے پر فوراً روپیہ دے دیا جائے گا۔

خاکسار
فرحت اللہ ہیڈ ماسٹر
اسلامیہ اسکول فیض آباد
مورخہ ۲۰ راگست ۱۹۲۷ء

(۴۴) خط بابت واپسی کتب

بخدمت جناب منیجر صاحب بہار گو بک ڈپو الہ آباد

مہربان من۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ لکھتا ہوں کہ آپ کی بکڈپو سے

بڑی بے پروائی سے کام ہوتا ہے کہ آپ نے شرح سیٹزن آف انڈیا کی ۱۰ جلدیں
اور میں ٹینس مؤلفہ جے این تین کی ۲ جلدیں طلب کی تھیں مگر آپ نے دوسرے
مؤلف کی کتابیں بھیجدی ہیں۔ اب سے آپ کی مرسلہ کتابیں واپس کی جاتی
ہیں اگر آپ میری فرمائش کی تعمیل نہیں کر سکتے تو میرا روپیہ واپس کر دیجئے اور
اگر آپکے اہلکاران کی غفلت سے یہ غلطی ہوئی ہے تو مطلوبہ کتابیں روانہ کر دیجئے
اگر آپ کے یہاں مطلوبہ کتابیں موجود نہ تھیں تو آپ کو چاہیئے تھا کہ مجھے لکھتے
یہاں یہ کتابیں موجود نہیں ہیں اس وجہ سے فرمائش کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔
آپ کی یہ حرکت کاروبار کے لحاظ سے بہت زیادہ قابل اعتراض ہے۔

راقم

پربھو دیال۔ جھانسی

مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۲۸ء

(۴۴) خط بابت خریداری اخبار

بخدمت جناب منیجر صاحب اخبار علی گڑھ گزٹ علی گڑھ

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

مبلغ سے روپیہ چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کئے جاتے ہیں
میرے نام اخبار جاری کر دیجئے اور میرا نام خریداران اخبار کے رجسٹر میں
درج فرما لیجئے۔ امید کہ آپ پابندی کے ساتھ اپنا اخبار ایک سال تک
بھیجتے رہیں گے۔

نیازمند
محمد عمر (علیگ) تحصیلدار
آشٹہ۔ ریاست بھوپال

مورخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء

(۴۵) خط بابت شکایت مال موصولہ

بخدمت جناب بابو گجادھر پرشاد صاحب الہ آباد

مہربان من۔ مجھکو افسوس ہو کہ آپ کے مرسلہ مال کی بابت مجھکو شکایت کرنا پڑی۔ آپ نے ایسی بے پروائی سے پیکنگ کیا ہو کہ راستہ میں بہت سا مال آپس میں ٹکرا جانے سے خراب ہو گیا۔ میں اس مال کو بحالت موجودہ نہیں فروخت کر سکتا ہوں۔ اس کے بجائے عمدہ مال احتیاط کے ساتھ بھیجئے یہ مال واپس کر دیا جائے گا۔ اگر آئندہ کے لئے آپ میرا یہ اطمینان کر دیں کہ کبھی پیکنگ میں ایسی بے پروائی اور غفلت نہیں کی جائے گی جس سے مال خراب ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تب آپ سے خریداری کا معاملہ جاری رہ سکے گا۔ ورنہ مجبوراً کسی دوسری کوٹھی سے معاملہ کرنا پڑے گا۔

راقم

رام چند، اگرسین پنساریان بلند شہر

مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۸۹۴ء

(۴۶) جواب خط

بخدمت رام چند اگرسین، بلند شہر

بجواب چٹھی نمبر (۴۸) گزارش ہے کہ مجھکو سخت افسوس اور حیرت ہے کہ مرسلہ مال راستہ میں خراب ہو گیا۔ آپ اس کو واپس کر دیجئے اور اس کی واپسی کا خرچہ ہمارے حساب میں درج کر دیجئے۔ اس کی بجائے دوسرا مال پوری احتیاط کے ساتھ بھیجا جائے گا۔ یہ پہلی غلطی ہے۔ براہ نوازش اس کو

معاف کر دیجئے۔ آئندہ کبھی آپ کو اس قسم کی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ اُمید کہ آپ بدستور ہمارے یہاں سے مال طلب فرماتے رہیں گے اور کسی دوسری کوٹھی سے معاملہ کرنے کا خیال ترک کردیں گے۔

نیاز مند

گنگا دھر پرشاد۔ الہ آباد

۔۔ ستمبر ۱۸۹۷ء

---

(۴۷) خط بطلب ڈاکٹر

بخدمت جناب ڈاکٹر زنجین محمد صاحب مصر علی گڑھ

کرم و محترم تسلیم۔ ۲ روز سے مجھ کو بخار آنے لگا ہے۔ براہ کرم آج کسی وقت تشریف لاکر مجھ کو دیکھ لیجئے اور حامل رقعہ ہذا سے فرما دیجئے کہ وہ کس وقت سواری لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔

خاکسار

عبدالکریم۔ مانک چوک

۸ ر فروری ۱۹۳۴ء

---

(۴۸) کمیشن پر مال فروخت کرنے کی بابت

بخدمت جناب منیجر صاحب جانسن کمپنی، علی گڑھ

جناب من۔ اس سے قبل جو آرڈر میں روانہ کرتا رہا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ میں یہاں پر عمدہ طور پر کاروبار تجارت کرتا ہوں اب توقع ہے کہ آپ کا مال اس شہر میں زیادہ تعداد میں فروخت ہو سکے۔

سردست میرے پاس کافی سرمایہ نہیں ہے کہ میں نقد روپیہ ادا کر سکوں۔ گزشتہ ۶ سال سے میں آپ کا مستقل گاہک ہوں اور آپ کو میرے معاملہ کی صفائی کا غالباً پورا اطمینان ہو گیا ہوگا۔ لیکن اگر آپ کو مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو میں ضمانت دینے کو تیار ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں آپ کا مال کمیشن پر فروخت کروں۔ اُمید کہ آپ میری اس درخواست کو منظور فرما کر جلد اطلاع دیں گے۔ فقط

نیازمند

مرلی منوہر سوداگر اردلی بازار بنارس

مورخہ ۳۰ رجون ۱۹۶۲ء

---

(۴۹) حسابات طے کرنے کی بابت

بخدمت بابو سٹرول صاحب بزاز، کان پور

جناب من۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ وقت پر حساب بیباق کر دیا جائے گا اس وجہ سے ہم نے تقاضا نہیں کیا۔ اب بذریعہ اس تحریر کے یاددہانی کی جاتی ہے کہ آخر جون تک کا حساب طے کر کے بیباق کر دیجئے۔ اُمید کہ اس کا جواب آپ جلد دیں گے تاکہ ہم آپ کا حساب تیار کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ فقط

آپ کے نیازمند

ہنومان دہا بیر۔ چاندنی چوک، دہلی

۲۰ رجولائی ۱۹۶۵ء

---

(۵۰) بابت بیباقی حساب

بخدمت منیجر صاحب نیشنل بک ہاؤس

سول لائن - علی گڑھ

مہربان بندہ - مجھکو افسوس ہے کہ بوجہ بڑی بھاری ناداری کے باعث آپ کا روپیہ وقت پر ادا نہ ہو سکا - مبلغ دس عے کا منی آرڈر بابت بیباقی حساب روانہ کرتا ہوں - براہ نوازش حسابات کی بیباقی کی رسید بابت حساب جلد روانہ فرما دیجیے -

خاکسار

رام نرائن لال بک سیلر - الہ آباد

۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء

---

(۵۱) شادی میں شرکت کا خط

مکرم و محترم زاد لطفہ - بحمد اللہ نور نظر نسیم الٰہی سلمہ کی شادی خانہ آبادی کی تاریخ مقرر ہوگئی ہے - ۱۰ فروری کو یہاں سے بارات مارہرہ جانے گی ۱۱ فروری کو صبح کے وقت نکاح اور شام کو رخصت ہوگی اور ۱۲ فروری کو بعد رسم چوتھی بارات یہاں واپس آئے گی - ۱۳ فروری کو دعوت ولیمہ ہوگی چونکہ اعزہ و احباب کی شرکت ہی سے شادی حقیقی معنوں میں شادی ہوتی ہے - اس لئے مستدعی ہوں کہ براہ نوازش تشریف لائیے شادی کی جملہ تقاریب میں شرکت فرما کر خاکسار کو رہین منت فرمائیے -

خاکسار عبدالحکیم - علی گڑھ

(۵۳) رقعہ دعوت ولیمہ

۷۸۶

بہ تقریب

نو عروسی

نسیم الہی سلمہ

دعوت ولیمہ میں

بتاریخ ۱۰ فروری سنہ ۱۹۳۱ء

بوقت نو بجے صبح

جناب کی شرکت کا

متمنی

عبدالحکیم ـ علی گڑھ

ہندوستان کے مشہور ادیبوں

اور

انشا پردازوں کے خطوط

(۵۳) مولانا غلام امام شہید

(رقعہ تہنیت، تعزیت آمیز)

مجموعۂ انشائے شیریں زبانی دیباچہ کتاب سخن معانی زاد حشمتہ۔

قبلہ بعد مراتب اشتیاق و آرزومندی کے تعزیت کے مضمون سے آنسو بہتا ہے اور کچھ خوشی میں آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے۔ زمانے میں خوشی و غم دونوں کا چولی اور دامن کا ساتھ ہے اور دنیا میں دھوپ چھاؤں کی طرح شادی کے ہاتھ میں ماتم کا ہاتھ ہے۔ دو پھول ایک ہی شاخ میں پھوٹتے ہیں۔ ایک دولہا دلہن کے سہرے کے کام آتا ہے دوسرا میت کی تربت پر چڑھایا جاتا ہے۔ دو موتی ایک سیپ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بادشاہ کے تاج میں ٹانکتے ہیں دوسرے کو کھرل میں پیس کر دوا میں ملاتے ہیں۔ ایک ہی کافور سے دو شمعیں بنتی ہیں ایک محفل سرور کے کام آتی ہے دوسری مردے کے مزار پر جلائی جاتی ہے۔ چمن سے کلی اگر کھل کھلا کر ہنستی ہے شبنم بے اختیار اس کے ہنسنے پر روتی ہے۔ جس باغ میں خزاں ہو وہاں بہار بھی ہے اور جہاں گل ہو وہاں خار بھی۔

بادام کے پوست اور مغز کو دیکھئے کہ نرمی اور سختی ایک ہی جگہ موجود ہے
برف کو سوچئے تو گرمی اور سردی اس کے ساتھ ہی موجود ہے۔ سُرخی
اور زردی گلِ رعنا کی دلیل ہے، تقدیر نے اگر صبح کو لباس سفید خوشی کا
پہنایا تو شام کے واسطے جامۂ سیاہ ماتم بنایا۔
حاصل یہ کہ آپ کے والد ماجد نے عین عید کے دن انتقال فرمایا
گویا اسی گردشِ لیل و نہار کی خزاں و بہار کا تماشا دکھایا اور اس غم نے
جتنا ڈرایا تھا۔ آپ کی شادی نے اتنا ہی ہنسایا۔ اس افسوس میں آسمان
ہمہ ماتمی لباس پہنے نظر آیا تو شفق کی سُرخی نے ذہن خوشی کا رنگ بھی
دکھایا، رنج میں دو ہتّڑ جو پہلے منھ پر مارا تھا تو پھر خوشی میں وہی دونوں
ہاتھ اُٹھا کر یوں دعا مانگی کہ خدا اس مرحوم کو جنت نصیب کرے اور آپ
سلامت رہیں اور یہ شادی مبارک ہو۔ بندہ بھی ادائے رسم فاتحہ خوانی
و شرکتِ محفلِ شادمانی کے واسطے ضرور حاضر ہوگا۔ زیادہ والسلام
مشتہید

(۵۴) مرزا رجب علی بیگ سرور

رقعۂ دعوتِ شادی

اس سال نیا ساز و سامان ہے، ہولی، شب برات، بہار سے دست و
گریبان ہے، باغبان ازل دفینۂ چمن نکالے گا، بوٹا، پتّا جوبن نکالے گا
نسیم سحر غنچوں کی گانٹھ ٹٹولنے لگی۔ عبیر اور گلال گرہ سے کھولنے لگی

تختۂ لالہ چمن ہائے کا دشتِ سنگ دکھاتا ہے، نہروں میں فوارہ پچکاری کا رنگ دکھاتا ہے۔ کوسوں تک سبزۂ مخمل کا فرش بچھا ہے۔ شادابی روح افزا ہے۔ پتہ پتہ گوشِ زمرد کا پتا دیتا ہے۔ شبنم کا قطرہ گوہرِ بے بہا کا آویزہ ہے۔ گود میں کیف دری کی جھنکار باغ میں بلبل کا نالہ ہے۔ صحنِ گلزار میں سبزے نے سر نکالا ہے۔ جس نظم ترتیب میں شاخ کا دستہ ہو تو قدرت نے میرے شفیق نے نظمِ گلدستہ کی اس گلشن ایجاد میں کیا نمونہ قدرت پیدا کر دکھایا ہے کہ زینت زمین دوبالا ہو رہی ہے۔ اگر شاخ سے کوئی پتی مرجھا کر ٹوٹتی ہے تو برابر میں کوئی کلی چٹکتی ہے گل کی ہنسی پہ گریۂ شبنم ہے کہ مدت یہاں بہت کم ہے۔ زینتِ گلشن کو زمزمۂ فرصت غنیمت جان کر ان خیالوں سے درگزرے تو امر ضروری ہوا کہ گر گزرے۔ لہٰذا صدر نشینانِ بزمِ طرب و سرورِ انجمن آرایانِ عیش و شادی و سروری خدمت میں امیدوار ہوں کہ از راہِ دوستانہ بے عذر و بے بہانہ رونق بخش جلسۂ احباب ہوں۔ خاکسار رہینِ منت ہوگا۔

رجب علی بیگ سرورؔ

(۵۵) منشی غلام غوث بیخبرؔ

مولانا غلام امام شہید کے نام

قبلہ میری شوخی دیکھیے! یوسف کو آئینہ دکھاتا ہوں، خورشید کو روشنی کی حکایت سناتا ہوں۔ گلزار میں پھول لے جاتا ہوں، ختن میں مشک کے تحفے بھیجتا ہوں، دریا کے سامنے روانی کے معانی بیان کر رہا ہوں چاند

روبرو نور افشانی کا دعویٰ کرتا ہوں، لعل کے حضور میں رنگ کی دکان
کھولتا ہوں، قند کے مقابلہ میں شیرینی تولتا ہوں، مسیحا سے کہتا ہوں
جاں بخشی کی روایت سنئے، موسیٰ سے تمنا کرتا ہوں کہ ید بیضا کی چمک
دیکھئے، یعنی حضرت کا دیوان مرتب کرکے آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں،
میرے لیے اس کے دیباچے لکھنے کا ارادہ کرنا ایسا تھا جیسے ایک فقیر شاہی
خزانوں کے اہتمام کا قصد کرے۔ ایک شیشہ گر پتھر اٹھانے کی آرزو میں مرے
اندھا چاہتا ہے کہ قدرت کے نظارے سے حظ اٹھائے۔ گونگا چاہتا ہے کہ فصاحت کا
سکہ بٹھائے۔ مگر چونکہ غلبۂ شوق میں تمیز باقی نہیں رہتی یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں
کیا ہوں اور کیا کرتا ہوں، دیباچہ بھی لکھ ڈالا، وہ اس کے قابل تو کاہے کو
ہے آپ کے دیوان پر میرا دیباچہ ایسا ہے جیسا موتی کی لڑی میں سنگریزہ
کا آویزہ لگا ہو، یا زربفت کے قبا میں چھینٹ کا حاشیہ ٹکا ہو، مانی کی تصویر
کے گرد ایک نوشتہ لکیر بنا دے۔ سحبان کے کلام کی ایک ابجد خواں
شرح لکھا دے۔ مگر اس نظر سے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، بدصورت کے
مقابلہ میں حسین کے حسن کو اور رونق ہوتی ہے۔ شب تار میں شمع کی روشنی
زیادہ ضیا دیتی ہے۔ کھاری پانی پینے کے بعد قند کے شربت میں اور ہی
مزا آتا ہے۔ صحرا نوردی کے بعد باغ کا لطف کہا نہیں جاتا ہے۔ خاطر مشکل پسند
پسند کرے تو ہو سکتا ہے۔ بے شک دیکھنے والوں کو اس کی برائی آپ کی
خوبی زیادہ دکھا دے گی۔ ستارہ دیکھ کے چاند دیکھئے اسے روشنی
زیادہ نظر آئے گی۔ میری خوش طالعی ہے اگر یہ قبول ہو، اس کے لیے شرف
ہے اگر دیوان میں داخل ہونے کی عزت اسے حصول ہو۔

بیخبر

غالب دہلوی کے خطوط

(۶۵) بنام اخگر مرزاپوری

قبلہ حاجات - میرا حال کیا پوچھتے ہو - زندہ تو ہوں مگر زندگی سے بدتر
ہو رہی ہے میری - اب آنکھوں سے معذور ہو گئے - بہرا تو تھا ہی
بہرا ہے - مگر بہرا ہو گیا ہوں - اب وہاں سفر آخرت کے واسطے کسی سفر کی
نہ مجھ میں طاقت ہے نہ جرأت - بجز اس کے ہوتا تو جب سے ہو سکتا
طلب گار رہتا - بوڑھا ہوں تو دعائے مغفرت کا خواہاں ہوں سے

دم واپسیں بر سر راہ ہے ☆ عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

سچ تو یہ ہے کہ قوت ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا
طبیعت میں وہ فراست نہ وہ سودا کہاں - پچاس پچپن برس کی مشق کا
کچھ بقایا رہ گیا ہے اس سبب سے کلام میں گفتگو کرتا ہوں جو سچ بھی
نہیں ہے اس شعر کا مصداق ہوں سے

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب ☆ وہ عناصر میں اعتدال کہاں

حوادث زمانہ و عوارض جسمی سے نیم جان ہوں اس سرائے فانی میں
کچھ دنوں کا اور مہمان ہوں سے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ☆ ایک مرگ ناگہانی اور ہے

جب تک جیتا ہوں نامہ و پیام سے شاد، بعد میرے دعائے مغفرت سے
یاد فرماتے رہئے گا - سانس میری زبان پر مذکور ہے زندگی کا یہ مطلع ہے

سانس دیکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے ☆ اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

میرے لئے سند نہیں۔

بندہ پرور، لکھنؤ اور دہلی میں تذکیر و تانیث کا بہت اختلاف پایئے گا سانس میرے نزدیک مذکر ہے۔ لیکن اگر اہلِ لکھنؤ برخاست مونث کہیں تو میں اُن کو منع نہیں کروں گا۔ خود سانس کو مونث نہ کہوں گا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہیے کہیئے۔ مگر "جفا" کے مونث ہونے میں اہلِ لکھنؤ اور اہلِ دہلی کو اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا "جفا کیا"

چشم بد دور حضرت کی طبیعت نہایت اعلیٰ اور مناسب اس فن کے ہے اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھے۔

نجات کا طالب غالب

---

(۲)

(۵۷) بنام سید صاحب عالم صاحب مارہرہ

سید صاحب۔ آپ کا خط آیا۔ چوما چاٹا آنکھوں سے لگایا۔ آنکھیں ہی پھوٹیں جو ایک حرف بھی پڑھا ہو۔ تعویذ بنا کر تبرکاً کیسہ میں رکھ لیا ہے۔

مشتاقِ دیدار
غالب

(نوٹ) سید صاحب عالم صاحب نہایت بدخط تھے۔ آپ کا خط پڑھنا نہایت دشوار تھا۔

---

(۸۵) بنام مولوی ابراہیم خلیل

جناب منشی محمد ابراہیم صاحب خلیل تخلص، نائب مینہ بازاری
فیروزپور کو سلام۔ خط آیا، پشت پر جواب لکھتے ہیں۔ فرض کیجیے۔ جب
عبارت پڑھ کے چند سطریں اس کو اور نقل فرمائیے۔ جس شخص کا سو سو روپے
مہینے کا صرف ہو، اس کو دو چار روپے ماہوار کی تنخواہ کیا دینے
بدتر ہے۔ یا کوئی دکان داری یا اپنے بھائی کی دکان پر جا بیٹھے۔ بہرحال جب
آپ کی رائے کے زیر بار نہیں ہوتا اور آپ کا مجموعۂ اشعار بہر نہج بھیجا جاوے

عفو جرم کا طالب

غالب

جمعہ ۴ جنوری ۱۸۶۷ء

نوٹ۔ مولوی ابراہیم خلیل غالب مرحوم سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ایک
خط میں لکھتے ہیں (خلاصہ)

"بہرحال بملازمان گرامی زحمت اصلاح و ملاحظہ غزل دادن
علاوہ از خرچ محصول ڈاک آنچہ روانی نامہ ہا گردد زیر بار نمودن آنجناب
غیر از مزید تصدیع یا حیلہ تلمذ سخن دیگر کدام ....."

خط میں اسی کی طرف توجہ دلائی ہے۔

میر مہدی مجروح

(۵۹) نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب کے نام

قبلہ و کعبہ سلامت

بعد گزارش آداب عرض رسا ہوں۔ حضرت نیام بے شمشیر، کمان بے تیر، چشم بے تنویر، نغمہ بے تحریر، قالب بے جان، یعنی آپ کا بے خط کا عنوان پہنچا۔ جس قدر لفافہ سربستہ دیکھ کر دل کھلا تھا اتنا ہی کھول کر دل بند ہوا۔ ادھر پلٹا، ادھر ٹٹولا کچھ نہیں۔ خط اصلاح کو الٹا پلٹا۔ شاید کہیں ایک دو سطریں لکھی ہوں وہ بھی ندارد، یا اللہ یہ کیسا خط کہ خط ہے اور خط نہیں، یہ صورت حالِ غنی نہیں۔ میرن صاحب کہتے ہیں جناب مرزا صاحب کا خط دکھاؤ۔ میر اشرف علی کہتے ہیں مطلب سناؤ۔ جن کو اردو کا شوق ہے اُن سے کہتا ہوں فارسی خط ہے کیا مزا اٹھاؤ گے، جو فارسی کے خواہاں ہیں اُن سے کہتا ہوں اردو ہے؛ دیکھ کے کیا نفع پاؤ گے۔ واہ واہ حضرت خوب سخن کی۔ اب یہ فرمائیے کہ آپ نے واقعی ... خط نہیں لکھا یا لفافہ میں رکھنا فراموش کیا؟ شق اول آپ کے الطاف بزرگانہ سے بعید ہے کہ اتنی مدت کے بعد میرا عریضہ جائے اور ایسا شخص اس کے جواب میں دریغ فرمائے اور شق ثانی میں امیدوار کو منتظر اور نوازش نامہ کا بھیجئے اور جلد ارسال کیجیے۔ زیادہ اور کیا سمع خراشی کروں۔

فدوی

میر مہدی مجروح

صاحب کا خط نہیں آیا جس سے پیشی کی کچھ کیفیت معلوم ہوتی کہ سرکار دولت مدار نے توجہ سے ان سہروں کو ملاحظہ فرمایا یا نہیں۔ قسمت کمی کر رہی ہے اس کی امید کہاں کہ آپ کے سہروں کے سامنے میرے سہروں کے شعر نظر کیمیا اثر میں جچے ہوں۔ آپ کو کچھ کیفیت معلوم ہو تو آگاہ فرمائیے۔ سرکار کے ایسے نہ آنے سے مقصود یہ ہے کہ اس پر کوئی اثر حسب دل خواہ مرتب ہو۔

سراپا تقصیر۔ امیر فقیر
از رام پور

---

(۱۶۱) بنام بشیر احمد خاں صاحب ملیح آباد

مجی۔ سلام مسنون اخلاص و دعا مشمول۔ نامہ سعادت نے پہونچکر ممنون و مسرور کیا۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو صحت و عافیت دل خواہ کے ساتھ رکھے اور جملہ مکروہات سے مرتفع فرمائے۔

کسَر بفتحتین اُردو ہے اور اسی طرح مستعمل ہے جس طرح داغ نے کہا ہے
ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ تھوڑی ہی کسر باقی ہے۔ بے تکلف زبان ہے
اور کسْر بفتح اول و سکون ثانی عربی ہے جو بمعنی شکستن ہے جیسے کسر شان،
کسر نفس۔ وہ اس جگہ استعمال نہیں جس جگہ سے بحث کی گئی ہے اور
نہ اس کے معنی یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ بہرکیف کسَر اپنے مقام پر صحیح اور
بول چال میں داخل ہے۔

اس زمانہ میں میرا ارادہ براہ لکھنؤ و کانپور سفر کا ہے اگر خداوند تعالیٰ نے
ارادہ پورا کیا تو چاہتا ہوں کہ ملیح آباد کے اسٹیشن پر یا لکھنؤ میں آپ کے
دیدار فرخندہ آثار سے مسرور ہوں۔ تاریخ روانگی متعین ہو جانے پر آپ کو

مطلع کروں گا۔ حبیب تشنیہ گذ رہیں۔

امیر فقیہ

...پور

داغ دہلوی کے خطوط

(۶۲) بنام حضرت انجم نیشاپوری

اے میرے چاہنے والے میزبان۔ تیری دل سوزی کے قربان۔ مثنوی مطبوعہ ضرور خدمت میں پہونچے گی۔ اس کا فقرہ جس کو ہے اس کو ہے صاحبانِ اعتراض کیا جانیں۔ میں انسوں سے نہ امیدوار ستائش وصلہ نہ ان سے شکایت و گلہ۔ افسوس لکھنؤ بھی خالی ہو گیا۔
اے نا ندا ترس کبھی تو فرد و خیریت سے شاد فرما داغ کو اس قدر نہ ترسا۔ والسّلام

داغ دھلوی

(۶۳) بنام نواب سید بہادر حسین خاں انجم لکھنوی

شفیقی مکرمی سلمہ اللہ تعالیٰ۔
میں آپ کو نہیں بھولا۔ مگر دو خطوں کا جواب جب نہ ملا تو خاموشی اختیار کی۔ آپ الٹی شکایت کرتے ہیں۔ قطعہ تاریخ حالت علالت میں موزوں کر کے پیش کرتا ہوں۔ بوڑھے آدمی کی تصویر لے کر کیا کرو گے خیر وہ بھی روانہ کرتا ہوں

یہاں تو راجہ دین دیال مصور کا ڈنکا بج رہا ہے - ہمیشہ خیریت سے آگاہ فرماتے رہیئے - والسلام

داغ دہلوی
۱۴ / جون ۱۹۰۴ء

(قطعہ تاریخ مثنوی نواب سید بہادر حسین خاں صاحب انجم لکھنوی)

اے بہادر حسین خاں نواب | تو ہے انجم سپہر معنی کا
ہاتھ سے تیری طبع موزوں کے | کھینچ گیا حسن و عشق کا نقشا
کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے | واہ اس مثنوی کا کیا کہنا
ہر مورخ کی اس کے صفحوں پر | خوب تصویر ہو گئی زیبا

داغ نے یہ نئی کہی تاریخ
آپ تصویر مثنوی آ ہا
۱۳۲۲ ھ

سر سید احمد خاں علیہ الرحمۃ کا خط

(۶۴) بنام خواجہ الطاف حسین حالی

جناب مولانا مخدوم و مکرم بندہ -

میں کلکتہ پہونچ گیا - نشان تحت خط ہذا مندرج ہے - نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ نسبت مسودہ وقف قانون خاندانی اہل اسلام کے

میں اپنی رائے لکھکر بھیجوں گا۔ چونکہ غالب وقت کی فرصتی [illegible] نہ بھیجیں
اس لئے آپ از راہِ عنایت اُن سے تاکید کر کے اور اُن سے اپنے مسودے
لکھوا کر جلد ارسال فرما دیں۔ مسودہ قانون اُن کے پاس ہے۔ اگر آپ [illegible]
تو آپ اس کو براہ صاحب بخشی انعام [illegible]
کیونکہ اُن کو فرصت اور درخواست اُس کے پڑھنے کی نہ ہوگی۔ [illegible]
پاس نہیں بھیجا۔ پس آپ اُس کے مطلب زبانی بیان [illegible]
خط نسبت اُس کے لکھوا کر روانہ فرمائیں۔ [illegible]
معزز مسلمان ہوں اُن کے پاس سے رائے آنی چاہتا ہوں [illegible]
ہے کہ کم از کم ایک ہزار رئیسوں کی رائیں جمع ہو جائیں۔ [illegible]

خاکسار سید احمد [illegible]

۱۰ دسمبر [illegible]ء

مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی کا خط

(۶۵) بنام مولوی ذکاء اللہ صاحب

منشی میاں۔ کل صبح کو میں موجب معمول کے ہوا کھانے نکلا۔ شہر کے باہر
پہونچا تو دیکھتا ہوں کہ ایک مرد مقدس متقی وضع پرہیزگار صورت جبہ پہنے ہیں
حاجیانِ عرب کا عمامہ سر پر، ہزار دانہ کی تسبیح ہاتھ میں۔ آہستہ آہستہ سڑک
پر چلے جاتے ہیں۔ اُن کے چہرہ کو داڑھی کے نور نے روشن کیا تھا۔ جبہ کے
سبز رنگ سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت خضر ہیں مگر عصا کہتا تھا کہ حضرت موسیٰ
بھی ہیں۔ چونکہ بزرگوں کا ادب میری طبیعت میں خدا داد ہے۔ میں نے اُنھیں

سلام کیا۔ انھوں نے نہایت کشادہ پیشانی سے میرا سلام لیا۔ اپنی بداعمالی اور سیہ کاری کا خیال کرکے ان سے عرض کی کہ مجھ روسیاہ کو بھی کچھ نصیحت فرمادیں جو میرے کام آئے۔

انھوں نے کہا کہ:

(۱) یاد رکھو کہ دنیا میں دوست تو کوئی ہے نہیں جو دوستی برتے اس کو دشمن سمجھنا۔

(۲) دشمن سے ایسی دل فریب محبت برتو کہ دوستوں کی دوستی نابود ہو جائے آدمی ہو تو الّو بن جائے۔ پھر اگر پورا سلیقہ ہو تو پنجرے میں بند کرکے پر قینچ کردو۔ نہیں تو مطلب نکالو اور چھوڑ دو۔

(۳) محبت کو نیکوں کی نیکی پر منحصر نہ رکھو۔ نہ اسے ان کی نیکی کی مقدار پر جرح کرو۔ تم اپنا مطلب دیکھتے رہو۔ جس سے نکلتا ہو اس کو گدھا بناؤ اور جھٹ سوار ہو جاؤ۔

(۴) پہلے یہ اعتقاد رکھو کہ دنیا میں اچھا تو کوئی نہیں یہ ہم صورت ہیں جو آدمیوں کے جامہ میں چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

آزاد

---

(۶۶) مولوی ذکاء اللہ خاں صاحب کا خط

مگر ہاں میں سلطان نظام الدین علیہ الرحمۃ کی سب سے بڑی کرامت یہ بیان کرتا ہوں کہ ان کو اپنے ساتھ انسانوں کے گرویدہ کر لینے کا ایسا خداداد ملکہ تھا کہ اپنی حیات میں بے حساب آدمیوں کو اپنا مرید و ملتفت بنایا اور بعد وفات

جس پر ۲ سو سال کا عرصہ گزر چکا اور یہی کرامت ان کے مزار میں موجود ہے کہ وہ مسلمانوں ہی کے دلوں کو گرویدہ نہیں بناتا بلکہ غیر مسلموں کے دلوں کو بھی اپنا شیفتہ و والہ کرتا ہے۔

چنانچہ مسٹر کلارک صاحب ڈپٹی کمشنر دلی جب مزار شریف پر تشریف لائے تو ان کے دل پر مزار شریف کا یہ اثر ہوا کہ اس کی حیثیت کو فرسودہ، شکستہ اور کہنہ دیکھ کر انھوں نے اپنی گرہ سے تین ہزار روپیہ خرچ کرکے ایسا ہی بنوا دیا جیسا کہ پہلے بنا ہوا تھا اور خادموں کو منع کر دیا کہ وہ ہمارا نام نہ لیں کہ ہم نے اس کو بنوایا ہے۔

جب سے انگریزی حکومت ہندوستان میں آئی کوئی مثال ایسی نہیں کہ کسی حاکم انگریز نے کسی ولی اللہ کے مزار کی مرمت اپنے پاس سے خرچ کرکے کرائی ہو۔ یہ حضرت سلطان جی ہی کی کرامت یادگار روزگار رہے گی کہ انھوں نے عیسائی حاکم وقت سے اپنے مزار مقدس کی مرمت کرائی۔

ذکاء اللہ

۲۴ مئی ۱۹۰۶ء

مولوی نذیر احمد خاں صاحب کا خط

(۹۷) بنام مولوی بشیر الدین احمد

میاں بشیر[۱]

جس وقت سے میں آیا تھا تمھارا اسباب جمع کرنے کی فکر میں تھا

۱؎ بشیر الدین احمد مولوی صاحب کے بیٹے کا نام ہے۔

چنانچہ اس وقت اسباب صندوق میں بند کرکے اوپر سے ٹاٹ منڈھکر بکس روانہ کرتا ہوں۔ وہاں سے ریل پر روانہ ہوجائے گا۔ اس ایک صندوق میں اتنی کتابیں ہیں کہ اگر آدمی نظر تحقیق سے اُن پر عبور حاصل کرے تو عالم ہوجائے، مگر رکھ چھوڑنے کو کتاب اور پتھر برابر ہے۔ مقدم جماعت کی پڑھائی ہے۔ اس کے یاد کرنے سے جو وقت بچے اُس میں دوسرا کام کرنا چاہیئے۔ اُس قدر بوجھ اپنے اوپر مت ڈالو کہ جماعت میں پڑے رہو۔ کیونکہ ہم سبقوں میں پیچھے رہنا بڑی بے عزتی کی بات ہے۔ بڑا انتظام اس کا ہے کہ انگریزی بول چال اور عبارت انگریزی کے لکھنے میں یعنی انگریزی کمپوزیشن میں ترقی ہو۔ سو اُمید ہے کہ اس کے لیے تم نے تدبیر مناسب کرلی ہوگی۔ اگر وقت کو انتظام سے صرف کرو اور معمول باندھکر ہر کام وقت پر کرتے رہو تو با فراغت جماعت کی پڑھائی بھی یاد کرلوگے اور پھر بھی اتنا وقت بچے گا کہ اُس میں انگریزی کو بڑھاؤ۔ عربی پڑھو اور اونچی کلاس میں جانے کا حوصلہ کرو۔

نذیر احمد خاں

مولانا حالی کا خط

(۶۸) شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد کے نام

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم سے

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

الحمد للہ کہ تذکرۂ مشاہیر شعرائے اُردو چھپنا شروع ہوگیا ہے اس پر اپنا ناچیز ریویو لکھنے کو تیار ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

آپ لوگوں سے بڑا مجادلہ کرنے کا [illegible] خیال سے
تغیر و تبدل کی مشقت نہ اٹھائیے [illegible] آپ کی [illegible] بہتر ہوتا
تو مفاتیح [illegible] مرحوم کے [illegible] سمجھ [illegible] کرنے کے لیے
العلم عند اللہ - زیادہ نیاز - [illegible] پہونچے -

خاکسار [illegible]

الطاف حسین حالی

مورخہ [illegible]

(۵۹) بنام مولوی عبدالرزاق صاحب مصنف البرامکہ

جناب مولوی صاحب مخدوم و مکرم - تسلیم

شفقت نامہ پہونچا جس کا شکریہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ الحمد للہ کہ آپ کی مساعی جمیلہ زمانہ کی ناقدردانی پر غالب آئیں - مگر حق یہ ہے کہ زمانہ کو ناقدرداں ٹھیرانا محض ہٹ دھرمی ہے۔ بلکہ درحقیقت قابل قدر اشیا ہی کا قحط ہے ورنہ قدردانوں کی کمی نہیں ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد — اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

نواب ولی عہد بہادر نے آپ کی قابلیت کا نہایت صحیح اندازہ فرمایا ہے۔ افغانان جلال آباد کی تاریخ لکھنا اور ایک ایسے مضمون کے لئے جو اب تک کسی نے نہ لکھا ہو۔ میٹریل (مواد) جمع کرنا - اگر میری رائے غلط نہ ہو تو ایک ایسا کام ہے جس کے لئے آپ سے بہتر آدمی ملنا دشوار تھا - خدا کرے اس کام میں بھی آپ کو ایسی ہی کامیابی ہو جیسی اس سے پہلے دو کارناموں میں ہو چکی ہے - مجھکو معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد میں بھی اور کچھ عجب نہیں کہ نواب صاحب آپ کو [illegible] علیحدہ

میرے نزدیک ایسی صورت پیش آنے تو بھوپال کا حق سب سے مقدم ہے۔

خاکسار الطاف حسین حالی

مورخہ ۳ رجون ۱۹۱۳ء

مولانا شبلی نعمانیؒ کا خط

(۵۰) بنام آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاںؒ

سید و مولائی۔ تسلیم

میں ۲۲ رمئی کو یہاں پہونچا لیکن تردوات کی وجہ سے خط لکھنے کی فرصت نہ مل سکی۔ یہ خط بھی مختصر ہے۔ میں نے سر دست ایک مختصر سا حجرہ لعہ/ مہینہ کرایہ پر لے لیا ہے لیکن کھانے کا صرف یہاں بہت زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ آپ چار سو یا پانچ سو یا اس سے زیادہ روپیہ بھیجدیں کہ جو کتاب جس وقت ہاتھ آئے لے لی جائے یا نقل و کتابت کا انتظام کیا جا سکے۔ کتابیں یہاں بہت ہیں اور نادر ہیں لیکن کہاں تک لکھوائی جا سکتی ہیں۔ امام غزالی کی تصنیفیں یہاں موجود ہیں اور بوعلی سینا کی تو شاید کل تصنیفات مل سکتی ہیں امام غزالی کے خطوط بھی موجود ہیں۔ خیر جو ممکن ہوگا کیا جائے گا یہاں اکثر لوگوں سے ملاقات ہو سکتی ہے لیکن مشکل زبان کی ہے۔

بعض بڑے کالج دیکھے مگر زبان کی اجنبیت کی وجہ سے حالات معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوئی۔ میں نے ترکی پڑھنی شروع کی ہے اور انشاء اللہ کچھ نہ کچھ بقدر ضرورت واپسی کے وقت تک سیکھ لوں گا۔ اُس وقت تمام کالجوں وغیرہ کی رپورٹ تیار کر سکوں گا حالات دلچسپ ہیں اور سفرنامہ کے لیے

بہت سا سامان مل جائے گا۔ لیکن اس وقت بلکہ زمانۂ قیام تک مطلق فرصت نہیں مل سکتی۔ ہر روز تین چار میل کا چکّر کرنا پڑتا ہے۔ بہت بڑا شہر ہے اور تمام کتب خانے دُور دُور واقع ہوئے ہیں۔

یہ خط والد صاحب قبلہ کو بھیجدیا جائے یا اُس کی نقل۔ متعدد خطوط لکھنے کی فرصت نہیں۔

شبلی نعمانی

از قسطنطنیہ۔ ۲۲ مئی سنہ ۱۸۹۲ء

اکبر الہ آبادی

(۷۱) رقعۂ دعوت بنام مولانا شبلی نعمانی (۱)

آتا نہیں مجھکو قبلہ قبلی — بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اٹھاؤ آج کی رات — کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات

اکبر الہ آبادی

(۷۲) شمس العلما مولانا شبلی کا جواب

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال
لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں
آپ کے لطف و کرم سے مجھے انکار نہیں
حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں

لیکن اب میں وہ نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا
اب تو اللہ کے افضال سے تیمورؔ ہوں میں[ل]
دل کے بہلانے کی باتیں ہیں یہ شبلی ورنہ
جیتے جی مردہ ہوں، مرحوم ہوں، مغفور ہوں میں

---

(۲)

(۴۳) بنام محشرؔ لکھنوی

میرے پیارے عنایت فرما۔ آپ کی یاد آوری سے تھوڑی دیر کے لئے جی اٹھتا ہوں۔ ورنہ مدت گزری کہ مر رہا ہوں۔ غالباً اس عبرت کدہ میں آپ کا بے چین دل بھی آپ کو مضطرب کر رہا ہے اور آپ مجھکو یاد فرمایا کرتے ہیں کلیات حصۂ سوم کے مسودہ کو اٹھا کر بلا امتیاز دو چار شعر نقل کئے دیتا ہوں۔ صرف تعمیل ارشاد ہے ورنہ میں کیا میرے شعر کیا: ؎

پوچھتے ہیں وہ مجھے دیکھ کے اچھے تو رہے
زندہ ہیں سانس لئے جاتے ہیں اچھے کیا ہیں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان — دین ہے آنکھ اور مذہب کان

اپنی ہی عقل کو خدا سمجھے — بے وقوفی اسی کو کہتے ہیں

ل مولانا کا پاؤں زخمی ہوگیا تھا جس کے باعث قطعی چل پھر نہ سکتے تھے۔ اس لئے اپنے آپ کو تیمور کہا ہے اور تیمور لنگڑا تھا۔

غم خانۂ جہاں سے آگاہ ہو چکا ہوں
داغوں سے دل بھرا ہے کتنوں کو رو چکا ہوں

دنیوی کاموں کے گو ہیں قاعدے — قاعدوں کا قاعدہ کوئی نہیں
جو مشیت اس کی بس وہ قاعدہ — بحث کیجئے فائدہ کوئی نہیں
اب اپنے دل کو بجز غم کے کوئی راہ نہیں — خدا کا شکر ہے کچھ غم گناہ نہیں

خاکسار اکبر
مورخہ ۱ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی

(۴۷) پنڈت رتن ناتھ درسرشار کے نام

جناب پنڈت صاحب زاد فصاحتکم۔ حضرت تسلیم۔ آپ نے فسانۂ آزاد کیا لکھا ہے زبان اردو کے حق میں مسیحائی کی ہے۔ باوجودیکہ وہ بیچاری آج کل زبان دانوں سے اس قدر ڈرتی ہے جیسے میاں خوجی کی قرولی سے میں خیر خدا غدا کرکے ہماری بیچاری پرانی عمدہ زبان کے ایک آپ تو معین نکلے للہ الحمد ...... اور تو ہم سے کیا ہو سکتا ہے صرف قطعۂ تاریخ آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔ خود ملاحظہ فرماکر قسطنطنیہ میں میاں آزاد کے ملاحظہ میں ضرور بھیج دیجئے گا تاکہ وہ خود دیکھیں۔ نہیں صاحب آپ کاہے کو تکلیف فرمائیے۔ جب چھپے گا وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔

(قطعہ تاریخ)

تم نے نئی نکالی فسانہ کی راہ واہ
کن کن محاوروں کا کیا ہے نباہ واہ

دیکھیں جو شوخیاں ترے خامہ کی غور سے
بولے شفیق واہ عدو بولے آہ آہ

کرتا شرر ہے مصرعۂ تاریخ پیش کش
کیا بول چال لکھی رتن ناتھ واہ واہ

۱۲۹۸ھ

راقم اثم واحقر
محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی

(۷۵) حضرت وصل بلگرامی کے نام

لکھنؤ - ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۴۱ھ

مکرمی و محترمی - تسلیم

گرامی نامہ آیا - میں آپ کا اور مولانا محترم کا نہایت ہی شکر گزار اور رہین منت ہوں کہ تقریب بندہ زادی میں زحمت فرمائیے اور قدم رنجہ فرمائیے۔

آپ سے میں نادم ہوں اور بہت نادم لیکن آپ ۱۵، ۲۰ روز میرے ساتھ رہتے تو معلوم ہوتا کہ میں کس قدر ہجوم افکار اور مختلف ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور صدہا فرائض و احکام احباب سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے ہر گھڑی اپنی جان چھڑاتا رہتا ہوں۔ ایک فکر ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع ہو جاتی ہے۔

اب اس تقریب سے فارغ ہونے کے بعد میں انشاءاللہ آپ کا ہوں گا بشرطیکہ آپ دو چار بار خود آنے کی زحمت گوارا کریں اور ایک بار ۳-۴ روز میرے گھر رہیں بغیر اس کے میری شرمندگی دور نہ ہو سکے گی۔

آپ نے انناس کھلائے اور مولا کی عنایت سے بڑی بڑی نعمتیں ہیں مگر مجھے لکھنے اور مصروفیتوں میں جتنی فرحت ملتی ہے وہ تمباکو مجھ سے لٹریری کام لیا کرتی ہے۔ لہذا کبھی کبھی ۴-۵ سیر پتے تمباکو وہاں کا بہترین مرحمت ہوا کرے تو اس سے زیادہ اچھی نعمت و رحمت میرے لئے کوئی نہیں ہو سکتی۔

خاکسار
محمد عبدالحلیم شرر

پنڈت برج نراین چکبست

(۷۶) لالہ سری رام کے نام

جناب والا! تسلیم

آپ نیازمند کے سوانحی حالات دریافت کرتے ہیں۔ حیران ہوں کہ کیا لکھوں۔ اوّل تو میں باضابطہ شاعر ہی نہیں ہوں۔ تخلص کا بھی گنہگار نہیں ہوں چکبست میرا عرف ہے نہ کہ تخلص۔ سولہ سترہ برس سے شعر و سخن کا مذاق ضرور ہے۔ لیکن ایک دیوان بھی تیار نہیں ہوا۔ ایسی حالت میں مجھے باضابطہ شاعروں کے زمرے میں داخل کرنا ہی بے کار ہے۔ مگر خیر مجموعہ میں تو میرا نام آ ہی گیا۔ اب آپ کو زندگی کے حالات کیا لکھوں لکھنؤ وطن ہے

اپنے دوستوں کا دل بہلانے کو کبھی کبھی شعر کہہ لیتا ہوں۔ پرانے رنگ کی شاعری یعنی غزل سے نا آشنا ہوں لیکن اسی کے ساتھ میرا عقیدہ یہ ہے کہ محض نئے خیالات کو توڑ مروڑ کر نظم کر دینا شاعری نہیں ہے۔ میرے خیال کے مطابق خیالات کی تازگی کے ساتھ زبان میں شاعرانہ لطافت اور الفاظ میں تاثیر کا جوہر ہونا ضروری ہے۔ لیکن میں پھر آپ کو لکھتا ہوں کہ میں قدر دانِ سخن ہوں سخنور نہیں ہوں، جس کا نام شاعری ہے وہ اور چیز ہے جو بہر حال مجھے نصیب نہیں۔

برج نراین چکبست

حضرت ریاض خیرآبادی کا خط

دلگیر اکبرآبادی اڈیٹر نقاد کے نام

پیارے دلگیر! کل میں لکھنؤ آیا تو آپ کے دو کارڈ ملے ہیں جب آگرے گیا تھا تو خوش تھا کہ آپ سے ملوں گا۔ میں اس وقت بھی مردہ تھا جب آپ مجھ سے ملے تھے اب تو بوسیدہ ہڈیوں کے سوا کچھ بھی نہیں البتہ اس اعتبار سے بہت اچھا ہوں ؎

مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

ہم رہے باغ و بوستاں نہ رہا — اب کہاں جائیں آشیاں نہ رہا
اب جفائے فلک جفا نہ رہی — آسماں اب وہ آسماں نہ رہا
عمر تیری ہو حسرتِ مرگ — شکوۂ عمرِ جاوداں نہ رہا

آپ مجھکو اپنی ذاتی محبت سے اپنے سخن پر کچھ لکھنے کو کہتے ہیں۔ میں وہ فارغ دل ہوں جو کبھی کچھ نہیں موزوں کر سکتا۔ ایسا ہی ہے تو پھر سے [illegible] یہ مصرعہ پڑھ کر ٹال دوں گا

ہم گنہگار بھی رحمت کے سہارے نکلے

بہ تعمیل ارشاد ایک غزل بھیجتا ہوں جو دوست کی [illegible] میں [illegible] تھی اب تک اسے چھپائے رکھا تھا۔ اب نقاد کے [illegible] ہے۔ خدا کرے آپ کو اور ناظرین نقاد کو پسند آئے۔

رباعی

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد کا خط

(۷۸) حضرت شاکر اڈیٹر العصر کے نام

بخدمت منشی پیارے لال صاحب شاکر۔

'اکسیر سخن' ملاحظہ سے گذری۔ آپ کی جدت پسندی، نغمہ سنجی اور خیال آرائی کی داد دیتا ہوں۔ شعرائے سنسکرت میں بھاروی کالیداس کو میں اس لئے اور شعرا پر ترجیح دیتا ہوں کہ جہاں کہیں اس کو موقع ملا ہے اس نے قدرتی مناظر کی دل فریبیوں کی ایسی جیتی جاگتی دلکش تصویریں کھینچ دی ہیں کہ بھلانے سے بھی نہیں بھول سکتیں۔ آپ نے اپنے شاعرانہ جذبات کے ایک ایک لفظ میں قوت متخیلہ کا ایسا وسیع میدان کھول دیا ہے جو نہایت پر لطف نظاروں سے بھرا ہوا ہے۔

اگر اس امر پر غور کیا جائے کہ کالیداس نے ہر چیز کی تعریف کیسی خوبی سے کی۔ گو اپنے طور پر ہر ایک بے نظیر ہے۔ اگر ایک کا مقابلہ دوسرے سے کیا جائے تو ایک قسم کا خوش گوار اختلاف محسوس ہوتا ہے اور در اصل یہی اُس کا کمال ہے کیونکہ یہ کس قدر مشکل امر ہے کہ باوجودیکہ خود ہر ایک منتہائے حسن پر پہونچا دیا ہے لیکن پھر بھی اُس کے معیار حسن کو ترقی دے دی ہے۔

دوسرا کمال اس کا یہ ہے کہ خواہ اُس نے اجمال سے کام لیا ہے خواہ تفصیل سے خواہ تشریح سے خواہ تشبیہ سے لیکن ہر صورت میں جو کچھ بھی حوالہ قلم کیا ہے بعینہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا حسن مجسم کی تصویر عالم مثال سے لاکر عالم شہود میں رکھدی ہے۔

آپ نے ایسے قادر الکلام شاعر کی منظری تصویر میں اپنی زبان کی لطافت کا ایسا خوش نما رنگ بھرا ہے کہ لائق ستائش ہے۔ سنسکرت کے پیچیدہ اور عمیق جذبات کو نظم کرنے اور سلاست زبان کو ملحوظ رکھنے میں کامیاب ہونا آسان نہیں ہے۔

شاد از حیدر آباد دکن

مورخہ ۱۳ فروری

مولانا احمد علی شوق قدوائی کا خط

(۹۷) بنام سید بندہ کاظم صاحب جاوید

حضرت سید صاحب مکرم بندہ۔ سلام شوق

آج پانچواں دن ہے منشی امانت رسول عشقی مجھے ملے تھے دوسرے دن

آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ مگر نہیں آئے۔ خدا جانے رامپور میں ہیں بھی یا گئے۔ انھوں نے آپ کی خیریت کہہ کے آپ کا سلام مجھے پہونچایا تھا۔ میں آپ کی مہربانی اور یادآوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عشقی نے آپ کے ایک مطلع کا مجھ سے ذکر کیا تھا جس میں "مشتاق دید" کے لفظ ہیں۔ یہ بھی کہا تھا کہ کسی نے "مشتاق دید" کی ترکیب پر شک ظاہر کیا ہے یعنی یہ کہ "مشتاق" کے معنی خود دیکھنے والے یا نظارہ کرنے والے یا دیدار کی خواہش کرنے والے کے ہیں۔ پھر دید کے ساتھ ترکیب کیسی؟ اُن کے خیال میں مشتاق دید کی ترکیب سے دید کا مفہوم معنوی مکرر ادا ہوا۔ یہ شک بالکل غلط ہے۔ مطلع صحیح، ترکیب صحیح، مفہوم معنی صحیح۔ مشتاق کے معنی کو دید کی آرزو بلکہ دیدار کے مفہوم سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے

عربی کا بہت بڑا لغت اور بہت مستند لغت "لسان الغیب" ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "مشتاق" "اشتیاق" کا مشتق ہے۔ شتاق بھی آیا ہے اور شیق بروزن منفعیل بھی آیا۔ اشتیاق کے معنی "دلی توجہ" کے ہیں اور مشتاق اسم فاعل ہے۔ اس کے معنی ہیں دل سے توجہ کرنے والا۔ صرف یہی ایک معنی لکھے ہیں۔ "صراح" میں "مشتاق" کے معنی آرزومند، خواہش مند اور متمنی کے ہیں۔ "ابداء الاسالیب" مصر سے عربی کے خطوط کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس میں "مشتاق لرؤیتکم" بکثرت موجود ہے۔ اس کے معنی وہی ہیں جو مشتاق دید کے ہیں۔ فارسی و اردو میں مشتاق کا استعمال آرزومند ہی کے معنی میں ہے جیسا عربی میں ہے۔ فارسی میں معز فطرت مشہدی کہتے ہیں ؎

زندگی تنگ ست بر جانے کہ مشتاق تن ست　　شاہد این تا ز تیغ سر زدہ دیدن است

مشتاق تن کو دیدار سے کیا واسطہ۔ اُردو میں شیخ امان علی سحر کہتے ہیں ؎

اے سحر فرمائیے جو یاد ہو ٭ کان ہیں مشتاق کچھ ارشاد ہو

کان کو دیدار سے کیا سروکار۔ مطلع لفظ سے صحیح ہے۔ کہیں شک کی گنجائش نہیں۔

نحوی اصول سے دو اسمار کلیتہً مضاف اور مضاف الیہ ہوتے ہیں۔ لہذا مشتاق دید صحیح اور بالکل صحیح۔ امید ہے کہ مزاج مبارک خیریت سے ہیں تو پورا نیاز مند آپ کا ہوں حاضر و غائب خیریت طلب اور کبھی کبھی یاد آوری کا متمنی ہوں۔

میں بہت بیمار ہو گیا تھا۔ بارہ تیرہ دن حالت خطرناک رہی۔ اسے کوئی بیس دن گزرے۔ باوجود قصد کے بیماری نے لکھنؤ جانے سے روک لیا اب بفضلہ بالکل اچھا ہوں۔ آخر دسمبر یا ابتدا جنوری میں لکھنؤ کا ارادہ ہے۔

آپ کا خیر طلب

احمد علی شوق قدوائی

از رام پور۔ ۷ نومبر ۱۹۱۷ء

سید سجاد حیدر یلدرم کا خط

(۸۰) حضرت دلگیر کے نام

میرے پاس نومبر کا نقاد نہیں پہونچا۔ نہ معلوم آپ نے اس میں کیا

تحریر فرمایا ہے۔ صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ میں مرا ہوا تو ہوں ہی مگر اس موت
کی تشہیر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ خواہ مخواہ عزیزوں اور احباب میں
کھلبلی پڑ گئی۔ میرے پاس اور خطوط بھی ایسے آ رہے ہیں۔ از راہ کرم
[illegible] وہ نمبر جس میں مار ڈالا گیا ہوں میرے دیکھنے کے لئے بھیج دیجئے۔ میں بھی
تو دیکھوں کہ پس مردن میرے حق میں کیسے خوب کہے گئے ہیں۔ باقی [illegible] گزر

سجاد حیدر

مولانا ابوالکلام آزاد کا خط

(۱۸۳) بنام حکیم غلام غوث خاص طبیب ریاست خیرپور (سندھ)

بسمہ

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ پہنچا۔ اپنی کوتاہ قلمیوں کے لئے نادم و خجل و خواستگار معافی ہوں
والتفات و عنایت کا شکر گزار۔ التماس مقبول۔ یقین فرمائیے کہ جناب کے الطاف و کرم کی
فقیر کے نزدیک بہت [illegible] اور جب کبھی احباب خاص و بزرگان مخصوص یاد آتے
ہیں تو ان میں جناب کا اسم سامی بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دور طغیان فساد
غربت خیز میں خیریت مع رب کو اپنی محبت و قرب کا ذوق و حسن خدمت کی دولت
عطا فرمائے۔ جناب کی تصنیف کی خبر سے نہایت مسرت ہوئی۔ کاش فقیر [illegible]
تھی کہ مشورہ سے خدمت کر سکتا۔ لیکن اپنی حالت کیا عرض کروں۔ زندہ ہوں
اور اس کو فضل مخصوص حضرت الٰہی سمجھتا ہوں۔ [illegible] تہذیب تاریخی نام

نہایت عمدہ ہی۔ دوسرے نام کی تلاش ہو تو طبیب عاملہ رکھنے کو جامع اور صحیح ہی عاملہ کے لئے اُردو میں کوئی لفظ نہیں اسی کو رائج کرنا چاہئیے

والفقیر احمد المکنی بابی الکلام کان اللہ لہ

ظفر الملک اڈیٹر الناظر کا خط

(۸۲) حضرت عزیز لکھنوی کے نام

از لکھنو ۴ ردسمبر ۱۹۱۲ء

مکرمی تسلیم۔ دسمبر نمبر میں مشہد مقدس کا حیرت انگیز نظارہ درج کر دیا ہی۔ ملاحظہ عالی سے گزرے گا۔

میں نے آپ سے کئی ملاقاتوں میں یہ ظاہر کیا تھا کہ الناظر کے سے علمی رسالہ کی اشاعت آپ لوگوں کا کام تھا جو خاص لکھنؤ کے باشندے اور زبان کے ماہر ہیں

ہم دیہاتی لوگ کھیتی باڑی کے کام کے اچھے ہوتے ہیں اور اپنے کام میں اہل شہر کی مداخلت گوارا نہیں کرتے پھر آپ لوگوں کے جو کام ہیں اُن کی طرف آپ کی بے توجہی کیا معنی رکھتی ہے۔ جو لوگ اپنے فرائض زندگی اور ان کاموں کی اہمیت سے ناواقف ہیں جیسے ہمارے شہر کے بھولے بھالے نواب زادے اور شہزادے اگر وہ اس قسم کی غفلت کریں تو شکایت نہ ہو لیکن آپ حضرات جو ملک کے خیالات میں انقلاب پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور ضروریات زمانہ سے پورے ہیں کسی طرح

اس الزام سے بری نہیں کئے جا سکتے کہ آپ کی بے التفاتی اور پہلوتہی سے اُردو علم ادب کو جو منافع حاصل ہونا چاہیئے تھے وہ نہیں پہنچے۔
میں نے الناظر کے اجرا کی ضرورت کو پہلے نمبر میں ظاہر کرتے ہوئے حسب ذیل سطور لکھی تھیں۔
"صوبہ اودھ کے تمام تحریکوں کے مرکز لکھنؤ کو زبان اردو سے جو نسبت قدیم سے ہے اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور جس قدر کوششیں ساکنان شہر لکھنؤ نے اُردو زبان کو وسیع کرنے، ترقی دینے، پاکیزہ بنانے اور شستہ بنانے میں کی ہیں وہ ارباب سخن سے پوشیدہ نہیں۔ صاحب اختر شاہنشاہی کی تحقیق کے مطابق الحاق اودھ کے بعد سے ۱۸۸۵ء تک تقریباً ۴۰-۴۲ اخبار اور ۲۰-۲۵ رسالے اور گلدستے خاص لکھنؤ سے اُردو زبان کی خدمت گزاری کے لئے جاری ہوئے اور اس ۲۰ سال میں اگرچہ ہماری رفتار ترقی ویسی تیز نہیں رہی۔ پھر بھی متعدد اخبار، رسالے اور گلدستے مختلف مقاصد کے لئے جاری ہوتے اور گو ان تمام اخبارات، رسائل اور گلدستوں کو زمانہ کی ناقدری اور پبلک کی بے توجہی کی شکایت کم و بیش رہی اور بہتیرے بے قدری بے اعتنائی یا دیگر مخالف کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر قبل از وقت موت کا شکار ہوگئے لیکن اُن میں سے جتنے جواب تک اپنے چشمہ فیض سے ملکی لٹریچر کی کیاریوں کی آبیاری کر رہے ہیں اُردو زبان کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئے ہیں۔

خادم
اسحاق علی علوی اڈیٹر الناظر

نواب حیدر یار جنگ مولانا علی حیدر طباطبائی کا خط

(۸۳) صفدر مرزاپوری کے نام

از حیدرآباد دکن ۔ ۷ر فروری ۱۹۲۵ء

حضرت صفدر صاحب شفیق کرم فرما تسلیمات

طرح کی غزل کو آپ نے بہت پسند کیا اور حد سے زیادہ داد مجھے دی ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خیال میرے دماغ میں بھی نہ سما جائے۔ آپ کی دونوں غزلیں میں نے پڑھیں اچھے اچھے عاشقانہ شعر قلم سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور وہ تصنع سے پاک ہیں غزل میں سب کا حصّہ ہے کچھ واقعہ نگاری میں مفصل حال لکھا ہے۔ قلم سے جو شعر ٹپکے نہیں وہ ہمیشہ بے لطف ہوتا ہے۔ جس شعر کے متعلق شاعر کو خود شک ہو کہ یہ کچھ لطف رکھتا ہے یا نہیں۔ اکثر وہ شعر بے لطف ہی ہوتا ہے ؎

پڑی ہے خاک جن پر وہ مرقعے دیکھے جاتے ہیں

بالکل صحیح ہے۔ لفظ دل کش بھی صحیح ترکیب رکھتا ہے۔ اس کے لئے سند کی ضرورت نہیں۔ ہاں صحیح لفظ ۔ ز خود رفتگی ۔ ہے لیکن اگر اساتذہ خود رفتگی کو نظم کر چکے ہیں تو ان کی سند کافی ہو جائے گی۔ اسیر مرحوم کا مصرع شاید یوں ہے ؎

مری دیوار کو وہ دے گئے چھلا نشانی کا

یعنی میرے خانۂ تن کی دیوار گرنے والی تھی انھوں نے نشانی کا چھلا

اس دیوار میں دے کر مضبوط کیا۔ جب دیکھتے ہیں کہ دیوار کمزور ہو گئی ہے تو ایک تہ اینٹ چونے کی اس پر چڑھا دیتے ہیں۔ شاید معمار اسی کو چھالا دینا کہتے ہیں۔

بار دگر بخدمت جناب حکیم دانش صاحب کو میری طرف سے سلام شوق پہونچا دیجئے گا۔

نیاز مند

علی حیدر طباطبائی

مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو کا خط

(۴۸) مولانا عثمان جعفری ایم اے کے نام

اورنگ آباد دکن ۲۳ فروری

شفیقی و عزیزی سلمہ۔ آپ کا محبت نامہ پہونچا۔ آپ نے جن محبت آمیز الفاظ میں یہ خط لکھا ہے۔ حیران ہوں کہ اس کا جواب میں کیوں کر ادا کروں۔ بہرحال آپ کی اس عنایت اور اس ارادت کا بہت ممنون ہوں۔ آپ کے اشتیاق نے میرے شوق کو اور مشتعل کر دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس انتظار کا پردہ جہاں تک جلد ممکن ہو اٹھ جائے اگر یہ معاملہ صاف دفتر نظامت تک محدود ہوتا تو اس کے طے کرنے میں ایک دن کی بھی دیر نہ لگتی لیکن اس میں صدر مہتمم صاحب کی بھی منظوری ضروری ہے اور یہی وجہ تاخیر ہے۔ تعجب ہے کہ میرا خط سید علی اکبر صاحب کو نہیں پہونچا۔ یہ خط خانگی تھا سرکاری نہ تھا۔ کیونکہ خانگی خط کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ آج میں نے انھیں

پھر لکھا ہے۔ خدا کرے وہ راضی ہو جائیں۔ وہ آپ کے کام اور قابلیت سے بہت خوش ہیں اور ممکن ہے کہ یہ سد راہ ہو۔
مجھے افسوس ہے کہ گلبرگہ میں آپ سے ملاقات نہ ہوئی۔ میں نے دو بار رنگین صاحب سے کہلا کر بھیجا مگر نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ آپ نہ آسکے۔ ایک بار اورنگ آباد میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور اس کے بعد پھر آپ کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ میری بدقسمتی ہے کہ گلبرگہ پہونچ کر بھی آپ سے نہ مل سکا۔ اب سید علی اکبر صاحب کے خط کا منتظر ہوں۔ میں حیدرآباد سے کل ہی واپس آیا ہوں۔ اس وقت آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اس وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔

آپ کا خیر طلب
عبدالحق

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کا خط

(۸۵) بنام مولوی کامل عظیم آبادی

لکھنؤ۔ ۷ر نومبر ۱۹۱۹ء

مولوی کامل صاحب۔ دعا۔ خلش سلمہٗ میرے پاس آئے تھے۔ میرے لیں دوسری طرح معنی خیز ہے۔ جناب حامد کی یاد فرمائی کا میں شکر گزار ہوں لیکن اس پیرانہ سالی میں۔ میں شریک مشاعرہ ہو کر کیا کروں۔ حال کی تہذیب سے نابلد ہوں۔ اگلی تہذیب تو اب قصّہ کہانی ہو گئی۔ اب جو رنگ مشاعروں کا سنتا ہوں تو دل کانپ جاتا ہے پچھلی صحبتیں بچھڑے ہوئے احباب

یاد آجاتے ہیں۔ اگلی تہذیب یہ تھی کہ مشاعروں میں بزم ادب و لطف آتا تھا
ایک شخص تحت اللفظ غزل پڑھتا تھا۔ لوگ ہمہ تن گوش ہوکر سنتے تھے اور
حسب عمر، حسب لیاقت داد دیتے تھے۔ کوئی غلطی ہوتی تھی تو سب کے سب خاموش
ہوجاتے تھے۔ نومشق پہلے پڑھتے، کہنہ مشق آخر میں

ایک صحبت کا ذکر ہے کہ نواب اصغر حسین صاحب فخر مرحوم کے یہاں
مشاعرہ تھا مولوی علی میاں کامل کا پاؤں سن ہوگیا۔ انھوں نے نواب صاحب سے
عرض کیا۔ نواب صاحب نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ پاؤں پھیلا دیجئے۔ اول تو آپ بزرگ
ہیں۔ دوسرے شکایت ظاہر ہے۔ انھوں نے پاؤں پھیلا دیے۔ سب شعرا نے
مشورہ کیا کہ یہ امر تہذیب مشاعرہ کے خلاف ہے۔ اگر اجازت دی جائے گی تو تہذیب
مشاعرہ قائم نہ رہے گی۔ سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ جناب کامل کی
طبیعت ناساز ہے تو مشاعرہ بے لطف رہے گا۔ ہرچند معذرت کی مگر قبول نہ ہوئی

اسیر مرحوم کا ذکر ہے۔ ایک مشاعرے میں مرحوم شریک بزم تھے۔ ایک شائق نے
ٹوپی اتار کر اپنے دماغ کو ہوا دی۔ آپ نے غزل نہیں پڑھی عذر کرکے
چلے آئے اور مرتے دم تک کسی مشاعرے میں نہ گئے۔

اے مصحفی میں روؤں کیا پچھلی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

اس تہذیب کو دیکھتے ہوئے تو مشاعرہ اب مشاعرہ نہیں رہا اور بہت سے
کہنہ مشق، خوش گو شعرا گوشہ نشین ہوگئے۔ لسان الملک حضرت ریاض، افضل الشعرا
جناب افضل خلف جناب اسیر، جناب انجم لکھنوی تلمیذ جناب اسیر اور
بہت سے شریک نہیں ہوتے۔ مجھے نہ گانا آتا ہے نہ بتانا۔ اگر میر تقی مرحوم کی بھی
غزل پڑھوں تو رنگ نہ دے گی۔ اس لیے کہ آج کل داد بقید علم موسیقی
ملتی ہے۔ پھر مجھ ایسے ناکارہ شخص کو مشاعرے میں بلانے سے کیا حاصل۔

دوسرے میں اپنی موجودگی میں اپنا کلام کسی خوش گلو سے پڑھوانا معیوب جانتا ہوں۔ ایسی حالت میں کیا آؤں کیا سناؤں۔

دعاگو
عشرت

نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل مانک پوری کا خط

(۸۶) حضرت دل شاہجہاں پوری کے نام

مجبی و مشفقی۔ تسلیم۔ نامہائے عنایت صادر ہوکر باعث منت پزیری ہوئے آج خدا خدا کرکے آپ کی غزل ملاحظہ سے گزری۔ جسے ہمراہ رقیمہ نیاز بھیجتا ہوں۔ آپ شاگرد ایسے شخص کے ہوئے جو تمام عالم کا استاد ہے پھر کیونکر اصلاح میں تاخیر نہ ہو۔

اصلاح طلب کلام کے بستے کے بستے پڑے ہیں۔ میری جانب سے آپ کی تعمیل ارشاد میں تساہل نہیں ہوتا اور نہ کبھی ہوگا۔ دوسری غزل بعد کو روانہ کی جائے گی۔ ابھی اس کا وقت بھی دور ہے۔ آپ کی تاریخ داخل دیوان ہو گئی۔ چار مصرعہ رکھے گئے ہیں ؎

میرے استاد کا پہلا دیواں — تھا بلاغت کے چمن کا گل تر
اس کی تاریخ یہ لکھدے اے دل — اب فصاحت کا چھپا ہے دفتر

اور سرخی یہ ہے محمد ضمیر حسن خاں دل شاہجہاں پوری۔ شاگردی کی اضافت کسی کے نام کے ساتھ نہیں رکھی گئی اور چار مصرعوں سے زیادہ کوئی قطعہ تاریخ نہیں ہے سوائے حضرت داغ کے۔ صدہا تاریخیں آئی تھیں مگر چن کر انتخاب لاانتخاب

لکھی گئیں۔ باقی حضرت نے واپس کردیں۔ حضرت قبلہ وکعبہ آپ کو بہت بہت دعائیں کہتے ہیں اور سب سلام رسان ہیں

آپ کا نیاز مند
جلیل زبیل

حضرت جلال لکھنوی کا خط

(۸۷) حضرت وصل بلگرامی کے نام

جلال نواز سلامت۔ سلام شوق کے بعد مدعا نگار ہوں کہ میں بفضل الٰہی اس وقت تک مع متعلقین بخیر و عافیت ہوں اور آپ کی خیریت و صحت کا ہر وقت درگاہ باری سے خواستگار۔

واقعی آپ سے مجھکو نیاز حاصل ہو چکا ہے۔ میں نے خوب آپ کو پہچانا۔ قصیدہ آپ کے استاد کا میں نے دیکھا۔ ۵۰ جلدیں قصیدہ کی جو سوا میرے اور برخوردار حکیم محمد مہدی کمال سلمہ اللہ المتعال کی جلد کے ارسال فرمائی تھیں وہ یہاں کے اور شعرا کو تقسیم کر دیں۔ حکیم محمد مہدی کمال سلمہ کی جلد میرے پاس رکھی ہے اس واسطے کہ وہ بالفعل لکھنؤ میں نہیں ہیں۔ ایک ریاست ہے تردا نام ضلع فرخ آباد میں ہیں بلکہ وہاں کے راجہ کے طبیبوں میں ملازم ہیں۔ آپ چاہیے اُن کو ایک تحریر اپنے استاد کے دیوان کی تاریخ کے بارے میں بہ نشان مذکور الصدر ارسال فرمادیں تو انسب ہے اور حضرت یاس کا پتہ یہ ہے:

"لکھنؤ۔ میدان ایل خاں"
میرزا اکبر حسین صاحب یاس کے مطالعہ میں موصول ہو۔

اب ایک امر میں بھی آپ کو تکلیف دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میری غزلیات کا دیوان چہارم موسوم بہ اسم تاریخی نظم نگارین واسم غیر تاریخی "حسن مقال" کہ بالفعل معرض طبع میں ہے۔ خدا نے چاہا تو عنقریب چھپ کر تیار ہو جائے گا۔ پس آپ کو اور آپ کے ذکر فرمانے پر اور جس جس کو دیوان کی خریداری منظور ہو اور جس قدر نسخے چاہتے ہوں ان کی قیمت بطور پیشگی جلد تر ارسال فرما دیجئے تو عین مناسب ہے۔ قیمت پیشگی اس کی ایک روپیہ ہے۔ اجرء طبع ہونے کے مضاعف ہو جائے تو عجب نہیں فقط والسلام۔

بے کمال
جلال

مرزا محمد جعفر اوج کا خط

(۸۸) قاضی محمد خلیل حیران کے نام

محترمی ومحتشمی دام مجدکم العالی تسلیم بہ رسانم وسلامتی می خواہم عنایت نامہ گلدستہ انجمن موصول ہوا۔ بہ دریافت خیریت مزاج گرامی شکر الٰہی بجالاتا ہوں۔

قرق امین صاحب کے پاس خط بھیجتے ہیں جو کوشش فرمائی گئی کمال ممنون فرمایا۔ خانہ احسان آباد باد

واقعی آپ نے بڑی زحمت فرمائی اور بغیر اس زحمت کے خط کا پہنچنا

ممکن نہ تھا - انشاء اللہ وقت فرصت اور سلسلہ بھی مجھ کو جوں کا۔ باعث پیسلام مرسل ہے ہے

جمال عارض سرورا اگر ندلور ہو جاتا ÷ یہ محفل زینت یہ منبر نور ہو جاتا

ر ا ح

پیارے لال شاکر کا خط

(۸۹) صفدر مرزا پوری کے نام

دفتر العصر لکھنؤ - ۵ر دسمبر ۱۹۱۳ء

مجبی جناب صفدر تسلیم - مجھے آپ نے کیونکر یاد کیا - میں نے تو خیال کیا تھا کہ شاید آپ کو میرا نام بھی یاد نہ رہا ہوگا۔ خیر صبح کا بھولا اگر شام کو آجائے تو اُسے بھولا نہ سمجھنا چاہیئے -

میری حالت کیا پوچھتے ہو سخت پریشان ہوں - منسلکہ سرکلر سے واضح ہو جائے گا کہ مجھ پر کیا افتاد پڑی ہے - اپنی تو مجھے چنداں فکر نہیں - البتہ العصر کا بہت خیال ہے - دعا کیجئے کہ اس مصیبت سے جلد نجات حاصل ہو اگست و ستمبر کے مجموعی نمبر کے بعد اب تک کوئی پرچہ شائع نہیں ہو سکا۔ کوشش میں ہوں کہ جلد اس کی اشاعت کا پختہ انتظام ہو جائے -

اساتذۂ لکھنؤ سے مجھے بہت کم ملنے کا اتفاق ہوا ہے - اس صورت میں بالکل ناممکن ہے کہ میں کسی کے متعلق کچھ لکھ سکوں جس اتفاق یا سوء اتفاق سے میں یہاں کے بسارے مشاعرہ میں بھی شریک نہیں ہو سکا مگر وہاں کی کیفیت

سن کر اب مجھے اس کا افسوس بھی نہیں رہا۔

جب سے ہوش سنبھالا یہی سنتے آئے کہ "دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں" اس کا ثبوت اس مشاعرہ سے مل گیا۔ لکھنؤ کے ایک مشہور شاعر نے جن کے نام کے شروع میں جلی قلم سے "لسان القوم" لکھا جاتا ہے قیامت کا مطلع پڑھا کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ لیجئے آپ بھی سن لیجئے:

منہ میں کف، ہاتھ میں سر، پاؤں میں زنجیر بہار
در زنداں پہ پہنچی یوں مری تصویر بہار

کہو کیا سمجھے۔ بہت پرمعنی مطلع ہے۔ مشاعرہ میں اسے کئی بار پڑھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ ماہرین فن نے ردیف و قافیہ کو شعر کے دو رکن اہم قرار دیتے ہیں یعنی انہیں سے شعر، شعر کہلانے کا مستحق ہوا ہے۔ ردیف ہی پہ سارا دار و مدار رہتا ہے اور جب وہی بے کار رہ گئی تو مضمون کا خدا حافظ۔ ردیف بے کار رکھنے کے ترکیب بھی زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں جو حشو کو معیوب نہیں سمجھتے۔ اب تک یہ عیب صرف نو آموز معمولی شعرا کے کلام میں پایا جاتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ نامی گرامی شعرا بھی ٹھوکر کھانے لگے۔

سچ کہا ہے "بڑے بول کا سر نیچا" اب خدا ہی ہے جو ہماری اردو شاعری کی لاج رکھے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب غزلیں ایسی ہی تھیں۔ سنا کہ عزیز اور جگر بیت کی غزلیں مقابلتہ بہت اچھی رہیں۔ ہمیں خوش رہنا چاہئے کہ ہماری ینگ پارٹی سر بلند رہی۔

پیارے لال شاکر میرٹھی

(۹۰) حضرت آرزو مارہروی کا خط

نذرِ حقیر تحفۂ اک عجیب ہوں میں تو آئے
اور گل سے گلوں شاخ لے شاخ ہے

آپ جیسے گل بداماں کے لیے جس کا باغِ جوانی ایسا سدا بہار ہے کہ
اس کے پھولوں کی مشامِ جاں فزا سے معطر ہو کر ایک عالم مستی و بے خودی
کے عالم میں ہے۔ چونکہ پھولوں کا ہدیہ نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے اس لیے
میں نے ریاضِ سخن سے پھولوں کا گلدستہ منتخب کیا اور اس میں سے
سب سے نفیس پھول چن لیے۔ جس وقت یہ آپ کا غنچہ دہن محفلِ احباب میں گل افشانی
کرے گا تو سامعین کو نہایت استعجاب ہوگا کہ کس روش سے پھول
جھڑ رہے ہیں جو ناممکن ہے کہ ہو سکے اور ان پھولوں پر عنادل کی طرح
محوِ بے خود ہو کر وہ بے ہوش ہو جائیں گے اور خوشی کے مارے اپنے جامے میں
پھولے نہ سمائیں گے۔ ان پھولوں کا ادنیٰ اثر تو یہ ہے کہ کاغذ اور
الفاظ پر خود بخود نہایت شگفتہ پھولوں کی مہر لگ گئی۔

میری اس ناچیز تحریر کو دامنِ گل کی طرح چاک کر دینا لیکن اتنی
احتیاط رہے کہ اس کا کوئی پرزہ بادِ مخالف سے اڑ کر مجھ تک پہنچنے نہ پائے
جس سے شگوفہ کھلنے کا اندیشہ ہے۔

راقم

گلچیں میں بن گیا ترے باغِ شباب کا
دل بستگی بڑھی جو کھلے [illegible] کے پھول

ختم شد